(یہ کتاب صرف احمدی حضرات کے لئے ہے)

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖن لَا نَبِیَّ بَعْدِی (الحدیث)

"میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی پر ناقدانہ تبصرہ

ابن رشید

زیر اہتمام

ڈاکٹر عبدالوحید
5- عثمان بلاک
دار السلام نیو گارڈن لاہور

نام کتاب..............مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد پر
ناقدانہ نظر
زیر اہتمام.............ڈاکٹر عبدالوحید 5 عثمان بلاک
نیوگارڈن ٹاؤن لاہور
پرنٹرز...............گنج شکر لاہور
سن اشاعت...........2008
قیمت:..............150/روپے

تقدیم

یہ کتاب صرف احمدی حضرات کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جو ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے مسلمانوں کے اجتماعی دھارے سے الگ ہوگئے ہیں۔ امید ہے کہ احمدی حضرات ٹھنڈے دل و دماغ سے مطالعہ کریں گے اور اپنی کج فہمی اور زیغ فی العقیدہ کی اصلاح کریں گے۔ اس میں ان کے لیے بھلائی ہے۔ اجتماعی دھارے سے الگ ہونا تباہی اور نامرادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ختم نبوت صرف دینی عقیدہ ہی نہیں بلکہ یہ عقیدہ تمام دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا ذریعہ ہے جو شخص رسول کریم ﷺ پر ایمان لاتا ہے۔ اس کو تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے یہی عقیدہ اتحاد بین الناس کا ذریعہ ہے۔ رسول کریم ﷺ کی ذات اقدسہ تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ کوئی ایسا کمال نہیں جو آپ ﷺ کی ذات مبارکہ میں نہ پایا جاتا ہو۔ جب نبوت کے تمام کمالات آپ ﷺ کی ذات مبارکہ میں جمع ہوگئے ہیں تو لامحالہ آپ ﷺ خاتم النبیین ٹھہرے۔ خاتم النبیین کی پھر وضاحت بھی "لانبی بعدی" کے الفاظ سے کردی ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ رسول کریم ﷺ کی اس وضاحت کے بعد خاتم النبیین کے کوئی اور معنی کرنا جن سے اجرائے نبوت ثابت ہو، سراسر گمراہی ہے۔ احمدی حضرات اس بات کو خاص طور پر ذہن میں لائیں۔ نبی وہ ہوتا ہے جس پر جبرائیل علیہ السلام خدا کی طرف سے وحی نبوت لے کر نازل ہوتا ہے۔ وحی نبوت احکام الٰہی کا نام ہے۔ احکام الٰہی قرآن مجید کی شکل میں مکمل ہوچکے ہیں۔ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے کوئی ایسا حکم نہیں جو قرآن مجید میں موجود نہ ہوتو پھر نبوت کی کیا ضرورت ٹھہری۔

سو میں احمدی حضرات کی خدمت میں گزارش کروں گا۔ وہ حکمت نبوت کو سمجھیں اور خاتم النبیین کی غلط اور گمراہ کن تعبیر سے باز آجائیں۔ ختم نبوت ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے جو بھی اجماع کے راستہ کو چھوڑتا ہے وہ گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

ابن رشید

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	باب اول	7
	مرزا غلام احمد کا خاندان	7
2	باب دوم	16
	مرزا غلام احمد صاحب کے دعوی مجددیت سے قبل کے حالات زندگی	
3	باب سوم	54
	قلمی جہاد پر طائرانہ تبصرہ	
4	باب چہارم	125
	شمائل مرزا غلام احمد قادیانی	
5	باب پنجم	147
	حسن معاشرت، اخلاق فاضلہ	
6	باب ششم	194
	مرزا صاحب کے دعاوی. (مجددیت، محدثیت، مہدویت ومسیح موعودیت)	
7	باب ہفتم	259
	فرمودات مرزا غلام احمد قادیانی در مدح رسول کریم ﷺ	

باب اول

مرزا غلام احمد کا خاندان

خاندان:

مرزا غلام احمد صاحب کا خاندان قوم برلاس سے تعلق رکھتا تھا۔ عام یہ خیال کیا جاتا ہے کہ برلاس قوم مغل کی ایک شاخ ہے لیکن یہ خیال غلط ہے کہ ایک ایرانی النسل ایک قوم تھی جو سمرقند اور اس کے نواح میں آباد تھی۔ تیمور اس قوم میں سے تھا چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں تیمور کے تحت لکھا ہے کہ تیمور کا باپ قبیلہ برلاس کا رئیس تھا۔ اس طرح تمام تواریخ اس بات پر متفق ہیں کہ تیمور قبیلہ برلاس سے تھا۔ اور تیمور کا قبیلہ کش اور سمرقند میں آباد تھا۔ جیسا کہ تزک تیموری میں لکھا ہے۔

کہ قراچار نے (جو اپنی قوم میں پہلا فرد تھا جس نے اسلام قبول کیا) کش کے میدانوں کو اپنے قبیلہ برلاس کے لئے مقرر کر دیا تھا۔

ویمبرے رقمطراز ہے کہ برلاس قبیلے کے لوگوں نے کش اور نخشب میں اپنی ایک خود مختار ریاست قائم کر لی تھی۔ (تاریخ بخارا صفحہ 63)

مارخم لکھتا ہے کہ تیمور کے جد امجد قراچار نے قبیلہ برلاس کو سمرقند کے قریب کش کے ارد گرد حکومت دے دی تھی۔ (دیباچہ دربار تیمور میں سفارت مصنفہ سی آر مارخم مطبوعہ لندن صفحہ 13)

تاریخ رشیدی کے ترجمہ انگریزی میں ہے کہ علاقہ کش اپنے ماتحت علاقہ سمیت امیر قراچار کے ماتحت تھا۔ (تاریخ رشیدی کا ترجمہ انگریزی مطبوعہ انگریزی مطبوعہ لندن 1898 صفحہ 18 باب پنجم)

غرض کہ تاریخ سے یہ بات مسلمہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں کش اور سمرقند کے علاقوں میں برلاس قوم آباد تھی۔

زیپلیکا ایم اے اپنی کتاب "ترک وسطی ایشیا میں" رقمطراز ہے تازک جو سمرقند اور فرغنہ کے علاقوں میں رہتے ہیں۔ وہ خالص ایرانیوں کی اولاد تھے۔ (صفحہ 34)

تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی ہے۔ کہ مرزا صاحب کے جد امجد سمرقند اور بخارا کے

رہنے والے تھے۔

مرزا ہادی بیگ کا ہندوستان آنا: حاجی برلاس کی نسل میں مرزا ہادی بیگ صاحب اپنے خاندان اور خدام کے ہمراہ سمرقند سے ہندوستان تشریف لائے چنانچہ سرلیپل گریفن نے تاریخ پنجاب میں مرزا صاحب کے خاندان کی نسبت یہی لکھا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ مرزا ہادی بیگ صاحب سمرقند سے ہندوستان آئے مرزا صاحب اپنی کتاب البریہ صفحہ 134 حاشیہ میں رقمطراز ہیں اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو آپ کے محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور ان کے ساتھ قریباً دوسو آدمی ان کے نواسے اور خدام اور اہل وعیال میں سے تھے۔ وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ میں اس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا۔ جو لاہور کے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقع ہے فروکش ہوگئے۔ جس کو انہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پور رکھا۔ جو بعد میں اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ قاضی یا۔ پھر اخر قادی بنا۔ پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔"

یہی بستی ایک ریاست کی شکل اختیار کر گئی۔ جو 1530ء سے 1806ء (مطابق 938ھ تا 1217ھ) تک کم وبیش پونے دوسو سال تک قائم رہی۔ پھر سکھوں کا زمانہ آیا۔ اس وقت مرزا صاحب کے پردادا گل احمد صاحب اس جگہ کے رئیس تھے۔ سکھوں کے ظلم وستم کی کہانی مرزا غلام احمد صاحب نے خود اپنی کتاب البریہ حاشیہ صفحہ 136 میں تحریر کی۔

"سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب مرزا گل محمد صاحب ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے جن کے پاس اس وقت (85) گاؤں تھے۔ اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ تاہم ان کی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دے دیئے تھے جو اب تک ان کے پاس ہیں۔ غرض وہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خودمختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانسو آدمی کے یعنی کبھی کم اور اور کبھی زیادہ ان کے دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے۔ اور ایک سو کے قریب علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے ان کے پاس رہتے تھے۔ جن کے کافی وظیفے مقرر تھے۔ اور ان کے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا۔ اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو

تارک نماز ہو۔ یہاں تک کہ چکی پیسنے والی عورتیں بھی پنجوقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں۔ اور گردونواح کے معزز مسلمان جو اکثر افغان تھے قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا مکہ کہتے تھے کیونکہ اس پرآشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی۔ اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق اور ظلم نظر آتا تھا اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ میں نے خود اس زمانہ سے قریب زمانہ پانے والوں کو دیکھا ہے۔ کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے گویا وہ اس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں حامیان دین اور صلحاء اور علماء اور نہایت شریف اور جوانمرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں کہ مرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں اور صاحب خوارق اور کرامات تھے۔ جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلاء قادیان میں جمع ہوگئے تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات ان کی ایسی مشہور ہیں جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانوں کی صفت میں نہایت مشہور تھے۔ اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے سب کے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق وفجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ اس زمانہ میں ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا اور اس نے میرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور عقل اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا اور ان کے مختصر دربار کو عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پُر پایا۔ تب وہ چشم پرآب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضرور یہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جائے۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ میرے دادا صاحب موصوف یعنی میرزا گل محمد نے ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطباء نے اتفاق کر کے کہا کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے تو

غالباً اس سے فائدہ ہوگا مگر جرات نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر بعض نے ان میں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اس کی پیدا کردہ اور بہت سی دوائیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں اور میں خدا کی قضاء و قدر پر راضی ہوں۔ آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرما گئے۔ موت تو مقدر تھی مگر یہ ان کا طریق تقویٰ ہمیشہ کے لئے یادگار رہا کہ موت کو شراب پر اختیار کرلیا۔ موت سے بچنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا لیکن انہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔ افسوس ان نوابوں اور امیروں اور رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خدا اور اس کے احکام سے بکلی لاپرواہ ہو کر اور خدا تعالیٰ سے سارے علاقے توڑ کر دل کھول کر ارتکاب معصیت کرتے ہیں اور شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کر کے عمر طبعی سے بھی محروم رہ کر اور بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہو کر جلد تر مر جاتے ہیں اور آئندہ نسلوں کے لئے نہایت خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔

مرزا صاحب ازالہ اوہام میں لکھتے ہیں۔

''مرزا صاحب مرحوم ایک مرد اولی العزم اور متقی اور غایت درجہ کے بیدار مغز اور اول درجہ کے بہادر تھے۔ اگر اس وقت مشیت الٰہی مسلمانوں کے مخالف نہ ہوتی تو بہت امید تھی کہ ایسا بہادر اور اولی العزم آدمی سکھوں کی بلند شورش سے پنجاب کا دامن پاک کر کے ایک وسیع سلطنت اسلام کی اس میں قائم کر دیتا۔ جس حالت میں رنجیت سنگھ نے باوجود اپنی تھوڑی سی پدری ملکیت کے جو صرف نو گاؤں تھے تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر پیر پھیلائے تھے جو پشاور سے لدھیانہ تک خالصہ ہی خالصہ نظر آتا تھا۔ اور ہر جگہ ٹڈیوں کی طرح سکھوں کی ہی فوجیں دکھائی دیتی تھیں۔ تو کیا ایسے شخص کے لئے یہ فتوحات قیاس سے بعید تھیں۔ جس کی گمشدہ ملکیت میں سے ابھی چوراسی یا پچاسی گاؤں باقی تھے۔ اور ہزار کے قریب فوج کی جمیت بھی تھی۔ اور اپنی ذاتی شجاعت میں ایسے مشہور تھے کہ اس وقت کی شہادتوں سے بہ بداہت ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے یہی چاہا تھا کہ مسلمانوں پر ان کی بے شمار غفلتوں کی وجہ سے تنبیہ نازل ہو اس لئے میرزا صاحب مرحوم اس ملک کے مسلمانوں کی ہمدردی میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور میرزا صاحب مرحوم کے حالات عجیبہ میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفین مذہب بھی ان کی نسبت ولایت کا گمان رکھتے تھے۔ اور ان کے بعض خارق عادت امور عام طور پر دلوں میں نقش ہو گئے

تھے۔ یہ بات شاذ و نادر ہوتی ہے کہ کوئی مذہبی مخالف اپنے دشمن کی کرامات کا قائل ہو لیکن اس راقم نے مرزا صاحب مرحوم کے بعض خوارق عادات ان سکھوں کے منہ سے سنے ہیں جن کے باپ دادا مخالف گروہ میں شامل ہو کر لڑتے تھے۔ اکثر آدمیوں کا بیان ہے کہ بسا اوقات مرزا صاحب مرحوم صرف اکیلے ہزار ہزار آدمی کے مقابل پر میدان جنگ میں نکل کر ان پر فتح پا لیتے تھے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ ان کے نزدیک آ سکے۔ اور ہر چند جان توڑ کر دشمن کا لشکر کوشش کرتا تھا کہ توپوں اور بندوقوں کی گولیوں سے ان کو مار دیں مگر کوئی گولی یا گولہ ان پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ یہ کرامت ان کی صدہا موافقین اور مخالفین بلکہ سکھوں کے منہ سے سنی گئی ہے۔ جنہوں نے اپنے لڑنے والے باپ دادوں سے سنداً بیان کی تھی۔ لیکن میرے نزدیک یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ اکثر لوگ زمانہ دراز تک جنگی فوجوں میں نوکر رہ کر بہت سا حصہ اپنی عمر کا لڑائیوں میں بسر کرتے ہیں۔ اور قدرت حق سے کبھی ایک خفیف سا زخم بھی تلوار یا بندوق کا ان کے بدن کو نہیں پہنچتا۔ سو یہ کرامت اگر معقولی طور پر بیان کی جائے کہ خدا تعالیٰ اپنے خاص فضل سے دشمنوں کے حملوں سے ان کو بچاتا رہے۔ تو کچھ حرج کی بات نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ مرزا صاحب مرحوم دن کے وقت ایک پر ہیبت بہادر اور رات کے وقت ایک باکمال عابد تھے اور معمور الاوقات اور متشرع تھے''۔ (ازالہ اوہام طبع اول ۱۲۸۔۱۳۰)

''اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے دادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد صاحب فرزند رشید ان کے گدی نشین ہوئے۔ ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا مرحوم صاحب نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے بہت تدبیریں کیں مگر جبکہ قضاء و قدر ان کے ارادہ کے موافق نہ تھی اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ یہاں تک دادا صاحب مرحوم کے پاس قادیان رہ گئی اور قادیان اس وقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا اور اس کے چار برج تھے۔ اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے۔ اور چند توپیں تھیں اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اسی قدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل اس پر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا اول فریب کی راہ سے اجازت لے کر قادیان میں داخل ہوا اور پھر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے۔ اور ان

کے مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا جس میں پانسو نسخہ قرآن شریف قلمی تھا جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے۔ اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزیں ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے۔ اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے۔ اوز لاہور سے پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملک داری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں مل کر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضیٰ اس نواح میں مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔

۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گزاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عندالضرورت وعدہ بھی دیا اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے بجاآوری خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں۔ چنانچہ سرلیپل گریفن صاحب نے اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہردلعزیز تھے اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنران کے مکان پر ان کی ملاقات کرتے تھے۔ (کتاب البریہ طبع اول حاشیہ ۱۳۴ تا ۱۴۶) [1]

سرلیپل گریفن اور کرنل میسی کی شہادت: سرلیپل گریفن اور کرنل میسی نے (جن کی طرف مندرجہ بالا سطور میں اشارہ ہے) اپنی مشہور و معروف انگریزی کتاب ''پنجاب چیفس'' یا ''چیفس

[1] مرزا صاحب نے اپنے خاندانی حالات اپنی تصنیفات ''ازالہ اوہام بار اول ص ۱۲۰ تا ۱۳۳۔ آئینہ کمالات اسلام حصہ اول عربی ص ۴۹۸ تا ۵۱۶، ستارہ قیصرہ طبع سوم ص ۳۰۲، کشف الغطا، حجتہ النور ص ۶ تا ۱۱، تحفہ قیصریہ طبع ص ۱۸، ۱۹۔ میں لکھے ہیں۔

اینڈ فیمیلیز آف نوٹ ان دی پنجاب'' میں حضرت اقدس کے خاندانی حالات پر ایک نوٹ لکھا ہے. جس کا مستند ترجمہ درج ذیل ہے۔

''شہنشاہ بابر کے عہد حکومت کے آخری سال یعنی ۱۵۳۰ء میں ایک مغل مسمی ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بود و باش اختیار کی یہ کسی قدر لکھا پڑھا آدمی تھا۔ اور قادیان کے گردونواح کے ستر مواضعات کا قاضی یا مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ قادیان اس نے آباد کیا۔ اور اس کا نام اسلام پور قاضی رکھا جو بدلتے بدلتے قادیان ہوگیا۔ کئی پشتوں تک یہ خاندان شاہی عہد حکومت میں معزز عہدوں پر ممتاز رہا۔ اور محض سکھوں کے عروج کے زمانہ میں یہ افلاس کی حالت میں ہوگیا تھا۔ گل محمد اور اس کا بیٹا عطا محمد رام گڑھیہ اور کنہیا مسلوں سے جن کے قبضہ میں قادیان کے گردونواح کا علاقہ تھا ہمیشہ لڑتے رہے اور آخر کار اپنی تمام جاگیر کو کھو کر عطا محمد بیگو وال میں سردار فتح سنگھ اہلو والیہ کی پناہ میں چلا گیا اور بارہ سال تک امن و امان سے زندگی بسر کی۔ اس کی وفات پر رنجیب سنگھ نے جو رام گڑھیہ مسل کی تمام جاگیر پر قابض ہوگیا تھا غلام مرتضیٰ کو قادیان واپس بلا لیا اور اس کی جدی جاگیر کا ایک بہت بڑا حصہ اسے واپس دے دیا۔ اس پر غلام مرتضیٰ اپنے سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات انجام دیں۔ نونہال سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضےٰ ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں یہ جرنیل ونجورا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا اور ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدہ میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ سرکار کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقعہ پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج لئے دیوان مولراج کی امداد کے لئے ملتان کی طرف جا رہا تھا تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداران لنگر خاں ساہیوال اور صاحب خانہ ٹوانہ نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور مصر صاحب دیال کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ ان کو سوائے دریائے چناب کے کسی اور طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا جہاں چھ سو سے زیادہ آدمی ڈوب کر مر گئے۔

الحاق کے موقعہ پر اس خاندان کی جاگیر ضبط ہوگئی۔ مگر سات سو روپیہ کی ایک پینشن غلام مرتضیٰ اور اس کے بھائیوں کو عطا کی گئی اور قادیان اور اس کے گردونواح کے مواضعات پر ان کے حقوق مالکانہ رہے۔ اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران میں بہت اچھی خدمات کیں۔

غلام مرتضٰی نے بہت سے آدمی بھرتی کیے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکلسن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا۔ جبکہ افسر موصوف نے تریمو گھاٹ پر نمبر ۴۶ میٹو انفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا۔ جنرل نکلسن صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں خاندانِ قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا۔

غلام مرتضٰی جو ایک لائق حکیم تھا ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا۔ غلام قادر حکام مقامی کی امداد کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اور اس کے پاس ان افسران کے جن کا انتظامی امور سے تعلق تھا بہت سے سٹرفکیٹ تھے۔ یہ کچھ عرصے تک گورداسپور میں دفتر ضلع سپرنٹنڈنٹ رہا۔ اس کا اکلوتا بیٹا کمسنی میں فوت ہو گیا اور اس نے اپنے بھتیجے سلطان احمد کو متبنّٰی کر لیا جو غلام قادر کی وفات یعنی ۱۸۸۳ء سے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا تھا۔ مرزا سلطان احمد نے نائب تحصیلداری سے گورنمنٹ کی ملازمت شروع کی اور اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ تک ترقی پائی۔ یہ قادیاں کا نمبردار بھی تھا۔ مگر اس نمبرداری کا کام بجائے اس کے اس کا چچا نظام الدین کرتا تھا جو غلام محی الدین کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ مرزا سلطان احمد کو خان بہادر کا خطاب اور ضلع منٹگمری میں پانچ مربعہ جات اراضی عطا ہوئے اور ۱۹۳۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا سب سے بڑا لڑکا مرزا عزیز احمد ایم اے اب خاندان کا سرکردہ اور پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد کا چھوٹا بیٹا رشید احمد ایک اولوالعزم زمیندار ہے۔ اور اس نے سندھ میں اراضی کا بہت بڑا رقبہ لے لیا ہے۔ نظام الدین کا بھائی امام الدین جس کا انتقال ۱۹۰۴ء میں ہوا دہلی کے محاصرہ وقت ہاڈسن صاحب کے رسالہ میں رسالدار تھا اور اس کا باپ غلام محی الدین تحصیلدار تھا۔" (تذکرہ روسائے پنجاب حصہ دوم ص ۶۷۔۶۹)

سر لیپل گریفن نے مرزا صاحب کے ذاتی حالات بھی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ غلام احمد جو مرزا غلام مرتضٰی کا چھوٹا بیٹا ہے مسلمانوں کے ایک مشہور مذہبی فرقہ احمدیہ کا بانی ہوا۔ یہ شخص ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا۔ اور اس کو تعلیم نہایت اچھی ملی۔ ۱۸۹۱ء میں اس نے بموجب اسلام مہدی یا مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا۔ چونکہ یہ عالم اور منطقی تھا اس لئے دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے لوگ اس کے معتقد ہو گئے۔ اور اب احمدیہ جماعت کی تعداد پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ مرزا عربی،

فارسی اور اردو کی بہت سی کتابوں کا مصنف تھا جن میں اس نے جہاد کے مسئلہ کی تردید کی اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں نے مسلمانوں پر اچھا اثر کیا ہے۔ مدت تک یہ بڑی مصیبت میں رہا کیونکہ مخالفین مذہب سے ان کے اکثر مباحثے اور مقدمے رہے لیکن اپنی وفات سے پہلے جو ۱۹۰۸ء میں ہوئی اس نے ایک رتبہ حاصل کر لیا کہ وہ لوگ بھی جو اس کے خیالات کے مخالف تھے اس کی عزت کرنے لگے۔ اس فرقہ کا صدر مقام قادیان ہے جہاں انجمن احمدیہ نے ایک بہت بڑا سکول کھولا ہے اور چھاپہ خانہ بھی ہے جس کے ذریعہ سے اس فرقہ کے متعلق خبروں کا اعلان کیا جاتا ہے۔ مرزا غلام احمد کا خلیفہ ایک مشہور حکیم مولوی نور الدین ہے جو چند سال مہاراجہ کشمیر کی ملازمت میں رہا ہے۔

اس خاندان کے سالم موضع قادیان پر جو ایک بڑا موضع ہے حقوق مالکانہ ہیں اور نیز تین ملحقہ مواضعات پر بشرح پانچ فی صدی حقوق تعلقہ داری حاصل ہیں۔"

(ترجمہ پنجاب چیفس طبع اول)

باب دوم

مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ مجددیت سے قبل کے حالات زندگی

ننھیال:۔

مرزا غلام احمد صاحب کی والدہ محترمہ کا نام چراغ بی بی صاحبہ تھا۔ان کے خاندان کا تعلق موضع آئمہ ضلع ہوشیار کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔چراغ بی بی اپنی جودوسخا،مہمان نوازی اورغریب پروری کی وجہ سے مشہور تھیں۔

آپ پانچ بہن بھائی تھے۔سب سے بڑی آپ کی ہمشیرہ مراد بیگم تھیں جو مرزا احمد بیگ کے عقد زوجیت میں آئیں۔ان سے چھوٹے مرزا غلام قادر تھے۔ان سے چھوٹے آپ کے ایک اور بھائی تھے جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔آپ توام پیدا ہوئے پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔جس کا نام جنت رکھا گیا۔جو پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئی تھی۔آپ کا توام کا پیدا ہونا مشہور صوفی حضرت محی الدین ابن عربی کی پیشگوئی کے مطابق تھی۔چنانچہ شرح فصوص الحکم صفحہ 83 پر لکھا ہے کہ آخری مولود جو بنی نوع انسان میں پیدا ہوگا۔جو اللہ تعالیٰ کے اسرار کا حامل ہوگا اور اس کے بعد کوئی ایسا لڑکا اس قسم کا پیدا نہ ہوگا اور وہ خاتم الاولاد ہوگا۔اس کے ساتھ اس کی بہن پیدا ہوگی۔جو اس سے پہلے پیدا ہوگی وہ اس کے بعد پیدا ہوگا۔اور اس کا سر اپنی بہن کے پاؤں کے پاس ہوگا۔

ولادت:۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی ولادت 14 شوال 1250 بمطابق 13 فروری 1835ء بروز جمعہ طلوع فجر کے بعد قادیان میں پیدا ہوئے۔آپ کی ولادت سے قبل 1816-1817ء میں راجہ رنجیت سنگھ نے رام گڑھیوں کو شکست دے کر قادیان کی ریاست کو اپنی علمداری میں شامل کر لیا تھا لیکن مرزا صاحب کی پیدائش سے چند ماہ قبل مرزا غلام مرتضیٰ کو قادیان کے اردگرد کے پانچ گاؤں ان کی خاندانی ریاست میں سے انہیں واپس کر دیئے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاندان

میں فراخی رزق کا سبب بنا دیا۔آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کرتی تھیں کہ ہمارے خاندان کے مصیبت کے دن تیری ولادت کے ساتھ پھر گئے۔اور فراخی میسر آ گئی اور اس لئے وہ آپ کی پیدائش کو نہایت مبارک سمجھتی تھیں۔(کتاب البریہ ص ۱۴۶، ۱۴۷)

طفولیت:۔

مرزا صاحب بچپن میں ہی عزلت پسند تھے ہم عمر لوگوں کے ساتھ کھیلنے کی طرف مائل نہ تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کو دنیاوی چیزوں سے کوئی قلبی لگاؤ نہیں۔بچپن سے ہی ان کے حرکات وسکنات ظاہر کر رہے تھے وہ کسی عظیم کام کی تیاری کر رہے ہیں۔

تعلیم:۔

جب آپ چھے سال کی عمر کو پہنچے تو ان کے والد صاحب نے آپ کے لئے ایک فارسی خواں معلم رکھا۔جن کا نام فضل الٰہی تھا۔وہ قادیان کا رہنے والا اور حنفی المذہب تھا۔قرآن مجید اور چند فارسی کی کتب آپ کو پڑھائیں۔جب آپ کی عمر قریباً دس سال ہوئی۔ایک عربی دان معلم آپ کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کیا گیا جن کا نام فضل احمد تھا۔یہ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کے والد تھے بہت متقی اور دین دار تھے۔مولوی صاحب نے مرزا صاحب کو صرف ونحو کی کچھ کتابیں پڑھائیں۔سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کی تعلیم کے لئے سید گل علی شاہ صاحب کو قادیان بلایا۔مولوی صاحب شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ان سے صرف ونحو اور منطق اور علوم مروجہ پڑھے۔

قصبہ کے بعض اور بچے بھی حصول علم کے لئے آیا کرتے تھے۔مرزا صاحب کی یہ عادت تھی کہ جب شاہ صاحب سے سبق لے لیتے دو تین دفعہ دہرانے کے بعد بالا خانہ پر چلے جاتے اور وہاں سبق یاد کرتے دوسرے طلباء کے ساتھ ہنسی مذاق میں شامل نہ ہوتے تھے۔اگر کسی طالب علم کو سبق میں مشکل پیش آتی تو اس کی مشکل دور کرتے اور بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔اس دور میں صرف دو چیزوں کی طرف راغب تھے قرآن مجید اور مسجد۔جب اسباق سے فارغ ہو جاتے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔تلاوت کے دوران یہ حالت ہوتی تھی کہ دنیا و مافیہا کی خبر تک نہ ہوتی تھی۔تلاوت کے علاوہ آپ مسجد میں ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ذرا طبیعت بوجھل ہوتی تو ٹہلنا شروع کر دیتے۔آپ کی ورزش صرف ٹہلنا ہی تھا۔

بٹالہ میں تعلیمی دور:۔

جب مولوی گل علی شاہ صاحب واپس بٹالہ چلے گئے تو مرزا صاحب کو بھی حصول علم کے لئے بٹالہ جانا پڑا۔ بٹالہ میں آپ کے خاندان کی دکانیں اور ایک بڑی حویلی تھی۔آپ نے اس حویلی میں قیام کیا۔آپ کے دو ہم مکتبوں میں اہل حدیث مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور لالہ بھیم سین بھی شامل تھے۔لالہ بھیم سین جو بعد میں سیالکوٹ میں وکالت کرتے تھے۔ان کے نانا ڈپٹی مکھن لعل صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے۔لالہ بھیم سین کا بیٹا لالہ کنور سین لا کالج لاہور کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔مرزا صاحب کے شباب کا زمانہ تھا خاندانی طور پر رئیس، نسلی طور پر ایرانی شکل وصورت خوبصورت اکیلے مکان میں رہائش لیکن مرزا صاحب نے اس زمانہ میں نہایت پاکیزہ زندگی بسر کی۔آپ کا ذکر الٰہی میں استغراق۔شب بیداری۔فقیرانہ زندگی۔عشق رسول سے معمور قلب ہم مکتبوں کے لئے باعث کشش تھا۔لالہ بھیم سین اور ان کے فرزند لالہ کنور سین کو زندگی بھر آپ سے والہانہ محبت اور عقیدت رہی۔مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی آپ کی زندگی کا مطالعہ بہت قریب سے کیا تھا۔ براہین احمدیہ کی اشاعت پر اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ے میں شہادت حقہ کے طور پر رقمطراز ہیں۔

"مولف براہن احمدیہ کے حالات وخیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاشرے میں ایسے واقف کم نکلیں گے۔مولف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی وشرح پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب تھے۔اس زمانہ سے آج تک ہم میں ان میں خط وکتابت وملاقات ومراسلات برابر جاری رہی ہے۔اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات وخیالات سے بہت واقف ہیں۔مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے قابل ہے۔"

اپنی ذاتی واقفیت اور تعلق کے اظہار کے بعد براہن احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اس کا مولف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی اور مالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا۔جس کی نظیر مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔"

اس کے بعد بڑی تحدی کے ساتھ مرزا صاحب کے بلند روحانی مرتبہ اور براہین احمدیہ کی عظمت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ آرائی سمجھے تو ہم کو کم از کم ایک ایسی کتاب بتا دے۔جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ سماج وبرہمو سماج سے اس زور وشور سے

مقابلہ پایا جاتا ہو۔اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے۔جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی وجانی۔ قلمی ولسانی کی علاوہ نصرت حالی کا بیڑہ اٹھالیا ہو۔اور مخالفین اسلام اور منکرین اسلام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعوی کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آکر تجربہ ومشاہدہ کرے اور اور تجربہ ومشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا۔" (اشاعت السنہ جون وجولائی اگست 1884)

دعویٰ سے پہلے تک ابوسعید شیخ محمد حسین صاحب مرزا صاحب کا قلب صمیم سے احترام کرتے اور آپ کے بلند کردار واخلاق عالیہ اور ملہم ربانی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔جب آپ نے دعوی مسیحیت [1] کیا تو آپ کے شدید مخالف ہو گئے۔اور تمام علماء ہند سے دستخط کروا کر ایک فتوی کفر جاری بھی کیا۔ لیکن آپ کی قبل از دعویٰ زندگی پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔مرزا صاحب نے چیلنج بھی دیا لیکن آپ کی پاکیزہ حیات پر کوئی الزام نہ لگا سکے۔بٹالوی صاحب کے نام ایک کھلی چھٹی کی شکل میں وہ چیلنج شائع بھی کیا۔آپ لکھتے ہیں۔

"اگر آپ طالب حق بن کر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ پر قطعی ثبوتوں سے یہ بات کھل سکتی ہے۔کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ کذب ناپاکی سے مجھ کو محفوظ رکھتا رہا ہے۔یہاں تک کہ بعض وقت انگریزی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسے خطرے میں پڑ گئی کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح وکیل نے مجھ کو نہ دی لیکن اللہ جل شانہ کی توفیق سے میں سچ کے لئے اپنی جان اور عزت سے دست بردار ہو گیا اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کے لئے بڑے بڑے نقصان اٹھانے اور بسا اوقات محض خدا تعالیٰ کے خوف سے اپنے والد اور اپنے بھائی کے برخلاف گواہی دی اور سچ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔اس گاؤں میں اور شہر بٹالہ میں میری ایک عمر گزر گئی ہے۔مگر کون ثابت کر سکتا ہے کہ میرے منہ سے جھوٹ نکلا ہے۔پھر جب میں نے محض للہ انسانوں پر جھوٹ بولنا متروک رکھا اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کر دیا تو پھر میں خدا تعالیٰ پر کیوں جھوٹ بولتا۔"

کسی کے دعویٰ کی سچائی کا معیار بھی قرآنی اصول کے مطابق (قد بثت فیکم عمراً من قبله) (میں نے اس کے قبل ایک عمر تمہارے درمیان گزار دی ہے۔کیا کوئی عیب بتا سکتے ہو) مدعی کی پہلی زندگی ہے۔اگر کوئی شخص دعویٰ سے قبل سچائی کے دامن کو نہیں چھوڑتا۔اور اس کی زندگی تمام عیوب

---

[1] متصوفانہ دعاوی پر علماء اور صوفیاء کا ہمیشہ مجادلہ رہا ہے۔اسی قسم کے دعاوی کی وجہ سے ابن العربی کے متعلق امام ابن تیمیہ نے سخت الفاظ استعمال کئے۔مسیحیت سلوک کا ایک روحانی مقام ہے۔

سے منزہ ہے اور وہ تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنے والا ہے۔تو وہ شخص خدا پر کیسے افتراء کر سکتا ہے مذکورہ کھلی چھٹی میں مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ کی صداقت کی یہی دلیل دی ہے۔

مطالعہ کا شوق:۔

جس سے اللہ تعالیٰ نے کوئی کام لینا ہو تو وہ خود اپنے بندے کی تربیت اور راہنمائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب سے اسلام کی خدمت کا کام لینا تھا۔اس کام کی تیاری کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں قرآن مجید کی محبت پیدا کر دی۔قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے ۔قرآن مجید کے رموز اور معارف پر اطلاع پانے کے لئے اللہ سے دعائیں مانگتے ۔جب رموز و معارف پر اطلاع پا لیتے تو ان کو نوٹ فرما لیتے ۔اس کے علاوہ وہ آپ کے زیر مطالعہ کتب حدیث خصوصاً بخاری،فتوح الغیب،مثنوی مولانا روم،دلائل الخیرات تذکرۃ الاولیاء اور سفر السعادت رہتیں ۔ان کتب کا مطالعہ کرنا ہی مرزا صاحب کے ذہنی اور قلبی لگاؤ اور رجحان کا علم ہو جاتا ہے۔اور قدرت ان کو کسی عظیم کام کے لئے تیار کر رہی تھی۔

نبی کریم ﷺ کی زیارت:۔

جب ایک انسان اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں فنا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا اظہار خارق عادت امر سے کرتا ہے اور وہ روحانی پھل کھلاتا ہے۔جس کا وعدہ اس نے تابع اور مطیع بندوں سے کیا ہے۔اس وعدہ کے مطابق رسول کریم ﷺ کی زیارت آغاز جوانی میں ہو گئی ۔اسی رویاء میں ہی اشاعت اسلام کی راہ متعین کر دی۔رسول کریم ﷺ کی زیارت کا وجد افرین نشہ آپ نے آئینہ کمالات اسلام اور براہین احمدیہ حصہ سوم میں تحریر کیا ہے۔(آئینہ کمالات اسلام کی اصل عبارت عربی کی ہے اس کا ترجمہ درج کیا گیا ہے)

”اوائل ایام جوانی میں ایک رات میں نے (رویا میں) دیکھا کہ میں ایک عالی شان مکان میں ہوں۔جو نہایت پاک اور صاف ہے۔اور اس میں آنحضرت ﷺ کا ذکر اور چرچا ہو رہا ہے۔میں نے لوگوں سے دریافت کیا اور حضور ﷺ کہاں تشریف فرما ہیں۔انہوں نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔چنانچہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر اس کے اندر چلا گیا۔اور جب میں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اور آپ نے مجھے بہتر طور پر اسلام کا جواب دیا۔آپ کا حسن و جمال اور ملاحت اور آپ کی پُر شفقت اور پر محبت نگاہ مجھے اب تک یاد ہے اور مجھے کبھی بھول نہیں سکتی۔آپ کی محبت نے مجھے فریفتہ کر لیا۔اور آپ کے حسین و جمیل چہرے نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔اس وقت آپ ﷺ نے مجھے فرمایا۔اے احمد تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ جب میں نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ہاتھ

میں ایک کتاب ہے اور وہ مجھے اپنی ہی ایک تصنیف معلوم ہوئی۔میں نے عرض کیا۔حضور ﷺ یہ وہی ایک تصنیف ہے (ترجمہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ 548، 549)

[1] ”آنحضرت ﷺ نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے خاکسار نے عرض کیا۔کہ اس کتاب کا میں نے قطبی نام رکھا ہے ۔۔۔۔۔غرض آنحضرت ﷺ نے وہ کتاب مجھ سے لے لی۔اور جب وہ کتاب حضرت اقدس نبی ﷺ کے ہاتھ میں آئی تو آنجناب کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا۔آنحضرت ﷺ نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس سے شہد نکلا کہ آنجناب کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا۔تب ایک مردہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا۔آنحضرت ﷺ کے معجزے سے زندہ ہو کر ایک اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرت کے سامنے کھڑا تھا۔جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے۔

پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اس غرض سے دی تا کہ میں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں اور وہ ایک قاش میں نے اس نئے زندہ کو دے دی اور اس نے وہیں کھا لی۔پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا[2] تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی کرسی اونچی ہو گئی ہے حتیٰ کہ چھت کے قریب جا پہنچی ہے اور میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک ایسا چمکنے لگا کہ گویا اس پر سورج اور چاند کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور میں ذوق اور وجد کے ساتھ آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھ رہا تھا اور میرے آنسو بہ رہے تھے پھر میں بیدار ہو گیا اور اس وقت بھی میں کافی رو رہا تھا۔اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ مردہ شخص اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے روحانی فیوض کے ذریعہ سے اسے اب میرے ہاتھ پر زندہ کرے گا۔

اللھم صلی علی محمد و علی ال محمد و بارک وسلم .انک حمید مجید

(ترجمہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ 548، 549)

[1] یہاں سے براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹ حاشیہ در حاشیہ نمبر ا کی عبارت شروع ہوتی ہے۔[2] براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۴۹ کی عبارت کا متن ختم ہوتا ہے۔

انقطاع الی اللہ اور قلمی جہاد کی تیاری

شادی:۔

جب آپ نے انیس سال کی عمر میں قدم رکھا تو آپ کی شادی آپ کے ماموں مرزا جمعیت بیگ کی بیٹی حرمت بی بی سے کر دی گئی۔آپ کی شادی کی تقریب نہایت سادگی اور اسلامی اصولوں میں ہوئی۔اور کسی قسم کی غیر اسلامی رسوم اور بدعات نہیں ہوئیں۔

خلوت نشینی اور یادالٰہی:۔

شادی بھی آپ کی خلوت نشینی اور ذکر الٰہی میں مخل نہ ہوئی۔شادی تو محض سنت نبوی کی پیروی میں کی۔دراصل آپ کی زندگی کا مقصد اور ہی تھا۔جوں جوں عمر بڑھتی جا رہی تھی ذکر الٰہی اور مطالعہ قرآن کا شوق آپ کے مقدس قلب پر مستولی ہوتا جا رہا تھا۔مسجد میں یا مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا صحن تھا۔اس میں یادالٰہی میں وقت گزارتے۔یہاں تک کہ کھانا بھی اس صحن میں منگوا لیتے۔

غذا:۔

اگر اولیاء اللہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں ایک مشترکہ چیز نظر آتی ہے وہ ہے غذا کا کم کھانا۔روزوں کا بھی یہی فلسفہ ہے۔روزوں میں انسان کے دل میں صبر اور روشنی پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے اولیاء بھی فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے کثرت سے رکھتے ہیں اور غذا بھی بہت کم کھاتے تھے۔مرزا صاحب بھی سنت رسول اور سنت اولیاء کرام پر چلتے ہوئے بہت کم کھاتے تھے اور نفلی روزے بہت رکھتے تھے۔آپ خود ہی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو۔میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جاوے۔(کتاب البریہ)

آپ کی عبادت:

آپ کی عبادت سنت رسول کے مطابق تھی۔متصوفانہ بدعات اور رسوم سے نفرت تھی۔قرآن مجید سے عشق تھا۔اس کی تلاوت ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے،

گویا ہر وقت قرآن مجید کی تلاوت میں منہمک رہتے تھے۔پھر تلاوت ہی نہ کرتے تھے بلکہ قرآن مجید کے معارف پر توجہ رکھتے۔چنانچہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں۔"میں نے کبھی ریاضت شاقہ بھی نہیں کی ہیں۔اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی اور نہ کوئی خلاف سنت کوئی ایسا عمل اس وقت کیا جس پر خدا تعالٰی کے کلام کو اعتراض ہو۔(کتاب البریہ حاشیہ صفحہ 163-164)۔پانچ وقت نماز بالالتزام ادا کرتے تھے۔جب نماز میں داخل ہوتے تو دنیا و مافیہا کی خبر تک نہ ہوتی۔فرض نماز کے علاوہ تہجد کی نماز باقاعدہ ادا کرتے۔اس نماز سے ایک گونہ عشق تھا۔راتوں کو اٹھ کر امت محمدیہ کے لئے دعا مانگتے۔

تلاوت قرآن مجید اور اوقات نماز کے علاوہ آپ رسول کریم ﷺ پر کثرت سے درود بھیجتے۔استغفار کرتے اور دیگر مستند علماء کی کتب کا بغور مطالعہ فرماتے۔

آپ کا عبادت الٰہیہ میں استغراق اس قدر بڑھ گیا۔آپ کے والد صاحب کو بھی چڑ ہو گئی جب کبھی کوئی شخص آپ سے ملنے آتا۔آپ کے متعلق دریافت کرتا تو آپ فرما دیتے۔مسجد کے سقادہ کی ٹونٹی میں جا کر دیکھو اگر وہاں نہ پاؤ تو مسجد کے اندر کسی گوشہ میں تلاش کرو۔اگر وہاں بھی نہ ہو تو دیکھنا کہ کسی صف میں کوئی لپیٹ کر کھڑا کر گیا ہوگا۔کیونکہ وہ زندگی میں مرا ہوا تھا۔

مرزا اسماعیل بیگ (مرزا غلام اللہ مرحوم کے چچا زاد بھائی تھے مرزا صاحب کے پاس ملازم تھے) کی روایت ہے کہ کبھی حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مجھے بلاتے اور دریافت کرتے. کہ سنا تیرا مرزا کیا کرتا ہے۔میں کہتا تھا کہ قرآن دیکھتے ہیں اس پر وہ کہتے کہ کبھی سانس بھی لیتا ہے پھر یہ پوچھتے کہ رات کو سوتا بھی ہے؟ میں جواب دیتا کہ ہاں سوتے بھی ہیں اور اٹھ کر نماز بھی پڑھتے ہیں اس پر مرزا صاحب کہتے کہ اس نے سارے تعلقات چھوڑ دیئے ہیں میں اوروں سے کام لیتا ہوں دوسرا بھائی کیسا لائق ہے مگر وہ معذور ہے۔(حیات احمد صفحہ 91)

اسی طرح منشی عبدالواحد صاحب تحصیل دار پٹیالہ کا چشم دید بیان ہے۔

"کہ حضرت اقدس چودہ پندرہ سال کی عمر میں سارا دن قرآن شریف پڑھتے رہتے اور حاشیہ پر نوٹ لکھتے رہتے تھے۔اور مرزا غلام مرتضٰی کہتے کہ "یہ کسی سے غرض نہیں رکھتا۔سارا دن مسجد میں رہتا ہے اور قرآن شریف پڑھتا رہتا ہے۔(ریویو اف ریلیجنز اردو جنوری 1942 صفحہ 9)

مرزا صاحب قرآن مجید کے مطالعہ کے ساتھ ہندو مذہب اور عیسائی مذہب کی کتب و

اخبارات کا مطالعہ بھی فرماتے۔آپ کے والد صاحب مرزا صاحب کو کتب بینی میں منہمک پا کر آپ سے کم مطالعہ کی تلقین بھی کرتے۔چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ''میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے (حاشیہ کتاب البریہ طبع دوم صفحہ 150)

پھر مرزا صاحب اپنے والد صاحب کے الفاظ کہتے ہیں کہ میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ورنہ میں جانتا ہوں کس طرف اس کی توجہ ہے۔ (یعنی دین کی طرف) اور سچ بات تو یہی ہے کہ ہم یونہی عمر ضائع کر رہے ہیں (کتاب البریہ)

بیماریاں:۔

عنفوان شباب میں آپ پر بیماریوں کے حملے ہوئے آپ کو دوران سر اور ذیابطیس کے عوارض لاحق ہو گئے۔سینے کی بیماری میں مبتلا رہے۔قولنج زحیری کا شدید حملہ ہوا۔پھر بشیر اول کی وفات سے تشنج کا شکار ہوئے۔

ان امراض میں بھی قدرت نمائی اور اعجازی رنگ ظاہر ہوتا ہے۔جسمانی طور پر بیمار ہیں۔دنیاوی تفکرات کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔لیکن قلمی جہاد کی تیاری میں مشغول ہیں۔ جیسا کہ بعد میں ذکر آئے گا کہ جب دشمنان اسلام گوناگوں اعتراضات کے ساتھ میدان میں اترے تو اس وقت یہ شخص قرآن کو ہاتھ میں لے کر ان پر اس طرح حملہ آور ہوا۔نہ صرف ان کے اعتراضات کو رد کیا بلکہ ان کے مذاہب پر اس زور سے حملے کئے تو ان کو بھاگتے ہی میں عافیت نظر آئی۔اسلام کی سچائی کو دنیا پر ظاہر کر دیا۔

درس و تدریس:۔

اپنے ذاتی مشاغل کے علاوہ دوسروں کو علم کے زیور سے آراستہ کرتے۔خاص طور پر ذکر الٰہی اور درود شریف پڑھنے کی طرف راغب کرتے۔اور فرماتے کہ یہ رد بلا کا موثر نسخہ ہے۔آپ کے بڑے بیٹے مرزا سلطان احمد نے آپ سے بعض درسی کتب عربیہ اور میاں علی محمد نے گلستان، بوستان پڑھیں۔بھائی کشن سنگھ قادیان کے مشہور لمبے کیسوں والے آریہ نے آپ سے طب پڑھی۔

مقدمات کی پیروی

مقدمات سے نفرت:

گو مرزا صاحب کو زمینداری اور اس کے متعلقہ مقدمات سے دلی نفرت تھی۔لیکن والد

صاحب کے حکم کی تعمیل میں وہ بھی کام کرنے پڑے۔چنانچہ کتاب البریہ کے حاشیہ پر قمطراز ہیں۔

''میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔انہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگا دیا۔اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔مجھے افسوس ہے کہ بہت سارا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع گیا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا تھا ان کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ پر تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیا داروں کی طرح مجھے رو بخلق بنا دیں۔اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا میرے والد صاحب نے مجھ کو بار بار کہا کہ ان کی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہیے۔مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا۔اس لئے نہ جا سکا۔پس یہ امر بھی ان کی ناراضگی کا موجب ہوا۔اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں ہر دم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لیے محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا اور ان کے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا تھا اور وہ مجھے دلی یقین سے بر بالوالدین جانتے تھے اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ ''میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے یعنی دین کی طرف۔صحیح اور سچی بات یہی ہے ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں۔'' ایسا ہی ان کے زیر سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی حکومت کی ملازمت میں بسر ہوئی۔آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لئے ان کے حکم سے جو عین میری منشاء کے موافق تھا میں نے استعفیٰ دے کر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا۔اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو پورے طور پر صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوں اور جو ان ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں جو ابتلا کے طور پر ان کو پیش آتے رہتے ہیں۔میں ہمیشہ ان کے منہ دیکھ کر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہو یا حرام کی ذریعہ سے محدود تھیں۔اور بہتوں کی دن رات کی

کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دینوی ترقی کیلئے مصروف پائیں میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں ایسے کم لوگ پائے کہ جومحض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے اخلاق فاضلہ حلم اور کرم اور عفّت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری اور ہمدردی مخلوق اور پاک باطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیز گاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں بلکہ بہتوں کو تکبر اور بد چلنی اور لاپروائی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کے بھائی پایا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا اور بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم
جفت خوشی الان و بد حالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من
وزدرونِ من بجت اسرار من

اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو بدستور اپنی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا۔ اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا جس کا انجام آخر ناکامی تھا کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے۔ اور ان کا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی کا موقعہ حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب (یعنی آپ کے والد صاحب مرحوم) کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے۔ اور بارہا کہتے تھے کہ جس قدر میں نے اس پلید دنیا کیلئے سعی کی ہے اگر میں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث

وقت ہوتا اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عمر گذشت و نماند ست جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے۔

ازدر تو اے کس ہر بیکسے
نیست امیدم کہ ردم امید

اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے۔

بہ آب دیدہ عشاق و خاکپائے کسے
مراد لے ست کہ در خون تپد بجائے کسے

حضرت عزت جل شانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بہ روز آخری عمر میں ان پر غلبہ کرتی گئی تھی۔ بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضائع کر دی۔۔۔۔۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخری حصہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں ہی گزرا۔ اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی۔ اور اپنے والد صاحب یعنی میرے پردادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے جس کا ایک مصرعہ راقم کو بھول گیا ہے اور دوسرا یہ ہے۔

کہ جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے۔

اور یہ غم اور درد ان کا (یعنی حضرت مرزا صاحب کے والد مرحوم کا۔ ناقل) پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی کہ جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو تا خدائے عز و جل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی۔ اور شائد فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں۔ کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہو گئے۔ اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے۔ اللھم رحمہ و ادخلہ الجنتہ۔ قریباً اسی یا پچاسی برس کے عمر پائی۔

الغرض مرزا صاحب نے والد صاحب کے فرمان پر مقدمات کی پیروی کی۔ درحقیقت مقدمہ بازی جیسے دنیاوی امور سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ آپ نے نفرت کے باوجود دین کے پہلو اطاعت والدین کو سامنے رکھا۔

دعا اور راست بازی:۔

لوگ عدالت سے مقدمہ جیتنے کے لئے ہزار جتن کرتے ہیں۔ جہاں قانونی پہلو کمزور آئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے جھوٹ کی ملونی کرتے ہیں لیکن مرزا صاحب نے مقدمات میں کبھی جھوٹ اور ناجائز ذرائع سے کام نہیں لیا۔ ہمیشہ خود بھی دعا کرتے اور دوسروں کو بھی دعا کے لئے کہتے۔ کہ حق کی فتح ہو۔ کذب بیانی سے اتنی نفرت تھی۔ بعض اوقات قانونی پہلو کو مضبوط کرنے کے لئے وکیل خلاف واقعہ بات کہنے کو کہتا یا حق بات چھپانے کو کہتا لیکن آپ انکار کر دیتے۔ اور صاف کہہ دیتے شرعی لحاظ سے اسباب سے کام لینے کا حکم ہے اس لئے اسباب کے طور پر آپ کو ہم وکیل بناتے ہیں ہم جانتے ہیں وہی ہوگا جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے۔ اس لئے محض مقدمہ جیتنے کے لئے نہ میں خلاف واقعہ گواہی دوں گا نہ حق چھپاؤں گا۔ حصول دنیا کے لئے خدا کی رضا سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ میری تو متاع عزیز ہی رضا الٰہی ہے دنیا دار لوگ مرزا صاحب کا حق و صداقت پر قائم رہنے کی وجہ سے ورطہ حیرت میں پڑ جاتے۔ ایسا بھی ہوا مرزا صاحب کی حق گوئی کی وجہ سے وکیل نے مقدمہ سے دست برداری کر لی۔

مقدمات میں حق گوئی کی چند مثالیں:

مقدمات میں حق گوئی کی چند مثالیں مرزا صاحب کے قلم سے ہی نقل کی جاتی ہیں۔

''تخمیناً پندرہ یا سولہ سال (1877ء یا 1878ء کا واقعہ ہے) کا عرصہ گزرا ہوگا یا شاید اس سے کچھ زیادہ ہو کہ اس عاجز نے اسلام کی تائید میں آریوں کے مقابل پر ایک عیسائی کے مطبع میں جس کا نام رلیا رام تھا اور وہ وکیل بھی تھا اور امرتسر میں رہتا تھا اور اس کا ایک اخبار ''وکیل ہندوستان'' بھی نکلتا تھا۔ ایک مضمون بغرض طبع ہونے کے ایک پیکٹ کی صورت میں جس کی دونوں طرف کھلی تھیں بھیجا۔ اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھ دیا۔ چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے جس میں اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا اور مضمون کے چھاپ دینے کے لئے تاکید بھی تھی۔ اس لئے وہ عیسائی مخالفت کی وجہ سے فرختہ ہوا۔ اور اتفاقاً اس کو دشمنانہ حملہ کے لئے یہ موقعہ ملا کہ کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً ایک جرم تھا۔ جس کی اس

عاجز کو کچھ خبر نہ تھی اور ایسے جرم کی سزا میں قوانین ڈاک کے رو سے پانچ سو روپے جرمانہ یا چھ ماہ تک قید ہے سو اس نے مخبر بن کر افسران ڈاک سے اس عاجز پر مقدمہ دائر کر دیا۔ اور قبل اس کے جو مجھے اس مقدمہ کی اطلاع ہو رویا میں اللہ تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ رلیا رام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لئے بھیجا ہے اور میں نے اسے مچھلی کی طرح تل کر واپس بھیج دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آخر وہ مقدمہ جس طرز سے عدالت میں فیصلہ پایا وہ ایک ایسی نظیر ہے جو وکیلوں کے کام آ سکتی ہے۔ غرض میں اس جرم میں صدر ضلع گورداسپور میں طلب کیا گیا۔ اور جن جن وکلاء سے مقدمہ کے لئے مشورہ لیا گیا انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ بجز دروغ گوئی اور کوئی راہ نہیں۔ اور یہ صلاح دی کہ اس طرح اظہار دے دو کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا۔ رلیا رام نے خود ڈال دیا ہوگا اور نیز بطور تسلی دہی کے کہا کہ ایسا بیان کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جائے گا اور دو چار جھوٹے گواہ لے کر بریت ہو جائے گی۔ ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے اور کوئی طریق رہائی نہیں۔ مگر میں نے ان سب کا جواب دیا کہ میں کسی حالت میں راستی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ جو ہوگا۔ سو ہوگا۔ تب اسی دن یا دوسرے دن مجھے ایک انگریز کی عدالت میں پیش کیا گیا اور میرے مقابل پر ڈاکخانہ جات کا افسر بحیثیت سرکاری مدعی ہونے کے حاضر ہوا۔ اس وقت حاکم عدالت نے اپنے ہاتھ سے میرا اظہار لکھا۔ اور سب سے پہلے مجھ سے یہی سوال کیا کہ کیا یہ خط تم نے اپنے پیکٹ میں رکھ دیا تھا۔ اور یہ خط اور یہ پیکٹ تمہارا ہے۔ تب میں نے بلا توقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی خط اور میرا ہی پیکٹ ہے۔ اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا۔ مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کے لئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے اس خط کو اس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا اور نہ اس میں کوئی رنج کی بات تھی۔ اس بات کے سنتے ہی خدا تعالیٰ نے اس انگریز کے دل کو میری طرف پھیر دیا۔ اور میرے مقابل پر افسر ڈاکخانہ نے بہت شور مچایا۔ اور لمبی لمبی تقریریں انگریزی میں کیں جن کو میں نہیں سمجھتا تھا مگر اس قدر میں سمجھتا تھا کہ ہر ایک تقریر کے بعد زبان انگریزی میں وہ حاکم نو نو کر کے اس کی سب باتوں کو رد کر دیتا تھا۔ انجام کار جب افسر مدعی اپنے تمام وجوہ پیش کر چکا اور اپنے تمام بخارات نکال چکا تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف توجہ کی۔ اور شاید سطر یا ڈیڑھ سطر لکھ کر مجھ سے کہا کہ اچھا آپ کے لئے رخصت ہے۔ یہ سن کر میں عدالت کے کمرہ سے باہر ہوا اور اپنے محسن حقیقی کا شکر بجا لایا۔ جس نے ایک انگریز افسر کے مقابل پر مجھ کو ہی فتح بخشی۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت صدق کی

برکت سے ہی خدا تعالیٰ نے اس بلا سے مجھ کو نجات دی۔ میں نے اس سے پہلے یہ خواب دیکھی تھی کہ ایک شخص نے میری ٹوپی اتارنے کے لئے ہاتھ مارا میں نے کہا کیا کرنے لگا ہے۔ تب اس نے ٹوپی کو میرے سر پر رہنے دیا اور کہا کہ خیر ہے خیر ہے۔''

مقدمات میں راست بازی کی دوسری مثال:

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

''میرے بیٹے سلطان احمد نے ایک ہندو پر بدیں بنیاد نالش کی کہ اس نے ہماری زمین پر مکان بنالیا ہے اور مسماری مکان کا دعویٰ تھا۔ اور ترتیب مقدمہ میں ایک امر خلاف واقعہ تھا جس کے ثبوت سے وہ مقدمہ ڈسمس ہونے کے لائق ٹھہرتا تھا۔ اور مقدمہ کے ڈسمس ہونے کی حالت میں نہ صرف سلطان احمد بلکہ مجھ کو بھی نقصان تلف ملکیت اٹھانا پڑتا تھا۔ تب فریق مخالف نے موقعہ پا کر میری گواہی لکھ دی۔ اور میں بٹالہ میں گیا اور بابو فتح دین سب پوسٹماسٹر کے مکان پر جو تحصیل بٹالہ کے پاس ہے جا ٹھہرا۔ اور مقدمہ ایک ہندو منصف کے پاس تھا جس کا اب نام یاد نہیں رہا مگر ایک پاؤں سے وہ لنگڑا بھی تھا۔ اس وقت سلطان احمد کا وکیل میرے پاس آیا کہ اب وقت پیشی مقدمہ ہے آپ کیا اظہار دیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ اظہار دوں گا جو واقعی امر اور سچ ہے تب اس نے کہا کہ پھر آپ کے کچہری جانے کی کیا ضرورت ہے میں جاتا ہوں۔ تاکہ مقدمہ سے دستبردار ہو جاؤں۔ سو وہ مقدمہ میں نے اپنے ہاتھوں سے محض رعایت صدق کی وجہ سے آپ خراب کیا اور راست گوئی کو ابتغاء لمرضات اللہ مقدم رکھ کر مالی نقصان کو ہیچ سمجھا۔ یہ آخری دو نمونے بھی بے ثبوت نہیں۔ پہلے واقعہ کا گواہ شیخ علی احمد وکیل گورداسپور اور سردار محمد حیات خاں صاحب سی ایس۔ آئی ہیں۔ اور نیز مثل مقدمہ دفتر گورداسپور میں موجودگی اور دوسرے واقعہ کا گواہ بابو فتح دین اور خود وکیل جس کا اس وقت مجھ کو نام یاد نہیں۔ اور نیز وہ منصف جس کا ذکر کر چکا ہوں --------اس مقدمہ کا ایک گواہ نبی بخش پٹواری بٹالہ بھی ہے۔''

مقدمات میں راستبازی کی تیسری مثال:

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

''میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد مرزا اعظم بیگ صاحب لاہوری نے شرکاء ملکیت قادیان سے مجھ پر اور میرے بھائی مرحوم مرزا غلام قادر صاحب پر مقدمہ دخل ملکیت کا عدالت ضلع میں دائر کرادیا۔ اور میں بظاہر جانتا تھا۔ کہ ان شرکاء کو ملکیت سے کچھ غرض نہیں کیونکہ وہ

ایک گم گشتہ چیز تھی جو سکھوں کے وقت میں نابود ہو چکی تھی۔ اور میرے والد صاحب نے تن تنہا مقدمات کر کے اس ملکیت اور دوسرے دیہات کے بازیافت کے لئے آٹھ ہزار کے قریب خرچ و خسارہ اٹھایا تھا جس میں وہ شرکاء ایک پیسہ کے بھی شریک نہیں تھے۔ سو ان مقدمات کے اثناء میں جب میں نے فتح کے لئے دعا کی تو یہ الہام ہوا۔ احیبب کل دعا نک الا فی شر کائک۔ یعنی تیری ہر ایک دعا قبول کروں گا۔ مگر شرکاء کے بارے میں نہیں۔ سو میں نے اس الہام کو پا کر بھائی اور تمام زن و مرد و عزیزوں کو جمع کیا جو ان میں سے بعض اب تک زندہ ہیں اور دل کھول کر کہہ دیا کہ شرکاء کے ساتھ مقدمہ مت کرو۔ یہ خلاف مرضی حق ہے مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور آخر ناکام ہوئے۔ لیکن میری طرف سے ہزار ہا روپے کا نقصان اٹھانے کے لئے استقامت ظاہر ہوئی۔ اس کے وہ سب جواب دشمن ہیں گواہ ہیں۔ چونکہ تمام کاروبار زمینداری میرے بھائی کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے میں نے بار بار ان کو سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا اور آخر نقصان اٹھایا۔''

مقدمات کی پیروی محض والد صاحب کے حکم کی تعمیل میں کرتے تھے۔ ان مقدمات کی پیروی میں بٹالہ۔ گورداسپور۔ ڈلہوزی امرتسر اور لاہور جانا پڑتا تھا۔ اور بعض مقدمات کی پیروی میں چیف کورٹ پنجاب میں بھی جانا پڑتا تھا۔ لیکن ان تمام دنیاوی امور میں یاد خدا سے کبھی غافل نہیں رہے۔ حق و صداقت کا دامن کبھی چھوٹنے نہیں پایا۔ یہ مقدمات بھی آپ کی روحانی تربیت میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ کسی کے کردار کا صحیح علم اس وقت ہوتا ہے جب وہ ان حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ جن سے اس کے کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔ کسی کی حق گوئی کا علم کیسے ہو۔ جب تک اس شخص کا ایسے حالات سے واسطہ نہیں پڑتا۔ جن سے حق گوئی کا تعلق ہے اس لئے کسی کی شجاعت کا علم نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس شخص کو ایسے مصائب و آلام میں سے گزرنا نہیں پڑتا۔ جس سے دلیری اور بہادری کے جوہر ظاہر ہوں۔ تو مرزا صاحب کو دعویٰ مجددیت سے قبل ایسے حالات سے گزرنا پڑا۔ جن سے آپ کی حق گوئی نمایاں ہوئی۔ اور حق گوئی کے اس ارفع مینار پر کھڑے تھے۔ کوئی دنیاوی لالچ اور خواہش قریب تک نہ جاسکی۔ اور اسی جادۂ حق پر گامزن رہے جس کی حق تعالیٰ نے تعلیم دی تھی۔

ملازمت کا دور

جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے مقدمات کی پیروی میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ اس طرح مقدمات کی پیروی سے علیحدگی کے بعد آپ کی ملازمت کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس میں

بھی اللہ تعالیٰ کی عمیق در عمیق حکمتیں پوشیدہ تھیں ۔ آپ کو ملازمت کے دوران مختلف قسموں کے انسانوں سے واسطہ پڑا ۔ بعض کسب حرام پر پلتے تھے ۔ معمولی معمولی باتوں پر دوسروں کو دغا و فریب دیتے ۔ کذب بیانی سے کام لیتے ۔ شعار اسلام سے غافل تھے ۔ دنیاوی جھمیلوں میں اتنے غرق تھے وہ خدا اور آخرت کو بھول چکے تھے ۔ نیک اور خدا ترس بندے خال خال نظر آتے تھے ۔

مرزا صاحب خود فرماتے ہیں ۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ ان میں بہت کم ایسے ہوں گے ۔ جو پورے طور پر صوم وصلوۃ کے پابند ہوں اور جوان ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں ۔ جو ابتلاء کے طور پر ان کو پیش آتے رہتے ہیں ۔ میں ہمیشہ ان کے منہ دیکھ کر حیران رہا ۔ اور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہشیں ۔ مال ومتاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہوں یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں ۔ اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں ۔ میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی حالت میں بہت کم ایسے لوگ پائے ۔ کہ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے اخلاق فاضلہ ۔ حلم ۔ اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری اور ہمدردی خلق اور پاک باطنی اور کل حلال اور صدق مقال اور پرہیز گاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں ۔ بلکہ بہتوں کو تکبر اور بد چلنی اور لاپرواہی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کے بھائی پایا ۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو ۔ اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا ۔ (کتاب البریہ صفحہ 153 ۔ 154 طبع دوم)

دوسری حکمت یہ تھی کہ جب آپ ملازمت کے سلسلہ میں اپنے گاؤں سے باہر نکلے ۔ تو بے شمار لوگوں نے آپ کے بلند کردار ۔ عاشق رسول اور عاشق قرآن ہونے کا مشاہدہ کیا ۔ جو آپ کے دعویٰ مجددیت کی صداقت کی دلیل تھی ۔ کہ وہ شخص جو اپنا زمانہ شباب تقوی کی باریک راہوں پر چل کر گزارتا ہے ۔ وہ دفعتہً خدا پر کیسے افترا باندھ سکتا ہے ۔

جموں میں ملازمت :

سب سے پہلے جموں کی ریاست میں ملازمت کی ۔ آپ کے والد صاحب ریاست کشمیر میں ایک معزز عہدہ پر فائز رہ چکے تھے ۔ ریاست پر آپ کے حقوق تھے ۔ اس وجہ سے والد صاحب نے آپ کو جموں کو جانے کا حکم دیا ۔ ریاستوں میں ملازمت کے دوران درباداری اور خوشامد کا رنگ غالب ہوتا ہے ۔ اس وجہ سے اس ملازمت سے آپ کو شدید نفرت تھی ۔ اپنا وقت یادالہی اور

مطالعہ قرآن میں گزارتے ۔ والد صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو واپس بلا لیا ۔

سیالکوٹ میں ملازمت :۔

جموں سے واپس بلانے کے بعد آپ کے والد صاحب نے مرزا صاحب کو سیالکوٹ میں اہلمد متفرقات کی آسامی پر ملازم کرا دیا ۔ اور تقریباً چار برس سیالکوٹ میں رہے ۔ دوران ملازمت حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بطریق احسن انجام دیئے ۔ دوران ملازمت سیالکوٹ میں ہی جہاد بالقرآن کا آغاز کیا ۔ جس کی گواہی شمس العلماء جناب سید میر حسن صاحب مرحوم نے دی ۔ وہ مرزا صاحب کے مرید نہ تھے ۔ بلکہ آپ کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے ۔ آپ کے عادات و کردار اور مشاغل دینیہ سے واقف تھے ۔ ایک خط میں خود فرماتے ہیں ۔

حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے اور قیام فرمایا ۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول اور لغو سے مجتنب درمحترز تھے اس واسطے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے آپ پسند نہیں فرماتے تھے ۔ لالہ بھیم سین وکیل جن کے نانا ڈپٹی مٹھن لعل صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے ان کے بڑے رفیق تھے ۔ اور چونکہ بٹالہ میں مرزا صاحب اور لالہ صاحب آپس میں تعارف رکھتے تھے ۔ اس لئے سیالکوٹ میں بھی ان سے اتحاد کامل رہا ۔ پس سب سے کامل دوست مرزا صاحب کے اگر اس شہر میں تھے تو لالہ صاحب ہی تھے ۔ اور چونکہ لالہ صاحب طبع سلیم اور لیاقت زبان فارسی اور ذہن رسا رکھتے تھے ۔ اس سبب سے بھی مرزا صاحب کو علم دوست ہونے کے باعث ان سے بہت محبت تھی ۔ مرزا صاحب کی علمی لیاقت سے کچہری والے آگاہ نہ تھے مگر چونکہ اسی سال کے اوائل گرما میں ایک عرب نوجوان محمد صالح نام شہر میں وارد ہوئے اور ان پر جاسوسی کا شبہ ہوا تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے جن کا نام پرکنسن تھا اور پھر وہ آخر میں کمشنر راولپنڈی کی کمشنری کے ہو گئے تھے) محمد صالح کو اپنے محکمہ میں بغرض تفتیش حالات طلب کیا ۔ ترجمان کی ضرورت تھی ۔ مرزا صاحب چونکہ عربی استعداد کامل رکھتے تھے ۔ اور عربی زبان میں تحریر وتقریر بخوبی کر سکتے تھے ۔ اس واسطے مرزا صاحب کو بلا کر حکم دیا کہ جو بات ہم کہیں عرب صاحب سے پوچھو اور جو جواب دیں اردو میں ہمیں لکھواتے جاؤ ۔ مرزا صاحب نے اس کام کو کما حقہ ادا کیا ۔ تب آپ کی لیاقت لوگوں پر منکشف ہوئی ۔

اس زمانہ میں مولوی الہی بخش صاحب کی سعی سے جو چیف محرر مدارس تھے (اب عہدہ کا نام ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس مشہور ہے) کچہری کے ملازم منشیوں کے لئے ایک مدرسہ قائم ہوا جو کہ

رات کو کچہری کے ملازم منشی انگریزی پڑھا کریں ۔مرزا صاحب نے بھی انگریزی شروع کی اور ایک یا دو کتابیں انگریزی پڑھیں ۔

مرزا صاحب کو اس زمانہ میں بھی مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا ۔چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا ۔ایک دفعہ پادری الائیشہ صاحب جو دیسی عیسائی پادری تھے اور حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں سے ایک کوٹھی میں رہا کرتے تھے ۔مباحثہ ہوا پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی ۔مرزا صاحب نے فرمایا ۔نجات کی تعریف کیا ہے ۔اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں ۔ مفصل بیان کیجیے ۔پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہا میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا ۔

پادری بٹلر صاحب ایم اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا ۔یہ صاحب موضع گوہد پور کے قریب رہتے تھے ۔ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے کہ مسیح کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ سرّ تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھا بری رہے ۔مرزا صاحب نے فرمایا کہ مریم بھی تو آدم نسل سے ہے ۔ پھر آدم کی شرکت سے بریت کیسی ۔اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی جس سے آدم نے درخت ممنوع کا پھل کھایا اور گنہگار ہوا ۔پس چاہئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی بری رہتے ۔اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے ۔

پادری بٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے ۔اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو کیا کرتے تھے ۔پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بہت محبت تھی ۔ چنانچہ جب پادری صاحب ولایت جانے لگے تو مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے کچہری تشریف لائے ۔ڈپٹی کمشنر صاحب نے پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا ۔ چونکہ میں وطن جانیوالا ہوں اس واسطے ان سے آخری ملاقات کروں گا ۔ چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے ۔اور فرش پر بیٹھے رہے اور ملاقات کر کے چلے گئے ۔

چونکہ مرزا صاحب پادریوں کے ساتھ مباحثہ کو بہت پسند کرتے تھے ۔اس واسطے مرزا شکستہ تخلص نے جو بعد ازاں موحد تخلص کیا کرتے تھے اور مراد بیگ نام جالندھر کے رہنے والے تھے مرزا صاحب کو کہا کہ سید احمد خاں نے تورات و انجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط کتابت

کریں اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملے گی ۔چنانچہ مرزا صاحب نے سر سید کو عربی میں خط لکھا ۔

کچہریوں کے منشیوں سے شیخ الہٰ داد مرحوم سابق محافظ دفتر سے بہت انس تھا اور نہایت پکی اور سچی محبت تھی ۔شہر کے بزرگوں سے ایک مولوی صاحب محبوب عالم نام سے جو عزلت گزین اور عابد اور پارسا اور نقشبندی طریق کے صوفی تھے مرزا صاحب کو دلی محبت تھی ۔

چونکہ جس بیٹھک میں مرزا صاحب مع حکیم منصب علی کے جو اس زمانہ میں وثیقہ نویس تھے رہتے تھے اور وہ سر بازار تھی اور اس دکان کے بہت قریب تھی جس میں حکیم حسام الدین صاحب مرحوم سامان دوا سازی اور دوا فروشی اور مطب رکھتے تھے ۔اس سبب سے حکیم صاحب اور مرزا صاحب میں تعارف ہو گیا ۔چنانچہ حکیم صاحب نے مرزا صاحب سے قانونچہ اور موجز کا کچھ حصہ بھی پڑھا ۔

چونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے ۔اس واسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کر دی اور قانونی کتب کا مطالعہ شروع کیا پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے اور کیونکر ہوتے ۔وہ دنیوی اشغال کے لئے بنائے نہیں گئے ۔سچ ہے ۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ان دنوں پنجاب یونیورسٹی نئی نئی قائم ہوئی تھی ۔اس میں عربی استاد کی ضرورت تھی جس کی تنخواہ ایک سو روپے ماہوار تھی ۔میں نے (یعنی مولانا سید میر حسن صاحب) عرض کی آپ درخواست بھیج دیں چونکہ آپ کی لیاقت عربی زباندانی کی نہایت کامل ہے آپ ضرور اس عہدہ پر مقرر ہو جائیں گے ۔فرمایا ۔’’میں مدرسی کو پسند نہیں کرتا ۔کیونکہ اکثر لوگ پڑھ کر بعد ازاں بہت شرارت کے کام کرتے ہیں اور علم کو ذریعہ اور آلہ ناجائز کاموں کا بنا لیتے ہیں ۔اس آیت کے وعید سے بہت ڈرتا ہوں ۔اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے نیک باطن تھے ۔

ایک مرتبہ لباس کے بارہ میں ذکر ہو رہا تھا ۔ایک کہتا کہ بہت کھلی اور وسیع موہری کا پاجامہ اچھا ہوتا ہے جیسا ہندوستانی اکثر پہنتے ہیں ۔دوسرے نے کہا کہ تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا ہوتا ہے ۔مرزا صاحب نے فرمایا ۔کہ ’’بلحاظ ستر عورت تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا اور افضل ہے اور اس میں پردہ زیادہ ہے ۔کیونکہ اس کی تنگ موہری کے باعث زمین سے بھی ستر عورت ہو جاتا ہے ۔‘‘ سب نے اس کو پسند کیا ۔

آخر مرزا صاحب نوکری سے دل برداشتہ ہو کر استعفا دے کر ۱۸۶۸ء میں یہاں سے

تشریف لے گئے ۔ایک دفعہ ۱۸۷۷ء میں آپ تشریف لائے اور لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔اور بتقریب دعوت حکیم میر حسام الدین صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔

اسی سال سر سید احمد خاں صاحب غفرلہ نے قرآن شریف کی تفسیر شروع کی تھی ۔تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آ چکی تھی ۔ جب میں اور شیخ الہ داد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے تو اثناء گفتگو میں سر سید صاحب کا ذکر شروع ہوا۔اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آ گیا۔راقم نے کہا کہ تین رکوعوں کی تفسیر آ گئی جس میں دعا اور نزول وحی کی بحث آ گئی ہے۔فرمایا۔''کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں۔'' جب دوسرے دن وہاں گئے تو تفسیر کے دونوں مقام آپ نے سنے اور سن کر خوش نہ ہوئے اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔

اس زمانہ میں مرزا صاحب کی عمر راقم کے قیاس میں تخمیناً 24 سے کم اور 28 سے زیادہ نہ تھی۔غرضیکہ ۱۸۶۴ء میں آپ کی عمر 28 سے متجاوز تھی۔'' (راقم میر حسن)

تتمہ خط شمس العلما سید میر حسن صاحب:۔

شمس العلماء سید میر حسن صاحب کا ایک اور خط بطور تتمہ کے جو شیخ یعقوب علی تراب صاحب نے شائع کیا ہے وہ بھی نقل کیا جاتا ہے۔

''حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے تھے۔بیٹھ کر کھڑے ہو کر ٹہلتے ہوتے تلاوت کرتے تھے۔اور زار زار رویا کرتے تھے۔ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے۔ کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔حسب عادت زمانہ صاحب حاجات جیسا کہ اہل کاروں کے پاس جاتے ہیں ان کی خدمت میں بھی آ جایا کرتے تھے۔اسی عمرا مالک مکان کے بڑے بھائی فضل الدین نام کو جو فی الجملہ محلہ میں موقر تھا آپ بلا کر فرماتے۔میاں فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا دو کہ یہاں نہ آیا کریں۔نہ اپنا وقت ضائع کیا کریں۔اور نہ میرے وقت کو برباد کیا کریں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا میں حاکم نہیں ہوں۔جتنا کام میرے متعلق ہوتا ہے کچہری میں ہی کر آتا ہوں۔ فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا کر نکال دیتے۔مولوی عبدالکریم صاحب بھی اسی محلہ میں پیدا ہوئے اور جوان ہوئے جو آخر میں مرزا صاحب کے خاص مقربین میں شمار کئے گئے۔

اس کے بعد وہ مسجد جامع کے سامنے ایک بیٹھک میں بمعہ منصب علی حکیم کے رہا

کرتے تھے جو وثیقہ نویسی کے عہدہ پر ممتاز تھے۔بیٹھک کے قریب ایک شخص فضل دین نام بوڑھے دکاندار تھے جو رات کو بھی دکان پر ہی رہا کرتے تھے۔ان کے اکثر احباب شام کے بعد ان کی دکان پر آ جاتے تھے۔چونکہ شیخ صاحب پارسا آدمی تھے اس لئے جو وہاں شام کے بعد آتے سب اچھے ہی آدمی ہوتے تھے کبھی کبھی مرزا صاحب بھی تشریف لاتے تھے اور گاہ گاہ نصر اللہ نام عیسائی جو ایک مشن اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے آ جایا کرتے تھے مرزا صاحب اور ہیڈ ماسٹر صاحب کی اکثر بحث مذہبی امور میں ہو جاتی تھی۔مرزا صاحب کی تقریر سے حاضرین مستفید ہوتے تھے۔

مولوی محبوب عالم صاحب ایک بزرگ نہایت پارسا اور صالح اور مرتاض شخص تھے۔ مرزا صاحب ان کی خدمت میں بھی جایا کرتے تھے اور لالہ بھیم سین صاحب وکیل کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔چنانچہ وہ بھی مولوی صاحب کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔جب کبھی بیعت اور پیری مریدی کا تذکرہ ہوتا تو مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو خود سعی اور محنت کرنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ۔مولوی محبوب عالم صاحب اس سے کشیدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ بیعت کے بغیر راہ نہیں ملتی۔

دینیات میں مرزا صاحب کی سبقت اور پیشروی تو عیاں ہے مگر ظاہری جسمانی دوڑ میں بھی آپ کی سبقت اس وقت کے حاضرین پر صاف ثابت ہو چکی تھی۔اس کا مفصل حال یوں ہے کہ ایک دفعہ کچہری برخاست ہونے کے بعد جب اہل کار گھروں کو واپس ہونے لگے تو اتفاقاً تیز دوڑنے اور مسابقت کا ذکر شروع ہو گیا۔ ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں بہت دوڑ سکتا ہوں۔آخر ایک شخص بلا سنگھ نام نے کہا کہ میں سب سے دوڑنے میں سبقت لیجاتا ہوں۔مرزا صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ دوڑو تو ثابت ہو جائے گا کہ کون بہت دوڑتا ہے۔آخر شیخ الہ داد صاحب منصف مقرر ہوئے اور یہ امر قرار پایا کہ یہاں سے شروع کر کے اس پل تک جو کچہری کی سڑک اور شہر میں حد فاصل ہے ننگے پاؤں دوڑو۔جوتیاں ایک آدمی نے اٹھا لیں۔اور پہلے ایک شخص اس پل پر بھیجا گیا تا کہ وہ شہادت دے کہ کون سبقت لے گیا اور پہلے پل پر پہنچا۔مرزا صاحب اور بلا سنگھ ایک ہی وقت میں دوڑے اور باقی آدمی معمولی رفتار سے پیچھے روانہ ہوئے۔جب پل پر پہنچے تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب سبقت لے گئے اور بلا سنگھ پیچھے رہ گیا۔''

مولوی سراج الدین احمد صاحب اخبار زمیندار کی گواہی :۔

مولوی سراج الدین احمد صاحب نے اپنے اخبار زمیندار میں لکھا۔

''مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء[1] کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے ۔اس وقت آپ کی عمر 22-24 سال ہوگی ۔اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے ۔کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔عوام سے کم ملتے تھے۔''

مولوی سراج الدین احمد بانی ''زمیندار'' اخبار کی قادیان میں آمد :۔

مولوی سراج الدین احمد قادیان میں آئے اور اپنے اخبار زمیندار مئی 1908ء میں لکھا۔

''۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی ان دنوں میں آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ (بحوالہ حیات احمد جلد اول صفحہ 225)

ملازمت کے دوران مباحثے :۔

جب آپ سیالکوٹ میں ملازم تھے ۔تو عیسائی پادریوں سے مذہبی مباحثے کرنا شروع کر دیئے جن سے آپ کو خاص شہرت ملی ۔عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے ۔آپ کے تقوی اور علم سے صرف مسلمان ہی متاثر نہ تھے بلکہ عیسائی پادری بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے ۔اس سلسلہ میں پادری بٹلر جن سے مذہبی مباحثے ہوتے تھے ۔آپ سے بہت متاثر تھا ۔وہ اکثر آپ کے پاس اس مکان پر آیا تھا دوسرے پادریوں کو مرزا صاحب کے پاس اس کا آنا جانا پسند نہ تھا۔ اس کو منع کیا کرتے تھے ۔وہ ان پادریوں کو یہ کہتے ۔تم اس شخص کو نہیں جانتے ۔ایک عظیم شخص ہے ۔ چنانچہ وہ اپنے قلبی لگاؤ میں بڑھا ہوا تھا ۔جب وہ واپس انگلستان جانے لگا ۔تو مرزا صاحب کو ملنے ان کے دفتر میں چلا گیا ۔کافی لمبا عرصہ زمین پر مرزا صاحب کے ساتھ بیٹھا رہا ۔ڈپٹی کمشنر نے آنے کی وجہ پوچھی تو صاف کہہ دیا مرزا صاحب سے ملنے آیا ہوں۔

[1] سیالکوٹ میں قیام کی تاریخ کے متعلق مولوی سراج الدین احمد نے غلطی کھائی ہے ۔مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ گئے تھے۔

دوران ملازمت امتحان مختاری کا ارادہ کیا ۔تا کہ وکیل بن کر غرباء لوگوں کی داد رسی کی جائے ۔لیکن دینی مشاغل اور قرآن مجید کی تلاوت سے آپ کو فرصت ہی کب ملتی تھی ۔کہ وہ قانون کی کتب پڑھ لیں ۔جس صبح آپ نے امتحان کا پرچہ دینا تھا اس رات قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہے ۔گو وکالت کرنے میں بھی آپ کی نیت خیر تھی ۔کہ مقدمات میں غرباء کی حمایت کی جائے ۔لیکن اس دور میں سب سے مظلوم اسلام تھا جس پر چاروں طرف سے پادری حملہ آور تھے ۔ مسلمان محکومیت کی وجہ سے دب گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب سے اسلام کی مدد کا کام لینا تھا ۔چنانچہ جتنا عظیم کام تھا اتنا ہی زیادہ آپ تیاری میں مصروف تھے ۔اس عظیم کام کی تیاری کے لئے سب سے ضروری قرآن فہمی تھی ۔سو اللہ تعالیٰ نے کلی طور پر آپ کے ذہن کو اس طرف لگا دیا ۔جب مرزا صاحب نے وہ کام شروع کیا ۔تو تاریخ اس بات پر گواہ ہے آپ ایک عظیم متکلم اور مناظر بن کر ابھرے ۔اسلام کے معترضین کو اس طرح رگیدا کہ کسی کو آپ کا سامنا کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی ۔اور اسلام کی تاریخ میں حقیقی طور پر غلام احمد بن کر سامنے آئے ۔عیسائیوں ۔آریوں ۔سناتن ۔دھریوں غرض کہ ہر مخالف کو چیلنج دیا اور دیگر مذاہب پر اسلام کی برتری اور فضیلت ثابت کر دی۔

رویاء کشوف کا سلسلہ :۔

جب بندہ خدا کا ہی ہو جاتا ہے اور تقوی کی باریک راہوں پر گامزن ہوتا ہے تو یہ سنت الہیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس بندے کو اپنی محبت کی چادر میں لپیٹ لیتا ہے ۔اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی چادر اس کا مکالمہ و مخاطبہ ہے سچے رویا و کشوف ہیں ۔چنانچہ دوران ملازمت آپ کے ہاتھ پر خارق عادت امور ظاہر ہونے لگے تھے۔

چند مثالیں :۔

آپ کے دوست اور ہم وطن لالہ بھیم سین نے بھی وکالت کا امتحان دیا تھا ۔نتیجہ نہیں نکلا تھا ۔مرزا صاحب نے رویاء میں دیکھا کہ امتحان کے جو پرچے تقسیم ہوئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں زرد اور سرخ ۔تمام امیدواروں میں زرد رنگ کے پرچے تقسیم ہوئے ۔اور لالہ بھیم سین کو سرخ رنگ کا پرچہ ۔مرزا صاحب نے اس کی تعبیر یوں کی ہے کہ لالہ بھیم سین کامیاب ہو جائیں گے ۔گویا سرخرو ہوں گے اور زرد رنگ سے ناکامی کی تعبیر کی ۔جب نتیجہ نکلا تو عین رویاء کے مطابق تھا ۔لالہ بھیم سین اور قریباً تین دیگر امیدواروں کو پہلے سے یہ رویا بتا دی تھی ۔اس وجہ سے لالہ بھیم سین

صاحب مرزا صاحب سے بہت عقیدت تھی۔

دوسری مثال :۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔انہی وکیل صاحب یعنی لالہ بھیم سین جو سیالکوٹ میں وکیل تھے(اب فوت ہو چکے ہیں) ایک مرتبہ میں نے خواب کے ذریعہ سے راجہ تیجا سنگھ کی وفات کی خبر پاکر ان کو اطلاع دی کہ وہ راجا تیجا سنگھ کو سیالکوٹ کے دیہات جاگیر کے عوض میں تحصیل بٹالہ میں دیہات مع اس کے علاقہ کی حکومت کے ملے تھے۔فوت ہو گئے اور انہوں نے اس خواب کو سن کر تعجب کیا اور جب قریب دو بجے بعد دوپہر کا وقت ہوا تو مسٹر پرنسپ صاحب کمشنر امرتسر ناگہانی طور پر سیالکوٹ میں آ گئے ۔(اس زمانہ میں سیالکوٹ امرتسر کی کمشنری میں تھا۔ناقل) اور انہوں نے آتے ہی مسٹر مکنیب صاحب ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کو ہدایت کی کہ راجا تیجا سنگھ کے باغات وغیرہ کی جو ضلع سیالکوٹ وغیرہ میں ہیں۔بہت جلد ایک فہرست تیار ہونی چاہیے۔کیونکہ وہ کل بٹالہ میں فوت ہو گئے تب لالہ بھیم سین نے اس خبر موت پر اطلاع پاکر نہایت تعجب کیا کہ کیونکر قبل از وقت اس کے مرنیکی خبر ہو گئی۔"

حضرت ابراہیم پر آگ ٹھنڈی ہونے کی تشریح۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ ٹھنڈی ہو جانے کے متعلق ایک دوست نے اپنے خط میں استفسار کیا کہ آیا وہ فی الواقع آتش ہیزم تھی یا اس سے مراد فتنہ وفساد کی آگ تھی۔فرمایا۔

"فتنہ وفساد کی آگ تو ہر نبی کے مقابل پر ہوتی ہے۔اور وہی ہمیشہ ایسا رنگ پیدا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک معجزہ نما طاقت اپنے نبی کی تائید میں اس کے بالمقابل دکھاتا ہے۔ظاہری آتش کا حضرت ابراہیم پر فرو کر دینا اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل امر نہیں۔اور ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان واقعات کی اب بہت تحقیقات کی ضرورت نہیں۔کیونکہ ہزاروں سال کی بات ہے ہم خود اس زمانہ میں ایسے واقعات دیکھ رہے ہیں ۔اور اپنے اوپر تجربہ کر رہے ہیں۔ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا تو ایک دن بارش ہو رہی تھی جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اس میں بجلی آئی سارا کمرہ دھوئیں کی طرح ہو گیا۔اور گندک کی سی بو آتی تھی۔لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا۔اسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا۔اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے موافق طواف کے واسطے پیچ در پیچ اردگرد دیوار بنی ہوئی تھی۔اور اندر ایک شخص بیٹھا تھا بجلی آگ تھی جس نے اس کو جلا دیا مگر ہم کو کچھ ضرر نہ دے سکی

کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی۔ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات میں ایک مکان کی دوسری منزل میں سویا ہوا تھا۔اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ یا سولہ آدمی اور بھی تھے۔رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔میں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے۔یہاں سے نکل جانا چاہیے۔انہوں نے کہا کوئی چوہا ہوگا خوف کی بات نہیں۔اور یہ کہہ کر سو گئے۔تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی آواز آئی تب میں نے ان کو دوبارہ جگایا مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پروانہ کی۔پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی تب میں نے ان کو سختی سے اٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا۔جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ابھی دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری۔اور وہ دوسری چھت کو ساتھ لے کر نیچے جا پڑی۔اور سب بچ گئے۔یہ اللہ تعالیٰ کا معجزہ نما حفاظت ہے۔جب تک ہم وہاں سے نکل نہ آئے شہتیر گرنے سے محفوظ رہا۔

یہ ہے مخلوق خدا سے ہمدردی اور پیار جب تک کمرہ سے تمام لوگ نکلے نہیں آپ کمرہ سے باہر نہ آئے۔

تیسری مثال پنڈت سہج سنگھ کی وفات کی خبر قبل از وقت :۔

جس دفتر میں مرزا صاحب ملازم تھے۔اس کا سپرنٹنڈنٹ ایک شخص پنڈت سہج رام تھا۔وہ ایک متعصب ہندو تھا۔اسلام سے بیر رکھتا تھا۔اور مرزا صاحب سے مذہبی بحث مباحثہ کیا کرتا تھا۔اس وہم سے کہ مرزا صاحب اس کے ماتحت ایک سررشتہ میں ایک اہل کار ہیں لیکن مرزا صاحب غیرت ایمانی کی وجہ سے کب دبنے والے تھے۔اس کے اعتراض کا دندان شکن جواب دیتے تھے۔اپنے تعصب کی وجہ سے مرزا صاحب کو ہر وقت گزند پہنچانے کے درپے رہتا کیونکر مرزا صاحب اپنے دفتری فرائض کو خوش اسلوبی اور دیانت داری سے سرانجام دیتے تھے اس وجہ سے مرزا صاحب کو کوئی دفتری نقصان نہ پہنچا سکا۔مرزا صاحب استعفا دے کر قادیان واپس آ گئے۔لالہ سہج رام کمشنری امرتسر میں سررشتہ دار ہو کر لگ گئے۔ایک دن اس کے متعلق رویاء دیکھا۔جس کا ذکر مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی صفحہ 296 پر کیا ہے۔

"میرے ایک بڑے بھائی تھے۔انہوں نے تحصیلداری کا امتحان دیا تھا اور امتحان میں پاس ہو گئے تھے اور وہ ابھی گھر میں قادیان میں تھے۔اور نوکری کے امیدوار تھے۔ایک دن میں اپنے چوبارہ میں عصر کے وقت قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔جب میں نے قرآن شریف کا دوسرا صفحہ الٹانا چاہا تو عین اسی حالت میں میری آنکھ کشفی رنگ پکڑ گئی۔اور میں نے دیکھا کہ سہج رام سیاہ

مرزا صاحب بطور ایک کمیشن :۔

ایک دفعہ ایک ناطہ کے مقدمہ میں آپ کو کمیشن مقرر کیا گیا۔ چنانچہ میراں بخش مغل کے ساتھ تحقیقات کے لئے موقع پر گئے ۔مرزا صاحب نے اپنے گھوڑے کا دانہ ساتھ لیا۔روٹی ساتھ لی ۔تمام راستہ میراں بخش مغل کو گھوڑے پر سوار رکھا۔آپ پیدل ساتھ چلتے رہے جب موقع پر پہنچے تو فریقین نے آپ کی بہت خاطر تواضع کی کوشش کی ۔لیکن مرزا صاحب نے فرمایا گھوڑے کا دانہ ساتھ ہے اپنے کھانے کے لئے روٹی ساتھ لے آیا ہوں ۔میری خاطر مدارت یہی ہے کہ مجھے صحیح صحیح واقعات بتا دیئے جائیں تا کہ حقیقت کی تہ تک پہنچا جا سکے۔ گو یہ چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن یہ واقعہ آپ کے کرداز کی بلندی حق و صداقت کے ساتھ تمسک ظاہر کرتا ہے۔ خواہ کوئی دین کا معاملہ ہو۔خواہ دنیا کا کسی معاملہ میں بھی آپ کا قدم جادۂ حق سے ادھر ادھر نہیں ہوا۔

والد صاحب کی خدمت میں عزلت نشینی کی درخواست :۔

سیالکوٹ سے واپسی پر والد صاحب نے زمینداری کے کام میں لگا دیا تھا۔والد صاحب کے حکم سے اس کام کو تو سرانجام دیتے رہے لیکن روح کسی اور طرف پرواز کر رہی تھی ۔ مجبوراً اپنے والد صاحب کو عزلت نشینی کی درخواست کی تا کہ دنیاوی جھمیلوں سے نجات حاصل کر کے اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں ۔درخواست کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت والد مخدوم من سلامت! مراسم غلامانہ وقواعد فدویانہ بجا آوردہ معروض حضرت والا میکند چونکہ دریں ایام برای العین مے بینم و بچشم سر مشاہدہ میکنم کہ در ہمہ ممالک وبلاد ہر سال چناں وبائے مے افتد کہ دوستاں را از دوستاں وخویشاں را از خویشاں جدا میکند۔ وہیچ سالے نہ بینم کہ این نائرۂ عظیم وچنیں حادثہ ء الیم دراں سال شور قیامت نیفگند۔ نظر براں دل از دنیا سرد شد است وزو از خوف جان زرد۔ واکثر ایں دو مصرعہ شیخ مصلح الدین شیرازی بیادے آیند واشک حسرت ریختہ مے شود

مکن تکیہ برعمر ناپا ئدار + مباش ایمن از بازی روزگار

ونیز ایں دو مصرعہ ثانی از دیوان فرخ قادیانی نمک پاش جراحت دل مے شودے

بدنیائے دوں دل مبعد اے جواں + کہ وقت اجل مے رسد ناگہاں

لہٰذا مے خواہم کہ بقیہ عمر در گوشہ تنہائی نشینم و دامن از صحبت مردم بچینم و بیاد او سبحانہ مشغول شوم مگر گذشتہ را عذرے و مافات را تدارکے شود

عمر بگذشت . ونماندست جز ایامے چند

بہ کہ دریاد کسے صبح کنم شامے چند

کہ دنیا را اساسے محکم نیست وزندگی را اعتبارے نے' وائسن من خاف علی نفسہ من افتہ غیرہ۔ والسلام ·

تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس امت سے گزر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی ۔ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ ﷺ کو معہ حسنین وعلی رضی اللہ عنہم و فاطمہ رضی اللہ کے دیکھا اور یہ خواب نہ تھی بلکہ ایک بیداری کی قسم تھی ۔غرض اس طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر کرنا موجب طوالت ہے ۔اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے ۔وہ نورانی ستون جو سید ھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سرخ تھے ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی ۔ جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت ہوتی تھی ۔میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے ۔یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا۔ اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہو گئی ۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی ۔ کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے ۔غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع و اقسام کے مکاشفات تھے ۔ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں ۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے ۔اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کس حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے ۔ اور جب تک کسی کام کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا ۔لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔ میں نے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے ہیں جنہوں نے شدید ریاضتیں اختیار کیں ۔ اور آخر یبوست دماغ سے وہ مجنون ہو گئے ۔ اور بقیہ عمر ان کی دیوانہ پن میں گزری یا دوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلا

ہو گئے ۔ انسانوں کے دماغی قویٰ ایک طرز کے نہیں ہیں ۔ پس ایسے اشخاص جن کے فطرتاً قویٰ ضعیف ہیں ۔ان کو کسی قسم کا جسمانی مجاہدہ ٹھیک نہیں پڑ سکتا ۔ اور جلد تر کسی خطرناک بیماری میں پڑ جاتے ہیں ۔سو بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے ۔ اور دین العجائز اختیار رکھے ۔ہاں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام ہو اور شریعت غرّا اسلام سے منافی نہ ہو تو اس کو بجالانا ضروری ہے لیکن آج کل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں. ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا ۔پس ان سے پرہیز کرنا چاہیے ۔''

صادقین کے ساتھ تعلقات :۔

قرآن مجید میں آیا ہے ۔ کونوا مع الصادقین سچوں کی صحبت اختیار کرو ۔اس فرمان خداوندی کی روشنی میں آپ اکثر اہل اللہ کے پاس جاتے ان میں سے ایک بزرگ مولوی محبوب عالم تھے ۔جو سیالکوٹ میں رہا کرتے تھے ۔ملازمت کے دوران میں بھی ان کے ساتھ قلبی تعلقات تھے ۔جو ایک متقی پارسا اور صوفی منش بزرگ تھے اسی طرح ضلع گورداسپور میں طالب پور کے متصل ایک مقام سم شریف کہلاتی ہے وہاں میاں شریف الدین صاحب ایک بزرگ رہتے تھے ان کے پاس چند بار گئے ۔اسی طرح مولوی عبداللہ غزنوی کے پاس جایا کرتے تھے ۔جن کو فتویٰ تکفیر کی وجہ سے غزنی کے علاقہ سے نکال دیا گیا تھا ۔اور وہ امرتسر میں آ کر آباد ہو گئے تھے ۔غزنوی صاحب کی نسبت خود مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں ۔

''ایک بزرگ نہایت درجہ صالح جو مردان خدا میں سے تھے ۔اور مکالمہ الٰہیہ کے شرف سے بھی مشرف تھے ۔اور مرتبہ کمال اتباع سنت کرنے والے اور تقویٰ اور طہارت کے جمیع مراتب اور مدارج کو ملحوظ اور مرعی رکھنے والے تھے ۔اور ان صادقوں اور راستبازوں میں سے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچا ہوا ہوتا ہے ۔ اور پرلے درجہ کے معمور الاوقات اور یاد الٰہی میں محو اور غرق اور اسی راہ میں کھوئے گئے تھے ۔جس کا نام عبداللہ غزنوی تھا ۔''

حضرت عبداللہ غزنوی سے دعا کرانا :۔

ایک دفعہ مرزا صاحب حضرت عبد اللہ غزنوی کے پاس گئے اور دعا کی درخواست کی ۔جو اس بارے میں خود لکھتے ہیں ۔'' جب وہ زندہ تھے ایک دفعہ خیروی میں اور دوسری طرف مقام امرتسر میں ان سے میری ملاقات ہوئی میں نے انہیں کہا کہ آپ ملہم ہیں ہمارا ایک مدعا ہے اس کے لئے آپ دعا کرو مگر میں آپ کو نہیں بتلاؤں گا ۔کیا مدعا ہے انہوں نے کہا ۔'' در پوشیدہ

داشتن برکت است و من انشا اللہ دعا خواہم کرد ۔ والہام امر اختیاری نیست ۔'' اور میرا مدعا یہ تھا ۔کہ دین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام روز بہ روز تنزل میں ہے ۔ خدا اس کا مددگار ہو بعد اس کے میں چلا آیا ۔تھوڑے دنوں کے بعد بذریعہ ڈاک ان کا خط مجھے ملا ۔جس میں لکھا تھا کہ '' ایں عاجز برائے شما دعا کردہ بود ۔القاشد وانصرنا علی القوم الکفرین ۔فقیر را کم اتفاق مے افتد کہ بدیں جلدی القاشد ایں را اخلاص شمامے بینم (حقیقۃ الوحی صفحہ 239-240)

مرزا صاحب کے بارے میں کشوف والہامات :۔

مولوی عبداللہ غزنوی کو مرزا صاحب کے بارے میں کئی الہام اور کشوف ہوئے تھے ۔ جن کا ذکر موصوف نے اپنے عقیدت مندوں سے کیا تھا ۔انہوں نے مرزا صاحب سے یہ بیان دیا مولوی عبد اللہ غزنوی صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنے کشف کی بناء پر یہ پیشگوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف سے نازل ہوا ہے ۔

حافظ محمد یوسف کے منشی محمد یعقوب صاحب نے شیخ مہر علی رئیس ہوشیار پور کے مکان پر منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ اور دوسرے لوگوں کے سامنے ایک بیان دیا جس کا ذکر مرزا صاحب نے اپنے قلم سے کیا ہے ۔کہتے ہیں ۔'' مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم سے ایک دن میں نے سنا کہ وہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے مامور کئے جائیں گے ۔منشی صاحب کا یہ بیان 1891ء میں شائع ہوا ۔اس شہادت کی بنا پر 1893ء میں آپ کے حلقہ بیعت میں آ گئے ۔

مولوی عبداللہ غزنوی کی وفات کے بعد عالم رویاء میں ملاقات :۔

مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کی وفات کے بعد ان سے حضرت مرزا صاحب کی عالم رویا میں ایک دفعہ ملاقات ہوئی جس کی کیفیت خود حضرت مرزا صاحب اس طرح تحریر فرماتے ہیں ۔

'' ایک مرتبہ میں نے اس بزرگ باصفا کو خواب میں ان کی وفات کے بعد دیکھا کہ سپاہیوں کی صورت پر بڑی عظمت اور شان کے ساتھ بڑے پہلوانوں کی مانند مسلح ہونے کی صورت میں کھڑے ہیں ۔تب میں اپنے الہامات کا ذکر کر کے ان سے پوچھا کہ مجھے ایک خواب آئی ہے اس کی تعبیر فرمائیے ۔ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ ایک تلوار میرے ہاتھ میں ہے جس کا قبضہ میرے پنجہ میں اور نوک آسمان تک پہنچی ہوئی ہے جب میں اس کو دائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزاروں مخالف اس سے قتل ہو جاتے ہیں ۔اور جب بائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزارہا دشمن اس سے

مارے جاتے ہیں ۔تب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میری خواب کو سن کر بہت خوش ہوئے اور بشاشت اور انبساط اور انشراح صدر کے علامات و آثارات ان کے چہرہ میں نمودار ہو گئے ۔اور فرمانے لگے اس کی تعبیر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ آپ سے بڑے بڑے کام لے گا۔اور یہ جو دیکھا کہ دائیں طرف تلوار چلا کر مخالفوں کو قتل کیا جاتا ہے اس سے مراد وہ تمام حجت کا کام ہے ۔کہ جو روحانی طور پر انوار و برکات کے ذریعہ سے انجام پذیر ہوگا اور یہ جو دیکھا کہ بائیں طرف تلوار چلا کر ہزارہا دشمنوں کو مارا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ سے عقلی طور پر خدا تعالیٰ الزام و اسکات خصم کرے گا اور دنیا پر دونو طور سے اپنی حجت پوری کرے گا۔پھر بعد اس کے انہوں نے فرمایا کہ جب میں دنیا میں تھا تو میں امیدوار تھا کہ خدا تعالیٰ ضرور کوئی آدمی ایسا پیدا کرے گا۔ پھر حضرت عبداللہ صاحب مرحوم مجھ کو ایک وسیع مکان کی طرف لے گئے۔جس میں ایک جماعت راستبازوں اور کامل لوگوں کی بیٹھی ہوئی تھی لیکن سب مسلح اور سپاہیانہ صورت میں ایسی چستی کی طرز سے بیٹھے ہوئے تھے گویا کوئی جنگی خدمت بجا لانے کے لئے کسی ایسے حکم کے منتظر بیٹھے ہیں جو بہت جلد آنے والا ہے پھر اس کے بعد اس کی آنکھ کھل گئی ۔"

وفات مرزا غلام مرتضیٰ (والد مرزا صاحب):۔

1876ء میں مرزا صاحب کے والد صاحب بیمار ہوئے اور وفات پا گئے ۔مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کی وفات کی خبر بھی دے دی تھی ۔ چونکہ بعض آمدنیوں کا تعلق مرزا صاحب کے والد کی ذات سے تھا مثلاً سرکار کی طرف سے پنشن ملتی تھی ۔اس کے علاوہ ایک رقم کثیر انعام کی پاتے تھے ۔اس وجہ سے وفات کے بعد مالی ابتلا آنے کا خدشہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب سے ایک عظیم کام لینا تھا اللہ جل شانہ نے تسلی کے طور پر الہام کیا۔"الیس اللہ بکاف عبدہ" یعنی کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے ۔اس الہام نے مرزا صاحب کو تسلی کا ایسا جام پلایا ۔کہ کبھی کوئی ضرورت پوری ہونے کی فکر تک نہ رہی ۔خود ہی کارساز ضرورتیں پوری کرتا رہا۔

مرزا غلام قادر (برادر اکبر مرزا) کی جانشینی :۔

مرزا صاحب کی وفات کے بعد بڑے بیٹے مرزا غلام قادر جانشین بنے۔مرزا صاحب اپنے والد کے ترکہ میں حصہ دار تھے ۔لیکن انہوں نے جائیداد کو اس حالت میں رہنے دیا جس طرح مرزا صاحب کی حیات میں تھی یعنی اپنے حصہ کی جائیداد تقسیم نہ کرائی ۔جائیداد پر مرزا غلام

قادر کا ہی قبضہ رہا۔مرزا غلام قادر سخت قسم کے دنیا دار تھے ۔گورداسپور میں ملازم تھے ۔ان کے عیال اور ملازم جائیداد کی دیکھ بھال کرتے تھے ۔بعض اوقات مرزا صاحب کو تنگی اور تکلیف اٹھانی پڑتی لیکن آپ نے بڑے صبر سے ان تکالیف کا سامنا کیا۔کبھی کوئی شکوہ گلہ اپنی زبان پر نہ لائے ۔ حالانکہ جائیداد میں برابر کے شریک تھے ۔مرزا غلام قادر سخت دنیا دار ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب کو نکما سمجھتے تھے ۔بعض دفعہ ناراضگی کا اظہار بھی کرتے تھے ۔آپ بڑا بھائی ہونے کی وجہ سے احتراماً خاموش رہتے۔ایک دفعہ مرزا صاحب نے کسی اخبار کے منگوانے کے لئے ایک قلیل رقم طلب کی تو جواب دیا یہ اسراف ہے ۔کام کاج تو کرتے نہیں اور یونہی بیٹھے کتب و اخبار کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں ۔" بھائی صاحب کی وفات تک مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق مرزا صاحب پر اپنے انعامات کی اتنی بارش کی کہ غیب سے لاکھوں روپے آئے ۔اللہ تعالیٰ خود آپ کا متکفل ہو گیا۔

کثرت مکالمہ ومخاطبہ آلہیہ کا آغاز

مکالمہ ومخاطبہ الہیہ پر بحث ایک الگ باب میں آئے گی ۔یہاں صرف قارئین کو اتنا بتانا مقصود ہے کہ قرآن ، حدیث اور علماء اسلام کی کتب سے یہ بات واضح ہے کہ مکالمہ ومخاطبہ الہی انعامات میں سے ایک انعام ہے۔سورۃ فاتحہ کی یہ آیت اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم (ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرے انعامات ہوئے) اس طرف اشارہ کرتی ہے ۔مکالمہ ومخاطبہ ہستی باری تعالیٰ پر ایک زبردست دلیل ہے ۔اس کے ساتھ اپنے متبوع اور مطاع نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے روحانی فیضان کا پتہ چلتا ہے اور اسلام کے زندہ ہونے کا ایک نشان ہے ۔اور جو شخص قرآن اور سنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے ۔اللہ تعالیٰ اس پر اپنے انعام کی بارش کرتا ہے۔چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی ان مقربین میں شامل تھے جو کثرت سے مکالمات ومخاطبات الہیہ سے مشرف ہوئے تھے ۔اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے وافر حصہ دیا تھا۔ان کے الہامات اور پیشگوئیوں کا ذکر الگ باب میں آئے گا۔

مرزا صاحب مجاہدانہ زندگی کا آغاز

جہاد کے لغوی معنی ہیں خوب کوشش کرنا لیکن اصطلاحی لحاظ سے لفظ جہاد کے معنی وسیع ہیں علماء نے اللہ کی راہ میں تبلیغ کرنے' مال خرچ کرنے ۔اسلامی سرحدوں کا تلوار کے ساتھ دفاع

کرنے اور اصلاح نفس پر لفظ جہاد استعمال کیا ہے۔مرزا صاحب کے جہاد بالنفس کا ذکر ہو چکا ہے۔کہ کس طرح بچپن ہی سے اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ تھے۔ہر وقت قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر الٰہی میں منہمک رہتے۔حتیٰ کہ اپنے والد صاحب کو درخواست کر دی۔کہ اس کو دنیاوی امور سے فارغ کر دیں۔تا کہ جہاد بالنفس میں مشغول ہو جائیں۔گویا مرزا صاحب نے ہوش سنبھالتے ہی مجاہدانہ زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔جب عنفوان شباب میں قدم رکھا تو تبلیغ کے دوسرے مرحلے میں داخل ہو گئے۔اس مرحلہ میں تعلیم،تقریر اور تحریر تینوں طریقوں سے جہاد شروع کر دیا۔

تعلیم:۔

مرزا صاحب کی خدمت میں اسلام کا درد رکھنے والے احباب آتے آپ کے علم کلام سے مستفیض ہوتے۔اور پادریوں اور ہندو پنڈتوں سے مناظرے کرتے۔ان میں سے ایک شخص مراد بیگ تھے۔وہ جالندھر کے رہنے والے تھے ابتداء میں مرزا شکستہ تخلص کرتے تھے۔مگر بعد میں موحد کا تخلص اختیار کر لیا۔ان کو پادریوں سے مباحثے کرنے کا بہت شوق تھا۔وہ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔مختلف سوالات کر کے آپ کے علم کلام سے مستفیض ہوتے۔واپس جا کر ایک کامیاب مناظر کی حیثیت سے پادریوں کے سوالات کے جوابات دیتے۔اس لئے بٹالہ میں نبی بخش پٹواری تھے۔وہ اکثر پادریوں سے مباحثہ کیا کرتے تھے۔وہ مرزا صاحب کی خدمت میں اکثر آیا جایا کرتے۔مرزا صاحب کی خدمت میں پادریوں کے اعتراضات پیش کرتے اور اعتراضات کا جواب سمجھ کر واپس چلے جاتے مرزا صاحب نے بھی اس دور میں عیسائیوں کے تین ہزار اعتراضات جمع کئے۔

انہی ایام میں مولوی قدرت اللہ صاحب عیسائی ہو گئے۔اور منشی نبی بخش صاحب نے ان کو مطلع کیا تو مرزا صاحب کو بہت ہی دکھ ہوا۔اور فرمایا کہ ’’اسلام سے کسی کا مرتد ہو جانا بہت بڑا امر ہے۔اس کو سرسری نہیں سمجھنا چاہیے۔ہم کو تو دوسروں کو اسلام پر لانا چاہیے۔اگر ہماری غفلت سے کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو ہم سب خدا کے حضور اس کے لئے جواب دہ ہوں گے۔‘‘

مزید فرمایا۔’’اگر کسی لالچ کی وجہ سے مرتد ہوا ہے تو چندہ جمع کر لو۔میں بھی تیار ہوں۔
قصہ کوتاہ منشی نبی بخش صاحب مولوی قدرت اللہ کو ہر طریقہ سے دوبارہ دائرہ اسلام میں لانے کے لئے تیار ہو گئے۔آپ نے فرمایا۔آپ جائیں تبلیغ کریں میں بھی دعا کروں گا۔منشی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے آپ کی نصیحت اور ہدایت پر عمل کیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی قدرت اللہ

صاحب واپس دائرہ اسلام میں آ گئے۔اس سے حضرت صاحب بہت خوش ہوئے۔

تقریر کے ذریعہ تبلیغ:۔

مرزا صاحب کے پاس جو غیر مسلم آتا۔آپ اس کے سامنے اسلام کی تبلیغ کرتے۔اسلام کی خوبیاں بیان کرتے۔لالہ ملاوامل جو قادیان کا ہندو آریہ تھا۔وہ آپ کے پاس اکثر آیا کرتا تھا۔آپ اس کو تبلیغ کرتے۔لالہ ملاوامل کی طرح شرمپت کشن سنگھ اور دوسرے ہندو بھی آپ کی خدمت میں آتے آپ ان کو برابر تبلیغ کرتے رہتے۔قادیان میں عیسائی مشنری بیٹ مین وغیرہ آیا کرتے تھے۔مگر کسی کو بھی مرزا صاحب سے گفتگو کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔کسی چوک میں کھڑے ہو کر چند باتیں کرتے اور چلے جاتے۔اور قادیان کی سرزمین سے مایوس ہو چکے تھے کہ کوئی یہاں سے عیسائیت قبول کرے گا۔آپ مناظرے بھی کرتے لیکن ایک سچی بات کو قبول فرما لیتے۔ضدی مناظر کی طرح اپنی غلط بات پر اڑے نہ رہتے کہ مخالف کی سچی بات کا اقرار بھی برملا کر دیتے۔ایک دفعہ مولوی محمد حسین بٹالوی سے مناظرہ ہوا۔مولوی غیر مقلد تھے۔ان کے خیالات سے اہل بٹالہ بہت نالاں تھے۔اہل بٹالہ نے ایک شخص کو مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجا تا کہ محمد حسین صاحب سے مناظرہ کریں۔مرزا صاحب ان کے ساتھ بٹالہ گئے مرزا صاحب اس مناظرے کے حالات خود بیان کرتے ہوئے۔لکھتے ہیں۔

’’۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی کہ جو کسی زمانہ میں اس عاجز کے ہم مکتب بھی تھے جب نئے مولوی ہو کر بٹالہ میں آئے۔اور بٹالویوں کو ان کے خیالات گراں گزرے تب ایک شخص نے مولوی صاحب ممدوح سے کسی اختلافی مسئلہ میں بحث کرنے کے لئے اس ناچیز کو بہت مجبور کیا۔چنانچہ اس کے کہنے کہانے سے یہ عاجز شام کے وقت اس شخص کے ہمراہ مولوی صاحب ممدوح کے مکان پر گیا۔اور مولوی صاحب کو معہ ان کے باپ کے مسجد میں پایا۔پھر خلاصہ یہ کہ اس احقر نے مولوی صاحب موصوف کی اس وقت کی تقریر سن کر معلوم کر لیا کہ ان کی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں کہ قابل اعتراض ہو۔اس لئے اللہ کے لئے اس بحث کو ترک کیا گیا۔رات کو خداوند کریم نے اپنے الہام اور مخاطبت میں اس ترک بحث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ’’تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا۔اور وہ تجھے بہت برکت دے گا۔یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے‘‘۔پھر اس کے بعد عالم کشف میں وہ بادشاہ دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے۔(براہین احمدیہ)

یہ ہے وہ مقام تقویٰ اور دیانت لوگوں کی پرواہ کئے بغیر سچی بات تسلیم کر لینا۔اور اس کا

برملا اظہار کر دینا۔ کوئی اور مولوی ہوتا تو محض ریا کاری اور دکھاوے کے لئے غلط بات پر اڑے رہتا۔ اور اپنے آنے کی قیمت وصول کرتا۔ مرزا صاحب کے سامنے محض اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی تھی۔ اس کی رضا کے حصول کے لئے لوگوں کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو مرزا صاحب کی یہ ادا پسند آتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودگی کا اظہار کشف میں کیا۔

تحریر کے ذریعہ تبلیغ اسلام:۔

عیسائی پادری۔ آریہ سماج۔ برہمو سماج اور دیو سماج اسلام پر زبانی اور قلمی تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ عیسائی پادری اس ناقص زعم میں تھے کہ حکومت عیسائی ہے اس لئے اسلام اور بانی اسلام پر جس قدر حملے کریں گے کوئی کچھ بھی بگاڑ نہیں کر سکتا۔ عیسائیت کو پھیلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لہذا اس زمانہ میں عیسائی پادریوں نے اسلام کے خلاف اتنا لٹریچر پیدا کیا کہ بقول مرزا صاحب ایک پہاڑ بن جائے۔ دیانند سرسوتی نے ستیا پرکاش کے چودھویں باب میں اسلام اور رسول کریم ﷺ پر دل کھول کر حملے کئے۔ غرض کہ چاروں طرف اسلام معترضین کے اعتراضات کے تیروں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اس تاریک دور میں مرزا غلام احمد قادیانی ایک کامیاب مناظر کی صورت میں میدان جہاد میں نکلا۔ اس نے نہ صرف اسلام کے معترضین کے جوابات دیئے۔ بلکہ ان کے باطل عقائد پر اس قدر زور آور حملے کئے۔ مخالفین کو اپنے مورچوں میں پسپا ہونا پڑا۔ اس کی حالت کا نقشہ مرزا صاحب خود بتاتے ہیں۔

''میں سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا ہوں۔ اور ان اعتراضات پر غور کرتا رہتا ہوں۔ میں نے اپنی جگہ ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے جو عیسائی آنحضرت ﷺ پر کرتے ہیں ان کی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچی ہوئی ہے۔ (الحکم)

مرزا صاحب نے اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے اعتراضات کی تردید میں مضامین اخبارات میں بھیجنے شروع کر دیئے۔ اخبارات میں جب آپ کے پُر مغز پُر حکمت مضامین شائع ہوئے تو ایک دھوم مچ گئی۔ اور مختلف مذاہب کے معترضین اور مخالفین سے مناظروں کا آغاز ہو گیا۔ یہ آپ کے قلمی جہاد کا آغاز تھا۔

مرزا صاحب کی علمی زندگی کے مختلف پہلو ہیں۔ ان پہلوؤں پر بعد میں بحث کی جائے گی۔ انہی پہلوؤں میں سے ایک پہلو آپ کے کا غیر مذہب کے علماء سے مناظرے اور مباحثے ہیں۔ (ماتوفیقی الاباللہ)

نکاح ثانی:۔

مرزا صاحب کی والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد آپ کی بڑی بھاوج مرزا علام قادر کی اہلیہ کا گھر پر راج ہو گیا۔ وہ مرزا امام الدین کی ہمشیرہ تھیں۔ مرزا امام الدین مرزا صاحب کے شدید دشمن تھے۔ بھاوج کے بچے مر جانے کی وجہ سے مرزا سلطان احمد (مرزا صاحب کے بڑے بیٹے) کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ حضرت مرزا صاحب کی بیوی ایک سادہ لوح خاتون تھی۔ بھاوج نے مرزا صاحب کی بیوی کے کان بھرنے شروع کیے۔ اور عملاً القط کرا کے اپنی طرف لے گئیں۔ مرزا صاحب تجرد کی زندگی بسر کرنے لگے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے گھریلو امور چلانے کے لئے نومبر 1884ء میں میر ناصر نواب صاحب کی صاحبزادی نصرت جہاں بیگم صاحبہ سے شادی کر لی۔

باب سوم

قلمی جہاد پر طائرانہ تبصرہ

والد صاحب کی وفات کے بعد کلیتہً خدمت اسلام میں مصروف ہو گئے۔ان ایام میں ہندوؤں میں ایک نئی تحریک آریہ سماج وجود میں آئی اس کا بانی سوامی دیونند تھا۔جس نے اسلام اور بانی اسلام پر رکیک اور دلخراش حملے کرنے شروع کر کئے۔ایک دوسری تحریک نے جنم لیا۔جو برہمو سماج کے نام سے مشہور ہے۔انہوں نے مسئلہ وحی ونبوت کا انکار کر کے مذہب کی جڑ پر تبر رکھ دیا۔ ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط کی وجہ سے عیسائی پادریوں کی ایک کثیر جماعت قریہ قریہ، قصبہ قصبہ شہر شہر پھیل گئی۔اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔مسلمان علماء فروعی مسائل اور تکفیر بازی میں الجھے ہوئے تھے۔علماء کی صف میں صرف ایک روشن خیال شخص سر سید تھے۔انہوں نے معترضین کے اعتراضات کو رد کرنے کے لئے قلم پکڑا۔لیکن معذرت خواہانہ رنگ تھا۔دعا سے انکار کیا۔وحی کو صرف دل کی آواز قرار دیا اور حدیث کے وسیع اور مقدس ذخیرہ کو جو اسلامی تعلیمات کا دوسرا بڑا ماخذ ہے پس پشت ڈال دیا۔ان مایوس کن حالات میں قادیان کی بستی سے اسلام کے دفاع کی آواز بلند ہوئی۔وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی آواز تھی۔انہوں نے دشمنان اسلام کے حملوں کا جواب دینے کے لئے ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کرلیا۔اس کتاب کا نام براہین احمدیہ رکھا۔براہین احمدیہ کے لکھنے کا آغاز 1878ء کے آخر اور 1879ء کے اوائل میں کیا۔ اس کتاب کا پہلا اور دوسرا حصہ 1880ء میں اور تیسرا 1882ء میں مکمل ہوا تھا۔1884ء میں پہلی بار شائع ہوا۔

مضامین براہین احمدیہ:

براہین احمدیہ چھ مضامین پر مشتمل ہے۔جو مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں۔"اول اس کتاب میں یہ فائدہ ہے کہ یہ کتاب مہمات دینیہ کے تحریر کرنے میں ناقص البیان نہیں۔بلکہ وہ تمام صداقتیں کہ جن کی ہیئت اجتماعی کا نام اسلام ہے۔وہ سب اس میں مکتوب اور مرقوم ہیں اور یہ ایسا فائدہ ہے کہ جس سے پڑھنے والے کو ضروریات دین پر احاطہ ہو جائے گا اور کسی مغوی اور بہکانے والے کے پیچ میں نہیں آئیں گے۔بلکہ دوسرے کو وعظ اور نصیحت اور

ہدایت کرنے کے لئے ایک کامل استاد اور ایک عیار رہبر بن جائیں گے۔دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ کتاب تین سو محکم اور قوی دلائل حقیت اسلام اور اصول اسلام پر مشتمل ہے۔جن کے دیکھنے سے صداقت اس دین متین کی ہر یک طالب حق پر ظاہر ہو گی۔بجز اس شخص کے کہ بالکل اندھا اور تعصب کی سخت تاریکی میں بہت مبتلا ہو۔

تیسرا یہ فائدہ کہ جتنے ہمارے مخالف ہیں یہودی۔عیسائی۔مجوسی آریہ۔برہمو بت پرست دہریہ۔طبعیہ۔اباحتی لا مذہب سب کے شبہات اور وساوس کا اس میں جواب ہے اور جواب بھی ایسا جواب کہ دوروغ گو کو اس کے گھر تک پہنچایا گیا ہے۔اور پھر صرف رفع اعتراض پر کفایت نہیں کی گئی۔بلکہ یہ ثابت کر کے دکھلایا گیا کہ جس امر کو مخالف ناقص الفہم نے جائے اعتراض سمجھا ہے۔وہ حقیقت میں ایک ایسا امر ہے کہ جس سے تعلیم قرانی کی دوسری کتابوں پر فضیلت اور ترجیح ثابت ہوتی ہے۔نہ کہ جائے اعتراض اور پھر وہ فضیلت بھی ایسی دلائل واضح سے ثابت کی گئی ہے کہ جس کے معترض خود معترض الیہ ٹھہر گیا ہے۔

چوتھا یہ فائدہ جو اس میں بمقابلہ اصول اسلام کے مخالفین کے اصول پر بھی کمال تحقیق اور تدقیق سے عقلی طور پر بحث کی گئی ہے۔اور تمام وہ اصول اور عقائد ان کے جو صداقت سے خارج ہیں بمقابلہ اصول فقہ قرآنی کے ان کی حقیقت باطلہ کو دکھلایا گیا ہے۔کیونکہ قدر ہر یک جوہر بیش قیمت کا مقابلہ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں اس کتاب میں یہ فائدہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے حقائق اور معارف کلام ربانی کے معلوم ہو جائیں گے۔اور حکمت اور معرفت اس کتاب مقدس کی کہ جس کے نور روح افروز سے اسلام کی روشنی ہے سب پر منکشف ہو جائے گا۔کیونکہ تمام وہ دلائل اور براہین جو اس میں لکھی گئی ہیں اور وہ تمام کامل صداقتیں جو اس میں دکھائی گئی ہیں وہ سب آیات بینات قرآن شریف سے ہی لی گئی ہیں۔اور ہر ایک دلیل عقلی وہی پیش کی گئی ہے جو خدا نے اپنی کلام میں آپ پیش کی ہے اور اسی التزام کے باعث سے تقریباً باراں سیپارہ قرآن شریف کے اس کتاب میں اندراج پائے بس حقیقت میں یہ کتاب قرآن شریف کے دقائق اور حقائق اور اس کے اسرار عالیہ اور اس کے علوم حکمیہ اور اس کے اعلیٰ فلسفہ ظاہر کرنے کے لئے ایک عالی بیان تفسیر ہے۔کہ جس کے مطالعہ سے ہر ایک طالب صادق پر اپنے مولیٰ کریم کی بے مثل و مانند کتاب کا عالی مرتبہ مثل آفتاب عالمتاب کے روشن ہو گا۔چھٹا یہ فائدہ ہے جو اس کے مباحث کو نہایت متانت اور عمدگی سے قوانین استدلال

کے مذاق پر مگر بہت آسان طور پر کمال خوبی اور موزونیت اور لطافت سے بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ جو ترقی، علوم اور پختگی فکر اور نظر کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہوگا۔ کیونکہ دلائل صحیحہ کے توغل اور استعمال سے قوت ذہنی بڑھتی ہے اور ادراک اور دقیقہ میں طاقت مدرکہ تیز ہو جاتی ہے اور باعث ورزش براہین حقہ کے عقل سچائی پر ثابت اور قیام پکڑتی ہے اور ہر ایک امر متنازع کی اصلیت اور حقیقت دریافت کرنے کے لئے ایک ایسی کامل استعداد اور بزرگ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو تکمیل قوائے نظریہ کا موجب اور نفس ناطقہ انسان کے لئے ایک منزل اقصیٰ کا کمال ہے کہ جس پر تمام سعادت اور شرف نفس کا موقوف ہے۔ (براہین احمدیہ صفحہ 129 تا 131)

براہین احمدیہ کی پذیرائی :۔

براہین احمدیہ کو ملک بھر کے عوام اور علماء کے حلقوں کی طرف سے خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ چنانچہ ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' جلد ہفتم (نمبر 6-11) میں لکھا۔ ''ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً اور اس کا مولف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی ولسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔

ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ رائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم سماج سے اس زور و شور سے مقابلہ پایا جاتا ہے اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کے نشان دہی کرے۔ جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی ولسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑہ اٹھایا لیا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعوی کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر تجربہ و مشاہدہ کرے اور اسی تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو (اشاعۃ السنۃ جلد ہفتم نمبر 6 صفحہ 169-170)

دوسری شہادت :۔

لدھیانہ کے ایک مشہور باکمال اور باخدا صوفی احمد جان کو جب براہین احمدیہ دست یاب ہوئی تو موصوف نے ''اشھار واجب الاظہار'' کے نام سے ایک مفصل ریویو شائع کیا۔ جس میں

براہین احمدیہ پر اپنے قلمی اور ذہنی تاثرات قلمبند کئے۔ لکھتے ہیں۔ ''عالی جناب فیض رسان عالم معدن جود و کرم حجتہ الاسلام۔ برگزیدہ خاص و عام حضرت مرزا غلام احمد صاحب برکاتھم رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب ایک کتاب مسمی براہین احمدیہ۔ سلیس اردو زبان میں جس کی ضخامت قریب تین سو جزو کے ہے۔ چاروں دفتر جو کہ قریباً 35 جزو ہیں۔ نہایت خوشخط چھپ بھی گئے ہیں اور باقی وقتاً فوقتاً چھپتے جائیں گے اور خریداروں کے پاس پہنچتے رہیں گے۔

یہ کتاب دین اسلام اور نبوت محمدیہ ﷺ اور قرآن شریف کی حقانیت کو تین سو مضبوط دلائل عقلی اور نقلی سے ثابت کرتی ہے اور عیسائی آریہ، ہنود اور برہمو سماج وغیرہ جیسے مذاہب مخالف اسلام کو از روئے تحقیق رد کرتی ہے۔ اس چودھویں صدی کے زمانہ میں کہ ہر ایک مذہب و ملت میں ایک طوفان بدتمیزی برپا ہے۔ بقول شخصے کافر نئے نئے ہیں مسلمان نئے نئے ایک ایسی کتاب اور ایک ایسے مجدد کی بے شک ضرورت تھی۔ جیسی کہ کتاب براہین احمدیہ۔ اس کے موصوف جناب مخدومنا مولانا مرزا غلام احمد صاحب دام فیوضہ ہیں جو ہر طرح سے دعوی اسلام کو مخالفین پر ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں۔ جناب موصوف عامی علماء و فقراء میں سے نہیں۔ یہ خاص اس کام پر من جانب اللہ مامور اور ملہم اور مخاطب الٰہی ہیں۔ سچے الہام اور مخاطبات اور پیشگوئیاں اور رویاء صالحہ اور امر الٰہی اور اشارات اور بشارات اجراء کتاب اور فتح و نصرت اور ہدایات امداد کے باب میں زبان عربی فارسی اردو انگریزی وغیرہ میں ہیں۔ حالانکہ مصنف صاحب نے ایک لفظ بھی انگریزی کا نہیں پڑھا۔ چنانچہ صدہا مخالفین اسلام کی گواہی سے ثابت کر کے کتاب میں درج کئے گئے ہیں۔ جس سے بخوبی صداقت پائی جاتی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مصنف صاحب بے شک امر الٰہی سے اس کتاب کو لکھ رہے ہیں اور صاف ظاہر ہوتا ہے بموجب حدیث نبوی ﷺ کے عن ابی ہریرہ قال فیما اعلم عن رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ عزو جل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (رواہ ابوداؤد)

مصنف صاحب اس چودھویں صدی کے مجدد اور مجتہد اور محدث اور کامل مکمل افراد امت میں سے ہیں۔ اس دوسری حدیث نبوی ﷺ یعنی علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اس کی تائید میں ہے۔ (''تاثرات قادیان صفحہ 64-68 مرتبہ ملک فضل حسین صاحب)

پرانی تحریریں :۔

یہ تحریریں 1879ء کی ہیں۔ اور ان میں اہم مسائل یعنی ضرورت الہام، روح و مادہ

حادث ہیں یا خدا تعالیٰ کی طرح قدیم اور اناری ہیں ۔ ابطال مسئلہ تناسخ اور قرآن اور دید کے مقابلہ پر بحث کی گئی ہے ۔

یہ تحریریں مختلف اخبارات میں شائع ہوئی تھیں ۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے 1899ء میں شائع کیا ۔ پھر 1925ء میں بک ڈپو تالیف واشاعت قادیان نے دوبارہ شائع کرایا ۔ تیسری بار اپریل 1958ء میں روحانی خزائن کی دوسری جلد میں شائع ہوئی ہیں ۔

سرمہ چشم آریہ :۔

یہ مرزا صاحب اور لالہ مرلی دھر ڈرائنگ ماسٹر جو آریہ سماج ہوشیار پور کے رکن اور مدار المہام تھے ۔ کے درمیان 11، 14 مارچ 1886ء کو مذہبی مباحثہ قرار پایا ۔ اس کتاب میں معجزہ شق القمر ، نجات دائمی ہے یا محدود ، روح و مادہ حادث ہیں یا انادی ۔ اور مقابلہ تعلیمات دید و قرآن پر مفصل بحث ہے ۔

اس کتاب کی اشاعت پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد 9 نمبر 5-6 صفحہ 145 تا 158 پر تبصرہ لکھا تھا ۔ اس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے ۔ کتاب لا جواب مولف براہین احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی تصنیف ہے ۔ اس میں جناب مصنف کا ایک ممبر آریہ سماج سے مباحثہ شائع ہوا ہے ۔ جو معجزہ شق القمر اور تعلیم دید پر بمقام ہوشیار پور ہوا تھا ۔ اس مباحثہ میں جناب مصنف نے تاریخی واقعات اور عقلی وجوہات سے معجزہ شق القمر کا ثابت کیا ہے ۔ اور اس کے مقابلہ میں آریہ سماج کی کتاب (وید) اور اس کی اسلامی تعلیمات و عقائد (تناسخ وغیرہ) کا کافی دلائل سے ابطال ہے ۔

شحنہ حق :۔

آریہ سماج نے مرزا صاحب کی کتاب "سرمہ چشم آریہ" کے جواب میں "سرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن فریب غلام احمد کی کیفیت" لکھی ۔ اس دل آزار کتاب کے جواب میں پھر مرزا صاحب نے "شحنہ حق" کتاب لکھی ۔ مولف نے اس کا نام شحنہ حق رکھنے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے" . چونکہ ہمارے اس رسالہ میں ان کی بے جا نکتہ چینیوں کا تازیانہ جڑنا اور الزام ملامت کا ہنٹر تاڑ تاڑ مارنا قرین مصلحت سمجھا گیا ہے ۔ اس لئے اس رسالہ کا نام بھی شحنہ حق رکھا گیا ہے ۔ کیونکہ یہ رسالہ آریوں کے آوارہ طبع لوگوں کے سیدھا کرنے کے لئے شحنہ کا حکم رکھتا ہے اور ظریفانہ طور پر اس رسالہ کا ایک اور نام بھی رکھا گیا ہے وہ یہ ہے" آریوں کی کسی قدر خدمت اور ان کے ویدوں اور

نکتہ چینیوں کی کچھ ماہیت" ۔

سبز اشتہار :۔

مرزا صاحب نے یہ اشتہار ان نکتہ چینیوں اور اعتراضات کے جواب میں لکھا ۔ جو بعض مخالفین نے بشیر اول کی وفات پر کیئے ۔

فتح اسلام :۔

یہ کتاب جمادی الاول 1891 بمطابق 1308ھ میں مطبع ریاض الہند میں طبع ہو کر شائع ہوئی ۔ یہ وہ دور تھا کہ ہندوستان میں آریہ سماج اور عیسائیوں نے اسلام کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی اٹھا رکھا تھا ۔ رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس پر رکیک حملے جمع کئے جا رہے تھے ۔ عیسائی پادری قریہ قریہ ۔ قصبہ قصبہ ۔ شہر شہر میں پھیل کر مسیح اور عیسائیت کی برتری ثابت کرنے کے لئے کتب ۔ پمفلٹ اشتہارات مفت تقسیم کر رہے تھے ۔ عیسائی حکومت ان پادریوں کی پشت پناہ بن رہی تھی ۔ یہ گمان کیا جا رہا تھا ۔ کہ بہت جلد تمام ہندوستان عیسائیت کی آغوش میں چلا جائے گا ۔ لارڈ لارنس نے ایک موقعہ پر کہا" کوئی چیز بھی ہماری سلطنت کے استحکام کا اس امر سے زیادہ موجب نہیں ہوسکتی کہ تم عیسائیت کو ہندوستان میں پھیلا دیں (لارڈ لارنس لائف جلد 2 صفحہ 313)

کیمبرج شارٹ ہسٹری مورف انڈیا مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس صفحہ 710, 711 میں لکھا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق ہندوستان کو برطانیہ کے ہاتھ میں اس لئے دیا ۔ اس ملک کے لوگ عیسائی بنائے جائیں ۔

اس تاریک دور میں لوگ عیسائیت کی آغوش میں جا رہے تھے ۔ تو مرزا صاحب نے فتح اسلام ۔ توضیح مرام اور ازالہ اوہام لکھ کر مسلمانوں کی یاس کو آس میں بدل دیا موت کو زندگی کا روپ دے دیا ، شکست کو فتح کی شکل دے دی ۔ اور لیظہرہ علی الدین کلہ کا نظارہ دکھلا دیا ۔ اور اسلام کی سچائی کو دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ظاہر کیا اور اسلام کی فتح سے متعلق پیشگوئی کی ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں" یہ انسان کی بات نہیں خدا تعالیٰ کا الہام اور رب جلیل کا کلام ہے ۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان حملوں کے دن نزدیک ہیں مگر یہ حملے تیغ و تیر سے نہیں ہوں گے اور تلواروں اور بندوقوں کی حاجت نہیں پڑے گی ۔ بلکہ روحانی اسلحہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد اترے گی اور یہودیوں سے سخت لڑائی ہوگی ۔ وہ کون ہیں؟ اس زمانہ کے ظاہر پرست لوگ جنہوں نے بالا تفاق یہودیوں کے قدم پر قدم رکھا ہے سب کو آسمانی سیف اللہ دو ٹکڑے کرے گی ۔ اور یہودیت کی

خصلت منادی جائے گی۔ ہر ایک حق پوش دجال دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا حجت قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ اور سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئیگا۔ جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا۔ جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔۔۔۔۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے ہمارا اسی راہ پر مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی۔ مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے اس اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالیٰ اب چاہتا ہے (فتح اسلام صفحہ 9۔10۔11)۔

پھر غلبہ اسلام کے متعلق اپنا الہام درج کیا۔ بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد'' (فتح اسلام صفحہ 23)

یہ اس دور کی کتاب ہے جب ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام پر تنزل کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اس تاریکی کے دور میں قادیان سے مرزا غلام احمد کے وجود سے ایک روشنی کی کرن ظاہر ہوئی۔ آہستہ آہستہ وہی کرن روشنی کا مینار بن گئی۔ مرزا غلام احمد قرآن مجید سے ماخوذ براہین قاطعہ کے اسلحہ سے مسلح ہو کر اسلام کے دشمنوں پر بجلی کی طرح گرے اور دیکھتے ہی دیکھتے عدوان اسلام کو مناظروں اور مباحثوں کے میدان سے مار بھگایا اور ہر طرف سے یہ آواز آنے لگی۔ سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ۔ تم مسیحا بنو خدا کے لئے۔ یہ ایک الٰہی سنت مستمرہ ہے جب آسمان پر کسی امر کا فیصلہ ہو جائے تو زمین پر اس کے ظہور کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اس دور میں آسمان پر اسلام کی فتح کا قرنا پھونکا جا چکا تھا۔ مرزا غلام احمد کو فتح اسلام کا قائد بنانا مقدر ہو چکا تھا۔ اس آسمانی قرنا پھونکا جانے کی وجہ سے زمین پر روحانی انتشار کے آثار نمایاں ہونے شروع ہوئے۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام عالم اسلام میں کچھ نمایاں شخصیات پیدا ہو گئیں۔ جنہوں نے اسلام کے دفاع کا بوجھ اپنے کندھوں پر لے لیا۔ ان میں سے سرسید اور ان کے ساتھی (مولوی چراغ علی اور حالی)۔ جمال الدین افغانی۔ مدرسہ دیو بند کے اکابرین (محمد قاسم نانوتوی۔ سید عابد حسین مولنا محمد یعقوب نانوتوی وغیرہ)

ندوۃ العلماء کے اکابرین (مولنا شبلی نعمانی۔ مولنا عبدالحق مصنف تفسیر حقانی) سید امیر علی۔ انجمن حمایت اسلام کے اکابرین اور مصر میں مفتی محمد عبدہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

گو مذکورہ شخصیات کا علم کلام بعض امور میں مرزا صاحب کے علم کلام سے مختلف تھا لیکن

سب کا مقصد اسلام کی حقانیت ظاہر کرنا تھا۔

مرزا غلام کو جہاد کا منکر کہنے والے ذرا سوچیں اور تدبر سے کام لیں۔ کیا جہاد کا انکار کرنے والا شخص فتح اسلام کی نوید سنا سکتا ہے۔ مرزا صاحب نے جہاد سے انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس غلط اور باطل نظریہ جہاد کو رد کیا۔ جو عوام وخواص میں پھیلا ہوا تھا اس باطل نظریہ کا رد اسلام کے دفاع کے لئے ضروری تھا۔

توضیح مرام:۔

یہ رسالہ بھی 1891ء میں لکھا گیا۔ اس کو فتح اسلام کا حصہ قرار دیا جانا چاہے۔ آپ نے ان کی اشاعت سے قبل 26 مارچ 1891ء کو پہلے ایک اشتہار کے ذریعہ اپنے دعوی مسیحیت کا اعلان کیا۔ آپ نے یہ اعلان کیا مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے رسول کریم ﷺ نے اس امت میں جس مسیح کے آنے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ وہ اس امت میں سے ایک مجدد کے بارے میں تھی۔ آپ نے اس رسالہ میں مثیل مسیح ہونے کی وضاحت کی ہے۔ آپ آغاز کتاب میں ہی لکھتے ہیں۔'' مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس عنصری وجود سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور پھر وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے''۔ میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چلا ہوں اور نیز یہ بھی بیان کر چلا ہوں۔ کہ اس نزول سے مراد درحقیقت مسیح ابن مریم کا نزول نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مثیل مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق حسب اعلام والہام الٰہی یہی عاجز ہے۔''

آپ نے علماء کے اس اعتراض کو بھی غلط قرار دیا چونکہ مسیح نبی ہیں اس لئے اس کا مثیل بھی نبی ہونا چاہیے۔ چونکہ آپ نبی نہیں اس لئے مسیح کے مثیل نہیں۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں۔''اس جگہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی ہونا چاہیے کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اول جواب تو یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لئے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی۔ بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہو گا۔ اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت قرآنی کا پابند ہو گا۔ اور اس سے زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرے گا۔ کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا امام ہوں۔ ماسوائے اس کے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عاجز جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے۔ (توضیح مرام صفحہ 17)

اسی طرح اس رسالہ میں رسول کریم ﷺ کے مقام ارفع کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ آپ اس

روحانیت کے مرتبہ اعلیٰ پر فائز ہیں کہ کوئی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ فرماتے ہیں ''لیکن اگر اس جگہ یہ استفسار رہو کہ اگر یہ درجہ اس عاجز اور مسیح کے لئے مسلّم ہے تو پھر جناب سیدنا و مولانا سید الکل و افضل الرسل خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے کونسا درجہ باقی ہے سو واضح ہو۔ کہ وہ ایک اعلیٰ مقام اور برتر مرتبہ ہے جو اس ذات کامل الصفات پر ختم ہو گیا۔ جس کی کیفیت کو پہنچنا بھی کسی دوسرے کا کام نہیں چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو۔ (صفحہ 62)

ازالہ اوہام:۔

یہ کتاب 1891ء میں دو حصوں میں شائع کی گئی۔ جس میں قرآن مجید کی تیس آیات سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کی گئی ہے۔ مخالفین نے آپ کی طرف جو دعویٰ نبوت منسوب کیا تھا اس کا رد کیا۔

دعویٰ مسیحیت کے ساتھ فتنہ دجال کا ذکر آنا ضروری تھا۔ کیونکہ حدیثوں میں دجال کی پیشگوئی مسیح موعود کی پیش گوئی کے ساتھ اس قدر ملی ہوئی ہے کہ دونوں کو الگ کرنا مشکل ہے اس وجہ سے علماء نے دجال کی تشریح میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ آپ نے دلائل قاطعہ سے یہ ثابت کیا ہے فتنہ دجال سے مراد فتنہ عیسائیت ہے۔

اس طرح حصہ دوم میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

نوٹ: دعویٰ مسیحیت اور مہدویت کی حقیقت پر بعد میں بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف یہ بتایا جاتا ہے کہ ان ہر دو الفاظ (مسیحیت اور مہدویت) سے مراد مجددیت ہے۔

مباحثہ لدھیانہ:۔

مباحثہ لدھیانہ جولائی 1891ء میں مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صدی چہار دہم اور ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مابین ہوا۔ مباحثہ تحریری تھا لہذا دونوں طرف کی تحریریں الحق مباحثہ لدھیانہ کے نام سے کتاب کی شکل میں اکٹھی 1891ء میں کر دی گئیں۔

اس وقت کا اصلی موضوع وفات مسیح تھا لیکن مولوی صاحب نے عملاً اس موضوع سے گریز اور شرائط مباحثہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے زبانی بحث چھیڑ دی۔ مرزا صاحب کا جو عقیدہ ہے کہ قرآن مجید حدیث شریف پر مقدم ہے۔ صحیح نہیں بلکہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ حدیث قرآن مجید پر مقدم ہے۔ کیونکہ حدیث ہی قرآن مجید کے مسائل کو حل کرتی ہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا یہ معاہدہ طے پا چکا ہے کہ فریقین تحریری شکل میں اپنا پرچہ پڑھ کر سنائیں گے چونکہ مولوی صاحب

نے زبانی بات کی ہے اس وجہ سے میں بھی اس بار زبانی بات کروں گا۔ آپ نے فرمایا قرآن مجید اللہ کا کلام ہے رسول کریم ﷺ نے خاص اہتمام سے اپنی زندگی میں لکھوایا۔ اور جمع کیا لیکن حدیث کا ایسا انتظام نہیں تھا۔ پھر خدا کا کلام ہونے کی وجہ سے جو مقام قرآن مجید کو حاصل ہے وہ حدیث شریف نہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب نے قرآن مجید اور حدیث شریف کے باہمی تعلقات پر سیر حاصل بحث کی۔ اس دور کا متنازع مسئلہ ''آیا حدیث قرآن پر مقدم ہے یا قرآن حدیث پر مقدم ہے''۔ اس رنگ میں حل کیا کہ پڑھ کر انسان وجد میں آ جاتا ہے۔ مرزا صاحب نے ایک اصول وضع کر دیا کہ وہ حدیث جو قرآن مجید کے خلاف نظر آئے تو قرآن مجید کی تاویل نہیں کی جائے گی۔ بلکہ حدیث کی تاویل کی جائے گی۔ اور اس کے وہ معنی کئے جائیں گے جو قرآن مجید کے مطابق ہوں۔ اگر تاویل کرنے سے بھی وہ تطبیق نہ کھائے۔ تو اس کو ترک کر دیا جائے۔ خواہ سلسلہ روایت کے لحاظ سے کتنی صحیح معلوم نہ ہو کیونکہ رسول کریم ﷺ کا قول اور فعل قرآن مجید کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

آپ نے فرمایا۔ ہر مومن کا یہی مذہب ہونا چاہیے۔ کہ کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو شرعی طور پر حجت شرعی قرار دیوے۔ خواہ وہ حدیث امر قولی پر مشتمل ہو۔ یا فعلی یا تقریری پر۔ اس کتاب میں قرآن اور حدیث کے مقام کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

الحق مباحثہ دہلی:۔

28 ستمبر 1891ء کو مرزا صاحب اپنے چند اصحاب کے ساتھ دہلی پہنچے جو علم و فضل کا مرکز تھا۔ جہاں سید نذیر حسین صاحب الملقب شیخ کل اور مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب جیسے جید عالم تھے۔ آپ نے وہاں کے علماء کرام خصوصاً سید نذیر حسین صاحب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات و حیات پر مباحثہ کی دعوت دی۔ تین اشتہار شائع کئے۔ مولوی حضرات اشتعال انگیزی کے ذریعے مناظرہ سے گریز کرتے رہے۔ لیکن مرزا صاحب ان کا متواتر تعاقب کرتے رہے۔ 17 اکتوبر 1891ء کو ایک تیسرا اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان یہ تھا۔

''اور جلشانہ کی قسم دے کر مولوی سید نذیر حسین صاحب کی خدمت میں بحث حیات و ممات مسیح بن مریم کے لئے درخواست۔''

اس اشتہار میں ہر طریقہ سے مباحثہ کے لئے بلایا اور اشتہار کو آخر میں یہاں تک لکھ دیا کہ اگر آپ کسی طرح بحث نہیں کرنا چاہتے تو قسم کھا کر یہ اعلان کر دیں۔ کہ میرے وفات مسیح علیہ

السلام پر دلائل باطل ہیں اور صحیح امر یہی ہے کہ حضرت مسیح بجسدہ العصری آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں۔تو ایک سال کے اندر اللہ تعالیٰ کوئی آسمانی نشان ظاہر کر دے گا۔آپ لکھتے ہیں۔

''اگر آپ کسی طرح بحث کرنا نہیں چاہتے تو ایک مجلس میں میرے تمام دلائل وفات مسیح سن کر اللہ جل شانہ کی تین دفعہ قسم کھا کر یہ کہہ دیجئے ۔کہ یہ دلائل صحیح نہیں ہیں اور صحیح یقینی امر یہی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم زندہ بجسدہ العصری آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور آیات قرانیہ اپنی صریح دلالت سے اور احادیث صحیح متصلہ مرفوعہ اپنے کھلے کھلے منطوق سے اس پر شہادت دیتی ہیں ۔اور میرا عقیدہ یہی ہے کہ تب میں آپ کی اس گستاخی اور حق پرستی اور بد دیانتی اور جھوٹی گواہی کے فیصلہ کے لئے جناب الٰہی میں تضرع و ابتہال کروں گا اور چونکہ میری توجہ پر مجھے ارشاد ہو چکا ہے کہ ادعونی استجب لکم اور مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ تقوی کا طریق چھوڑ کر ایسی گستاخی کریں گے اور آیت لا تقف ما لیس لک بہ علم کو نظر انداز کریں گے۔تو ایک سال تک گستاخی کا آپ پر ایسا کھلا کھلا اثر پڑے گا جو دوسروں کے لئے بطور نشان ہو جائے گا۔لہذا مظہر ہوں کہ اگر بحث سے کنارہ ہے اسی طور سے فیصلہ کر لیجیے تا کہ وہ لوگ جو نشان نشان کرتے ہیں ان کو خدا تعالیٰ کوئی نشان دکھا دیوے۔و ھو علی کل شئی قدیر و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔''

اور اسی اشتہار میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

بالآخر مولوی سید نذیر حسین صاحب کو یہ بھی واضح رہے کہ اگر وہ اپنے عقیدہ کی تائید میں جو حضرت مسیح ابن مریم بجسدہ العصری زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ۔آیات صریحیہ قطعیۃ الدلالت و احادیث صحیحہ متصلہ مرفوعہ مجلس مباحثہ میں پیش کر دیں ۔اور جیسا کہ ایک امر کو عقیدہ قرار دینے کے لئے ضروری ہے یقینی اور قطعی ثبوت صعود جسمانی مسیح بن مریم کا جلسہ عام میں زبان مبارک سے بیان فرما دیں تو میں اللہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں ۔کہ فی آیت اور فی حدیث پچیس روپیہ نذر کروں گا۔'' (از اشتہار 17 اکتوبر 1891ء)

مرزا صاحب نے بذریعہ اشتہار اس امر پر بہت زور دیا کہ مولوی محمد نذیر حسین صاحب آپ کے ساتھ مسئلہ حیات و وفات حضرت مسیح علیہ السلام پر تحریری مباحثہ کریں اور اہل دہلی بھی یہی چاہتے تھے لیکن مولوی سید نذیر حسین صاحب نے نہ تو حیات و وفات مسیح پر مناظرہ کرنا منظور کیا نہ آپ کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ آپ دلائل وفات مسیح علیہ السلام بیان کریں گے اور ان کے

سننے کے بعد مولوی صاحب حلفیہ بیان کر دیں کہ یہ دلائل از روئے آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ درست نہیں ہیں۔

مرزا صاحب نے ایک خط منشی ظفر احمد کپورتھلوی اور خان محمد جان کپورتھلوی کو دے کر مولوی نذیر حسین کے پاس بھیجا۔لیکن مولوی صاحب نے اس خط کا کوئی جواب نہ دیا۔

اس خط میں مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ کل ہم جامع مسجد میں پہنچ جائیں گے ۔مرزا صاحب اگلے دن وعدہ کے مطابق بارہ آدمیوں کے ساتھ جامع مسجد میں پہنچ گئے ۔مولوی صاحب بھی چند علماء کے ساتھ مسجد میں آ گئے اور ایک لان میں بیٹھ گئے ۔لیکن مرزا صاحب کے سامنے نہ آئے۔ دونوں طرف سے وفات و حیات مسیح علیہ السلام کے موضوع پر مناظرہ کے لئے پیغام رسانی ہوتی رہی لیکن مولوی نذر حسین صاحب نے نہ مناظرہ کیا اور نہ مرزا صاحب کی تجویز کردہ قسم کھائی۔

مرزا صاحب کا خانہ خدا میں حلفیہ بیان :۔

محمد یوسف صاحب جو علی گڑھ کے رئیس اور دہلی میں آنریری مجسٹریٹ تھے اور اس موقعہ پر حفظ امن کے لئے آئے ہوئے تھے ۔مرزا صاحب کے پاس آئے حضرت مرزا صاحب کے پاس آ کر کہا کہ لوگوں کے اندر سخت اشتعال انگیزی ہے کہ آپ کا عقیدہ خلاف اسلام ہے۔اگر یہ درست نہیں تو آپ اپنا عقیدہ لکھ دیں تا کہ میں لوگوں کو بلند آواز سے سنا دوں ۔مرزا صاحب نے فوراً ایک تحریر لکھ دی ۔جس میں آپ نے اپنا عقیدہ تحریر کر کے دیا تھا۔اس کا ایک ضروری حصہ درج کیا جاتا ہے۔

''دوسرے الزامات جو اوپر لگائے جاتے ہیں کہ یہ شخص لیلۃ القدر کا منکر ہے اور معجزات کا انکاری ہے ۔اور معراج کا منکر اور نیز نبوت کا مدعی اور ختم نبوت ہونے کا انکاری ہے ۔یہ سارے الزامات دروغ اور باطل محض ہیں اور ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے اور عربی کتاب توضیح المرام اور ازالہ اوہام سے حوالے اعتراض نکالے گئے ہیں یہ نکتہ چینیوں کی سراسر غلطی ہے اب میں جو مندرجہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں ۔کہ میں خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا قائل ہوں ۔اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں ۔ ایسا ہی سب ملائکہ اور معجزات اور لیلۃ القدر وغیرہ کا قائل ہوں (دین الحق صفحہ 29)

محمد یوسف صاحب نے اس تحریر کو لے کر بہت چاہا کہ لوگوں کو بلند آواز سے سنا دیں

لیکن مولوی حضرات کی طرف سے پیدا کردہ اشتعال انگیزی اور طوفان بدتمیزی کی وجہ سے محمد یوسف صاحب مرزا صاحب کی تحریر پڑھ کر نہ سنا سکے۔ جب موصوف نے دیکھا کہ مولوی حضرات کی نیت نہ مباحثہ کرنے کی ہے اور نہ کوئی تحریر مرزا صاحب کی سننا چاہتے ہیں بلکہ فساد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ تو اس نے اپنے ماتحت افسر کو کہا کہ مجمع منتشر کر دو۔ چنانچہ افسر پولیس صاحب نے اور محمد یوسف مجسٹریٹ نے با آواز بلند کہہ دیا کوئی مناظرہ نہیں ہوگا۔ سب لوگ چلے جائیں پس سب لوگ منتشر ہو گئے سب سے پہلے مولوی نذیر حسین صاحب بمعہ اپنے تلامذہ اور مولویوں کے چل دیئے۔ اس کے بعد مرزا صاحب مسجد سے باہر نکلے۔

تکفیر بازی اور مرزا صاحب کے مکان پر حملہ:۔

علماء دہلی نے گلی گلی کوچہ کوچہ میں فتوی کفر تقسیم کیا جس وجہ سے شہر میں مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ شہر کے اوباش لوگوں نے مرزا صاحب کی رہائش گاہ پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ زنانہ مکان کے کواڑ توڑ ڈالیں۔ جان نثار مریدوں کی بروقت مدافعت سے حملہ آور زنانہ مکان تک نہ پہنچ سکے۔

مولوی محمد بشیر بھوپالوی سے مباحثہ 23 اکتوبر 1891ء:۔ (مباحثہ الحق دہلی)

مولوی محمد بشیر صاحب نواب صدیق حسن خان صاحب کے مصاحب علماء میں سے تھے۔ بھوپال سے ملازمت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد دہلی آ گئے۔ اور اہل حدیث فرقہ کی امامت مل گئی۔ تو مولوی صاحب نے مناظرہ کا چیلنج کر دیا۔ مرزا صاحب نے بخوشی قبول کر لیا۔ یہ مباحثہ 23 اکتوبر 1891ء کو بعد نماز جمعہ شروع ہوا۔ تین پرچے مولوی محمد بشیر صاحب کے اور تین ہی مرزا صاحب نے لکھے۔ فریقین کے تحریر پرچے ''مباحثہ الحق دہلی'' کے نام سے چھپے ہوئے ہیں۔ مسئلہ حیات و وفات حضرت مسیح علیہ السلام سمجھنے کے لئے کافی مواد موجود ہے۔ طالبان حق اس کو پڑھ کر فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

قادیان کو واپسی:۔

مرزا صاحب نے مولوی محمد بشیر صاحب سے مباحثہ ختم ہونے کے بعد قادیان واپس جانے کی تیاری کر دی۔ آپ کے خسر میر ناصر نواب صاحب پٹیالہ تبدیل ہو کر چلے گئے تھے اس لئے مرزا صاحب دہلی سے پٹیالہ تشریف لائے۔ اور چند روز قیام فرمایا مورخہ 30 اکتوبر 1891ء کو

پٹیالہ کے ایک مولوی محمد اسحاق صاحب سے مسئلہ حیات و وفات مسیح پر گفتگو ہوئی۔ لیکن باہر نکل کر اپنی فتح کا نقارہ بجانا شروع کر دیا۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے ایک اشتہار کے ذریعے عوام کو آگاہ کیا۔ اگر مولوی صاحب اپنے بیان میں سچے ہیں تو مولوی صاحب جلسہ عام کر کے ہم سے اس موضوع پر بحث کر لیں۔ لیکن مولوی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔

آسمانی فیصلہ کی تصنیف:۔

ابوسعید شیخ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک کفر کا فتوی مرتب کیا۔ اس میں مرزا صاحب کی طرف غلط عقائد کو منسوب کئے۔ سب سے پہلے اپنے استاد مولوی نذیر حسین دہلوی صاحب سے دستخط کروائے۔ بعد میں ہندوستان کے تمام چوٹی کے علماء نے اس پر دستخط ثبت کر دیئے۔ اور اس فتوی کو بڑے طمطراق سے شائع کیا۔ مولوی صاحب نے اس حملہ میں اپنی فتح سمجھی۔ لیکن مرزا صاحب اپنے تجدیدی کاموں میں دن رات مصروف رہے۔

جب مرزا صاحب نے دیکھا کہ کہ مولوی حضرات اپنی تکفیر بازی اور مخالفت سے باز نہیں آتے اور اپنی ہٹ دھرمی پر جمے ہوئے ہیں۔ تو آپ نے آسمانی فیصلہ کی طرف دعوت دی کہ آؤ آسمانی تائیدات، معجزات، نشانات، اور قبولیت دعا میں میرا مقابلہ کر لو۔ تا کہ لوگ جان جائیں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ خدا کی نظروں میں مقبول بندہ کون ہے چنانچہ آپ نے اس ضمن میں کامل اور مقبول بندے کی چار علامتیں بیان فرمائیں۔

اول یہ کہ کامل مومن کو خدا تعالیٰ سے اکثر بشارتیں ملتی رہتی ہیں یعنی پیش از وقوع خوشخبریاں جو اس کی مرادات یا اس کے کے مطلوبات ہیں اس کو بتلائی جاتی ہیں۔

دوم یہ کہ مومن کامل پر ایسے امور غیبیہ کھلتے ہیں جو نہ صرف اس کی ذات یا اس کے واسطہ داروں سے متعلق ہوں۔ لیکن جو کچھ دنیا میں قضا و قدر نازل ہونے والی ہے۔ بعض دنیا کے افراد مشہورہ پر کچھ تغیرات آنے والے ہیں ان سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دی جاتی ہے۔

سوم یہ کہ مومن کامل کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور اکثر ان دعاؤں کی قبولیت کی پیش از وقت اطلاع دی جاتی ہے۔

چہارم یہ کہ مومن کامل پر قرآن کریم کے حقائق و معارف جدیدہ و لطافت و خواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔

ان چاروں علامتوں سے مومن کامل نسبتی طور پر دوسروں پر غالب رہتا ہے۔ (آسمانی

فیصلہ صفحہ 14)

پھر مولوی صاحبان کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

''اگر تم کامل مومن ہو اور میں نعوذ باللہ کافر اور ملحد اور دجال ہوں تو یقیناً ان تائیدات سماوی میں اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دے گا۔ اور میری ہرگز تائید نہیں کرے گا۔ نیز اس کا بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ تم نے جو دن رات شور مچا رکھا ہے کہ پہلے اپنا ایمان ثابت کرو۔ پھر ہمارے ساتھ بحث کرو۔ تو آؤ میں اپنا ایمان ثابت کروں۔ اور اس طریق پر کرتا ہوں جو عین قرآن اور حدیث ہے۔ لیکن اسی معیار پر تمہیں بھی اپنا ایمان ثابت کرنا ہوگا۔''

لیکن کسی پیر سجادہ نشین اور مولوی صاحب نے اس کا چیلنج کا جواب نہ دیا۔

نشان آسمانی جون 1892ء:۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے سیالکوٹ اور لاہور کے سفر اختیار کئے۔ پھر لدھیانہ گئے۔ لدھیانہ میں آپ نے ایک مجذوب ولی اللہ گلاب شاہ کی پیشگوئی بالتفصیل ان کے شاگرد کریم بخش صاحب سے حلفیہ قلمبند کروائی۔ اور اواخر مئی 1896ء میں آپ نے رسالہ نشان آسمانی جس کا دوسرا نام شہادت الملہمین ہے تحریر فرمایا۔ جو جون 1892ء میں شائع ہوا۔ اس میں سائیں گلاب شاہ صاحب کی پیشگوئی اور شاہ نعمت اللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشگوئی درج فرمائی۔ جس سے مرزا صاحب کے دعویٰ کی صداقت ظاہر ہوئی ہے۔

آئینہ کمالات اسلام:۔

آئینہ کمالات اسلام کا دوسرا نام دافع الوساوس ہے یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ اردو میں ہے اور دوسرا عربی میں۔ اردو حصہ کی تاریخ 1892ء ہے اور عربی حصہ 1893ء کے آغاز میں سپرد قلم کیا گیا۔

آئینہ کمالات اسلام اس دور کی کتاب ہے جب عیسائی پادری اسلام قرآن اور بانی اسلام پر حملے کر رہے تھے۔ وہ اسلام کی تعلیم کو اس رنگ میں مسخ کر کے پیش کر رہے تھے۔ کہ مسلمان اس سے متنفر ہو کر دائرہ عیسائیت میں آ جائیں۔ دوسرے مسلماں خود علماء اور دانشور ایسے عقائد کے حامل تھے۔ جن سے پادری حضرات کے اعتراضات کی تائید اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برتری ثابت ہوتی تھی۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بجسدہ العنصری آسمان پر اٹھائے جانا پھر ان کا مسلمانوں کی اصلاح کے لئے دوبارہ آنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات مردوں کو

زندہ کرنا وغیرہ۔

اسی طرح مسلمانوں میں ایک معتزلہ کا طبقہ پیدا ہو گیا۔ جنہوں نے قبولیت دعا فرشتوں کے وجود اور وحی الٰہی کی، اس رنگ میں تشریح کی جو قرآن مجید اور حدیث نبوی کے خلاف تھی۔

الغرض مسلمان علماء اور جدیدیت پسند دانشور اپنے غلط عقائد کی وجہ سے عدوان اسلام کو تقویت دے رہے۔ اس تاریک دور میں مرزا صاحب نے مسلمان علماء اور جدیدیت پسند علماء کے عقائد کی تصحیح کی۔ اس کے ساتھ دشمنان اسلام کے باطل اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا۔ اور اسلام کے روشن چہرہ کو ظاہر کرنے کے لئے یہ کتاب تصنیف کی۔ اور باآواز دھل اعلان کیا ہے۔ اسلام زندہ مذہب ہے اس کی فتح ہوگی اور مستقبل کا مذہب صرف اسلام ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔

''اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے۔ اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بے دل نہیں ہونا چاہیے۔ کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو، مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھیں کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائے گا۔ حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں۔ کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں اگر انجام کار ان کے لیے ہزیمت ہے۔ میں شکر نعمت کے طور پر کہتا ہوں۔ کہ اسلام کی اعلیٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے۔ جس علم کی رو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملے سے اپنے تئیں بچائے گا۔ بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے۔ جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہے ہیں اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے اور فتح بھی روحانی۔ تا باطل علم کو مخالفانہ طاقتوں کو ایسا ضعیف کر دے کہ کالعدم کر دے۔ (آئینہ کمالات اسلام حاشیہ 254-255)

فلسفہ قرآن کے غالب آنے کی پیشگوئی:۔

اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی تھی کہ وہ عالیشان اور کامل کلام اس طوفان (عدوان اسلام کے رکیک حملے (ناقل)) پر بھی غالب آئے گا۔ سو ضرور تھا کہ کلام الٰہی میں وہ سچا فلسفہ بھرا ہوا ہوتا جو حال کے دھوکہ دینے والے فلسفہ پر غالب آ جاتا۔ کیونکہ وہ ابدی اصلاحوں کے

لئے آیا ہے۔وہ نہ تھکے گا۔ اور نہ درماندہ ہوگا۔ جب تک کہ ہر ایک سلیم طبیعت میں اپنی سلطنت قائم نہ کرے اور فلسفہ کی زہر کھانے والے اس تریاق کے منتظر تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے اس بات کو ظاہر کر دیا۔ اور ناپاک معقولیت کا غلبہ توڑنے کے لئے یہی چاہا۔ کہ قرآنی معقولیت کا غلبہ ظاہر کرے۔ اور مخالفوں کی باطل معقولیت کو توڑ ڈالے۔ (صفحہ 40-41)

LIBRARY Ahmad 0759

آئینہ کمالات اسلام کی خدا کے پاس مقبولیت :۔

مرزا صاحب نے فرماتے ہیں اس کتاب کی تحریر کے وقت دو دفعہ جناب رسول کریم ﷺ کی زیارت مجھ کو ہوئی۔ اور آپ نے اس کتاب کی تالیف پر بہت مسرت ظاہر کی۔ اور ایک رات یہ بھی دیکھا کہ ایک فرشتہ بلند آواز سے لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے۔ ''ھذا کتاب مبارک "فقوموا للاجلال والاکرام''۔ یعنی یہ کتاب مبارک ہے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ (صفحہ 652)

اس کتاب کی فضیلت اپنی پہلی کتاب سرمہ چشم آریہ فتح اسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام پر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ و کتاب آخر سبق کلھاالفتہ فی ھذہ الایام اسمہ دافع الوساوس ھونافع جداً للذین یریدون ان یرو احسن الاسلام یکفون افواہ المخالفین (یعنی ایک کتاب جو میں نے ان دنوں تالیف کی ہے جس کا نام دافع الوساوس ہے۔ وہ ان سب مذکورہ کتب پر سبقت لی گئی ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے بہت ہی فائدہ مند ہے جو اسلام کے خوبصورت (چہرہ) کو دیکھنا اور مخالفین کے اعتراضات کو رد کرنا چاہتے ہیں۔'' (صفحہ 547)

مرزا صاحب نے اس کتاب کا دوسرا حصہ عربی میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ مرزا صاحب کی پہلی عربی تصنیف ہے جس میں اپنے نظریات اور عقائد کے بارے میں گدی نشینوں اور پیروں پر اتمام حجت کی گئی ہے۔

برکات الدعا:۔

سر سید صاحب نے تعلیمی اور سیاسی رنگ میں ہندی مسلمانوں کی جو خدمات سر انجام دیں ہیں۔ اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مولوی حضرات کی طرف سے بعض سیاسی (انگریز حکومت کے ساتھ تعاون) اور مذہبی امور (ملائکہ۔ دوزخ جنت وحی وغیرہ) کے بارے میں شدید مخالفت کے باوجود اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ اور مسلمانوں کو تعلیمی اور سیاسی میدان

میں بیدار کیا۔ آج مسلمان جو ترقی کے راستہ گامزن پر ہیں اس میں لازمی طور پر سر سید احمد خاں صاحب کا ایک وافر حصہ ہے۔ لیکن جدید فلسفہ سے مغلوب ہو کر بعض مذہبی مسائل کی ایسی تشریح کی جو قرآن اور حدیث کی رو سے قابل اعتراض تھی ان میں سے وحی اور دعا کا مسئلہ تھا۔ سر سید کا عقیدہ تھا۔ کہ وحی خارج سے نہیں آتی بلکہ دل سے اٹھتی ہے اور دل پر ہی ہوتی ہے۔ اور قبولیت دعا کوئی چیز نہیں صرف دل کو تسلی دینا ہے۔ مرزا صاحب نے دعا کی قبولیت کے بارے میں ایک مدلل رسالہ لکھا۔ جس کا نام ''برکات الدعا'' رکھا اور 20 اپریل 1893ء کو شائع کیا تھا۔

حجتہ الاسلام 8 مئی 1893ء:۔

اس رسالہ میں ڈاکٹر ایچ مارٹن کلارک اور دیگر اکابر عیسائی صاحبوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ زندہ دین صرف اسلام ہی ہے۔ اس کے ثمرات ہر دور میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جس طرح یہ دین پہلے اپنی صداقت کے نشانات دکھاتا تھا۔ اسی طرح آج بھی زندہ ہونے کی ثبوت کے نشانات دکھلا رہا ہے۔ عیسائیت ایک مردہ مذہب ہے اس میں زندہ مذہب کے نشانات مفقود ہیں پھر آپ نے اسلام کے زندہ دین ہونے کے دلائل ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ 22 مئی 1893ء کو جو مناظرہ مرزا صاحب کا عیسائیوں سے بمقام امرتسر ہونا تھا۔ اس کتاب میں اس کی وجوہ اور شرائط کا ذکر کر کے آپ نے منظوری دے دی۔

عیسائیوں کو دعوت مباحثہ:۔

مرزا صاحب نے بذریعہ رجسٹرڈ خط ڈاکٹر مارٹن کلارک کو دعوت مباحثہ دی کہ مباحثہ کے ہر چھ دن کے بعد فریقین میں مباہلہ ہو کہ فریقین اپنے اپنے مذہب کی سچائی کے لئے آسمانی نشان دکھائیں۔ اور ان نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کی میعاد مقرر ہو۔ لیکن پادری صاحب نے مباہلہ والی شرط تسلیم نہ کی۔

رسالہ سچائی کا اظہار:۔

''رسالہ سچائی کا اظہار'' تصنیف کرنے کا پس منظر یہ ہے کہ جنڈیالہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک مباحثہ طے پایا۔ مسلمانوں نے مرزا صاحب کو اپنا نمائندہ منتخب کیا اور عیسائیوں نے مارٹن کلارک کو اپنا نمائندہ چنا۔ پادری صاحب مباحثہ تو منظور کر چکے۔ لیکن بعد میں گھبرائے اور فرار کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کا فتوی تکفیر کو لے کر

بذریعہ ایک اشتہار مرقومہ 12 مئی 1893ء جو بطور ضمیمہ نور افشاں اخبار شائع کیا جنڈیالہ کے مسلمانوں کو برانگیختہ کیا۔ کہا کہ تم ایک ایسے شخص کو مباحثہ میں نمائندہ بنا رہے ہو جس کو مسلمان دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ لیکن جنڈیالہ کے غیور مسلمانوں نے اس اشتہار کی طرف بالکل توجہ نہ دی اور کہا کہ اس مباحثہ میں ہمارے نمائندے مرزا غلام احمد قادیانی ہی ہیں۔ مرزا صاحب نے اس واقعہ کا اس رسالہ ''سچائی کے اظہار'' میں ذکر کر کے مارٹن کلارک کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ میرے ساتھ مستند علماء ہیں اور فریق ثانی کے پاس صرف نام کے مولوی ہیں۔

جنگ مقدس:۔

جنگ مقدس سے مراد مرزا صاحب کا وہ مباحثہ ہے جو مرزا صاحب نے عبد اللہ آتھم سے بمقام امرتسر کیا۔ یہ مباحثہ 22 مئی 1893ء سے شروع ہو کر 5 جون کو ختم ہوا۔ یہ مباحثہ تحریری تھا اس وجہ سے تمام کاروائی کتاب ''جنگ مقدس'' میں موجود ہے۔ مرزا صاحب نے دلائل قاطعہ سے الوہیت مسیح کو رد کیا اور دلائل سے قرآن مجید کا خدائی کلام اور محمد مصطفیٰ ﷺ کا رسول اللہ ہونا ثابت کیا۔

تحفہ بغداد 1893ء:۔

مرزا صاحب نے یہ کتاب ایک شخص سید عبد الرزاق قادری بغدادی کے اشتہار اور ایک خط کے جواب میں بزبان عربی تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں مرزا صاحب نے اپنے دعاوی پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

کرامات الصادقین 1893ء:۔

مرزا صاحب نے اس کتاب میں رسول کریم ﷺ کی مدح میں چار عربی قصائد اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر قلمبند کی ہے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دیگر علماء حضرات کو عربی میں تفسیر اور قصائد لکھنے کی دعوت دی ہے۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

اگر اس رسالہ کے بالمقابل میاں بطالوی (بٹالوی ناقل) یا کسی اور ان کے ہم مشرب نے سیدھی نیت سے اپنی طرف سے قصائد وتفسیر سورہ فاتحہ تالیف کر کے بصورت رسالہ شائع کر دی۔ تو میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں۔ کہ اگر ثالثوں کی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

ان کے قصائد اور ان کی تفسیر جو سورۃ فاتحہ کے دقائق اور حقائق کے متعلق ہوں۔ میرے قصائد اور میری تفسیر سے جو اس سورہ مبارکہ کے اسرار لطیفہ کے بارہ میں ہے ہر پہلو سے بڑھ کر ہے تو میں ہزار روپیہ نقد ان میں سے ایسے شخص کو دوں گا جو روز اشاعت سے ایک ماہ کے اندر ایسے قصائد اور ایسی تفسیر بصورت رسالہ شائع کر دے۔ تفسیر لکھنے کے وقت یہ یاد رہے۔ کہ کسی دوسرے شخص کی تفسیر کی نقل منظور نہیں ہوگی۔ بلکہ وہی تفسیر لائق منظوری ہوگی۔ جن میں حقائق و معارف جدید ہوں بشرطیکہ کتاب الٰہیہ اور فرمودہ رسول اللہ ﷺ سے مخالف نہ ہوں۔

اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد وقت متعینہ بلکہ ایک سال تک کسی نے بھی قصائد اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنے کی جرات نہ کی۔

شہادۃ القرآن 1893ء:۔

آپ نے ایک شخص عطا محمد خط کے جواب میں یہ کتاب سپرد قلم کی۔ جس میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے اپنے دعوی مسیح موعود کو ثابت کیا ہے۔

حمامۃ البشری 1894ء:۔

ایک صاحب علم وفضل عرب محمد بن احمد مکی شعب عامر مکہ معظمہ کا رہنے والا تھا۔ وہ ہندوستان کی سیاحت کر رہا تھا۔ انہیں مرزا صاحب کے دعوٰی کی خبر ہوئی۔ تو وہ قادیان گئے۔ مرزا صاحب سے گفتگو ہوئی اور تو موصوف پر مرزا صاحب کی صداقت ظاہر ہوگئی۔ اور مرزا صاحب کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ کچھ عرصہ قادیان میں رہنے کے بعد مکہ معظمہ واپس چلے گئے۔ وہاں سے 20 محرم مطابق 4 اگست 1893ء میں مرزا صاحب کی خدمت میں خط لکھا۔ کہ اپنے دعاوی کے متعلق لٹریچر روانہ کریں تا کہ یہاں لوگوں میں تقسیم کیا جا سکے۔ تو مرزا صاحب نے اپنے عربی مرید کے خط کے جواب میں عربی زبان میں حمامۃ البشری تصنیف کی۔ جس میں اپنے عقائد اور دعاوی صاف صاف بیان کر دیئے۔ اور واضح الفاظ میں لکھا کہ میرا کوئی دعوت نبوت نہیں جبکہ آپ لکھتے ہیں۔ و ما کان ان ادعی النبوۃ و اخرج من الاسلام و الحق بقوم کافرین مجھے یہ کب شایاں ہے کہ نبوت کا دعوی کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں کافروں میں جا ملوں۔ اس طرح دعوی مسیحیت کی حقیقت، خروج دجال اور وفات مسیح اور نزول مسیح پر سیر حاصل بحث کی۔

نور الحق حصہ اول 1894ء:۔

مرزا صاحب نے یہ کتاب پادری عماد الدین کی کتاب توزین الاقوال کے جواب میں لکھی۔ پادری صاحب نے اس کتاب میں رسول کریم ﷺ کی ذات اور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر اعتراضات کئے۔ مرزا صاحب نے نور الحق میں پادری صاحب کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔ ساتھ یہ بھی لکھا کہ قرآن مجید تو وہ کتاب ہے جس کی فصاحت و بلاغت پر اس دور کے تمام مسلّم ادباء اور شعراء نے قرار کیا۔ آج تک وہ فصیح و بلیغ جانی جاتی ہے میں یہ کتاب عربی میں لکھ رہا ہوں اگر آپ کو اپنی عربی دانی پر اتنا ناز ہے تو اس کتاب کے مقابل پر عربی زبان میں کتاب لکھ دو۔ بصورت مقابلہ ان کے لئے پانچ ہزار روپیہ انعام دینے کا وعدہ بھی کیا۔

نور الحق حصہ دوم 1894ء:۔

نور الحق حصہ دوم کے آخر میں مرزا صاحب نے نہایت عاجزانہ رنگ میں خدا سے دعا کی۔ اے اللہ تو ہی خیر الفاتحین ہے اب مولوی حضرات کی تکفیر بازی اور گالی گلوچ سے ذلیلوں کی طرح ہو گیا ہوں تو میری آسمانی نصرت فرما۔ اس دعا پر بمشکل ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا۔ اللہ نے آپ کی عاجزانہ دعا سنی۔ سورج چاند کا گرہن جس کی احادیث نبوی میں مہدی کے ظہور کی علامت قرار دیا 1311ھ مطابق 1894ء میں زمین کے مشرقی کرہ یعنی یورپ و ایشیا اور افریقہ میں ظاہر ہوا۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ 6 دسمبر 1894) اور 1895ء میں زمین کے مغربی کرہ یعنی امریکہ میں۔

اتمام الحجہ جون 1894ء:۔

یہ رسالہ مرزا صاحب نے مولوی رسل بابا امرتسری پر اتمام حجت کرنے کے لئے جون 1894ء میں شائع کیا۔ اس رسالہ کا کچھ حصہ عربی میں ہے۔ اور کچھ اردو میں اس کی تالیف کی وجہ مولوی رسل بابا امرتسری کا رسالہ حیات المسیح تھا۔ جس میں مولوی صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ حضرت مسیح بجسد العنصری آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اب تک زندہ ہیں۔ مرزا صاحب نے اس رسالہ کے جواب میں مولوی رسل بابا پر اتمام حجت کرنے کے لیے رسالہ ''الحجہ'' لکھا جس میں قرآن مجید، احادیث اور سلف صالحین کے اقوال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کی۔

سر الخلافہ جولائی 1894ء:۔

آپ نے یہ کتاب عربی زبان میں تحریر فرمائی۔ اس میں مسئلہ خلافت پر شرح بسط سے

بحث کی گئی ہے۔ دلائل قاطعہ و ساطعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ برحق تھے۔ لیکن حضرت ابو بکر اعلیٰ شان کے مالک تھے۔ وہ آدم ثانی تھے۔ اگر انصاف اور حق کی نظر سے دیکھا جائے تو آیت استخلاف کے مصداق وہی تھے جنہوں نے خوف کو امن میں بدلا۔ حکومت کو مستحکم کیا۔ فتنہ و فساد کی آگ کو بجھایا۔ اور اسلامی ریاست میں آرام و سکون کی فضا پیدا کر دی۔ شیعہ حضرات کی طرف جو غصب خلافت کا الزام لگایا جاتا ہے اس کو رد کیا۔ تبریٰ بازی کو خلاف قرآن دیا۔ نیز اس کتاب میں عقیدہ مہدی کا ذکر کر کے مہدیت پر تفصیلی بحث کی۔

انوار الاسلام 1895ء:۔

جنگ مقدس کے اختتام پر مرزا صاحب نے مناظر مسٹر عبد اللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی کی تھی کہ وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے جب پیشگوئی کی میعاد ختم ہوگئی تو آتھم نہ مرا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق رجوع الی الحق کی وجہ سے اسے مہلت دے دی۔ تو عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں نے خوشی منائی۔ 6 دسمبر 1891ء کو امرتسر میں آتھم کا جلوس بھی نکالا۔ مسلمانوں کا خوشیاں منانا سمجھ سے بالا تر تھا۔ درحقیقت یہ مباہلہ اسلام اور عیسائیت کی سچائی پر تھا۔ مرزا صاحب کی سچائی کے متعلق نہیں تھا۔ بہر حال مرزا صاحب نے پندرہ ماہ کی میعاد گزرتے ہی 5 ستمبر 1894ء کو رسالہ نور الاسلام تحریر فرمایا۔ اور مئی 1895ء میں اسی موضوع پر رسالہ ضیاء الحق تالیف کیا۔ جس میں پیشگوئی کی حقیقت پر شرح بسط سے وضاحت کی اور آتھم کے رجوع کے متعلق جو الہامات ہوئے تھے وہ اس رسالہ میں تحریر فرمائے۔ اور قرآئن قویہ سے آتھم کے رجوع الی حق ہونے کو ثابت کیا۔ پھر آپ نے چار اشتہار پے در پے شائع کئے۔ اور آتھم سے کہا کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ تم نے رجوع الی الحق نہیں کیا۔ جلسہ عام میں تین بار قسم کھانے کا مطالبہ کیا اور قسم کے الفاظ یہ ہیں۔ پیشگوئی کے دنوں میں ہرگز میں نے اسلام کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور ہرگز اسلام کی عظمت میرے دل پر موثر نہیں ہوئی۔ اور اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو اے قادر خدا ایک سال مجھ کو مدت دے کر میرا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر۔ (روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 312)

مگر آتھم نے قسم نہ کھائی۔ جس سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیا۔ اور مرزا صاحب کے اس دعوی کی تصدیق ہوگئی کہ آتھم نے رجوع الی الحق کیا تھا۔

منن الرحمٰن 1895ء:

آپ نے 1895ء میں ''منن الرحمٰن'' نامی کتاب تصنیف کی ۔جس میں آپ نے عظیم الشان تحقیقات سے یہ بات ثابت کی ۔نئی تحقیق کا دروازہ بھی کھول دیا کہ عربی زبان ام الالسنہ ہے ابتداء میں انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو زبان سکھائی وہ عربی تھی ۔ پھر جوں جوں نسلی انسانی مختلف اطراف ارض میں پھیلی زبانوں میں اختلاف پیدا ہوگیا ۔

محققین کا زبان کی تحقیق کے بارے میں اختلاف ہے کہ کس طرح زبان معرض وجود میں آئی ۔ یہ ایک دلچسپ بحث ہے ۔میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا ۔نہ یہ میرا موضوع ہے صرف یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں ۔کہ مرزا صاحب کا یہ نظریہ ہے کہ اولاً عربی زبان اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھائی تھی ۔ مرزا صاحب نے اپنے اس مضمون کی بنیاد اس آیت پر رکھی ۔

و کذلک اوحینا الیک قراناً عربیا لتنذر ام القری و من حولها ----

مرزا صاحب فرماتے ہیں ۔کہ یہ آیت عربی زبان کے فضائل پر دلالت کرتی ہے اور اشارہ کرتی ہے کہ عربی زبان تمام زبانوں کی اور قرآن مجید تمام پہلی کتابوں کی ماں ہے اور یہ کہ مکہ ام الارضین ہے ۔(روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 183)

اس موضوع پر خواجہ کمال الدین نے کتاب ''ام الالسنہ'' لکھی ۔اس کے علاوہ مزید مفصل کتاب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائل پور (فیصل آباد) کی ہے ۔جس میں بڑی محنت سے مشہور زبانوں سنسکرت ۔انگریزی ۔لاطینی جرمنی ۔فرانسیسی ۔چینی ۔فارسی اور ہندی کے گہرے اشتراک اور عربی کے ام الالسنہ ہونے کے نظریہ پر شرح وبسط سے بحث کی ہے ۔

افسوس ہے کہ مسلمان عربی دانوں نے اس موضوع کی طرف رغبت نہیں کی ۔ جب عربی زبان کی فضیلت ثابت ہو جائے گی ۔تو اس کے ساتھ ہی قرآن مجید کی صداقت اور حقانیت واضح ہو جائے گی ۔

نور القرآن نمبر 1 نور القرآن نمبر 2:۔

مرزا صاحب نے قرآن مجید اسلام اور رسول کریم ﷺ کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے ایک رسالہ جاری کرنے کا ارادہ کیا ۔اس کا نام نور القرآن رکھا ۔اس کے صرف دو نمبر نکلے ۔پہلا نمبر تین ماہ یعنی بابت ماہ جون ۔ جولائی ۔اگست 1895ء میں شائع ہوا ۔اور دوسرا نمبر ماہ ستمبر اکتوبر نومبر دسمبر 1895ء اور جنوری فروری اور مارچ 1896ء میں شائع ہوا۔

نور القرآن نمبر 1 میں قرآن مجید منزل من اللہ ہونے اور رسول کریم ﷺ کے برحق ہونے پر دلائل قاطعہ دئے ۔اور نور الحق نمبر 2 میں پادری فتح مسیح سکنہ فتح گڑھ گورداسپور کے دو خطوط کا جواب تحریر فرمایا۔

معیار مذاہب 1895ء:۔

اس مختصر رسالہ میں مرزا صاحب نے آریہ مذہب ۔عیسائی مذہب اور اسلام کی اللہ تعالیٰ کے متعلق تعلیم کا خوبصورت انداز میں مقابلہ کیا اور ثابت کیا ہے کہ اسلام کا بیان کردہ عقیدہ ہی صحیح اور فطرت کے مطابق ہے اور آپ نے دوسرے مذاہب پر اسلام کی برتری ثابت کی ہے ۔

آریہ دھرم 1895ء:۔

قادیان کے آریہ سماجیوں نے رسول کریم صلعم کی ذات مصطفیٰ پر نہایت رکیک اور گندے اعتراضات بذریعہ اشتہار شائع کئے ۔دوم وجہ یہ ہوئی کہ آپ کو جب معلوم ہوا کہ پنڈت دیانند صاحب آریوں پر یہ زور دے رہے ہے کہ نیوگ کو وید کی شرائط کے مطابق رائج کریں ۔تو آپ نے اس غلط مسئلہ پر شرح وبسط سے بحث کی ۔اور ثابت کیا یہ تو زنا کاری ہے یہ عمل کرنے والے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کیا الزام لگائیں گے ۔

مباحثات کی اصلاح کے لئے نوٹس اور گورنمنٹ کی خدمت میں میموریل 1895ء:۔

آخر کتاب (آریہ دھرم) میں مذہبی مباحثات سے متعلق ایک میمورنڈم ہے ۔جس میں آریہ اور عیسائیوں کو مخاطب کیا اور گورنمنٹ آف انڈیا کو بھی توجہ دلائی کہ مباحثات کی جو موجودہ طرز ہے اسے یکسر بدل دینا چاہیے اس کی بجائے یہ دو اصول ہونے چاہیں ۔اول کوئی فریق کسی دوسرے فریق پر ایسا اعتراض نہ کرے ۔ جو خود اس کی اپنی الہامی کتاب پر پڑتا ہو۔

دوم ۔ ہر فریق اپنی مسلّم اور مقبول کتابوں کی فہرست شائع کر دے اور کسی معترض کو یہ حق نہ ہو کہ ان کی کتب سے باہر کی کتاب کے حوالہ سے اعتراض کرے ۔

چنانچہ مسلمانوں کی مسلّمہ مقبولہ کتابوں کی فہرست شائع کی وہ یہ ہے ۔

اول قرآن مجید ۔دوم بخاری بشرطیکہ اس کی کوئی حدیث قرآن مجید کے مخالف نہ ہو ۔سوم صحیح مسلم بشرطیکہ اس کی کوئی حدیث قرآن مجید کے خلاف نہ ہو ۔ اور بخاری کی کسی حدیث کے مخالفت نہ ہو ۔ چہارم صحیح ترمذی ۔ابن ماجہ ۔موطا ۔نسائی ۔ ابو داود ۔ دار قطنی ۔ بشرطیکہ ان کی

کوئی حدیث قرآن اور صحیحین یعنی بخاری اور مسلم کے خلاف نہ ہو۔

ست بچن:۔ ست بچن کے لکھنے کے دو اغراض تھے ایک پنڈت دیانند کے بے جا اعتراض کا جواب دیا۔ جوانہوں نے سیتارتھ پرکاش میں گورو بابا نانک پر لگائے تھے۔ دوم باوا صاحب کا عقیدہ اور مذہب ظاہر کرنا مقصود تھا۔ وہ اپنے قول وفعل کے لحاظ سے سچے مسلمان تھے۔ اور اپنے اشعار میں یہ اقرار کیا کہ نجات کا دارومدار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

چولا صاحب:۔

انگد کی جنم ساکھی میں یہ لکھا ہے کہ بابا نانک صاحب کو چولا آسمان سے ملا تھا۔ جس پر آسمانی کلمات لکھے تھے باوا صاحب اکثر اوقات پہنے پھرتے تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد وہ چولا صاحب ڈیرہ نانک میں بالاصل موجود ہے قریباً 1872ء کی بات ہے۔ کہ مرزا صاحب نے گورو باوا نانک کو دو مرتبہ خواب میں دیکھا ان سے گفتگو کی۔ خواب میں باوا صاحب نے اقرار کیا کہ وہ مسلمان ہیں اور اسی چشمہ سے سیراب ہوئے تھے جس سے آپ سیراب ہوتے ہیں یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صاحب کا چشمہ ہدایت۔ چنانچہ ایک دن مرزا صاحب کو اس چولا کو دیکھنے کا دل میں شوق پیدا ہوا چنانچہ آپ استخارہ مسنونہ کے بعد 30 ستمبر 1895ء کو پیر کے دن اپنے چند اصحاب کے ساتھ ڈیرہ بابا نانک روانہ ہو پڑے۔ چنانچہ ڈیرہ باوا نانک پہنچ کر ایک مخلص دوست کی کوشش سے چولا دیکھنے کا موقعہ ملا۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس چولے پر لا الـہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ۔ سورہ فاتحہ۔ آیت الکرسی اور سورہ اخلاص لکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ سفر سے واپس آ کر آپ نے کتاب ست بچن لکھی۔ اور اس میں چولا صاحب کا فوٹو بھی ہے۔

مذہبی دنیا میں مرزا صاحب کی یہ بہت بڑی تحقیق ہے۔ جس میں باوا گورو نانک کا ایک سچا مسلمان ہونا ثابت کیا ہے اور سکھ مذہب کی بنیاد ہلادی ہے ایک وقت آئے گا جب اس پر مزید تحقیق ہوگی۔ اور مرزا صاحب کی تحقیق کی سچائی ظاہر ہو جائے گی۔

عباد اللہ صاحب گیلانی نے اس موضوع پر تحقیقی کتب لکھی ہیں۔ جن کو ادارہ ثقافت اسلامیہ نے شائع کیا ہے وہ کتب اپنے اندر قیمتی مواد لئے ہوئے ہیں۔

اسلامی اصول کی فلاسفی:۔

ایک صاحب سوامی سادھو شوگن چندر نے لاہور میں ایک مذہبی کانفرنس منعقد کرنے کا

ارادہ کیا۔ جس میں مذہب کے اہم ترین مسائل موضوعات پر اپنی اپنی کتب کی روشنی میں مکالمے پڑھے جائیں۔ تاکہ سچے مذہب کے کمالات اور خوبیاں ظاہر ہو جائیں۔ اور اس طرح ایک مذہب کے بزرگ واعظ کو موقعہ ملے گا کہ اپنے مذہب کی سچائی لوگوں کے دلوں میں بٹھائے۔ اور لوگوں کو موقع ملے گا کہ وہ ہر مذہب کے نمائندے کو براہ راست سن کر موازنہ کر سکیں گے۔ کہ حق کی چمک کہاں ہے۔

موضوعات یہ تھے۔

1۔ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتیں

2۔ انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ

3۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے اور وہ غرض کس طرح پوری ہوسکتی ہے۔

4۔ کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے۔

5۔ علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں۔

چنانچہ کانفرنس کے لئے 26-27-28 دسمبر 1896ء کی تاریخیں قرار پائیں۔

اس جلسہ میں سناتن دھرم۔ ہندو دھرم۔ آریہ سماج۔ فری تھنکر۔ برہمو سماج۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی۔ ریلیجن اف ہارمنی۔ عیسائیت اسلام اور سکھ ازم کے نمائندوں نے تقریریں کیں۔

اس کانفرنس میں مرزا صاحب کو اسلام کا نمائندہ کی حیثیت سے دعوت دی گئی۔ مرزا صاحب نے اس دعوت کو قبول فرمالیا۔ قرآن مجید کی روشنی میں مذکورہ موضوعات پر بحث کی۔ اور اس مقالہ کو مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے کانفرنس میں پڑھا۔ مقالہ وقت مقررہ میں ختم نہ ہو سکا۔ مقالے کے حسن وخوبی اور لوگوں کی خاص دلچسپی کی وجہ سے ایک دن بڑھا دیا گیا۔

منتظمین کانفرنس کی طرف سے مرزا صاحب کے مقالے کے لئے ایک دن بڑھا دینا صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ مقالہ اپنے اندر وہ حسن وخوبی اور دقائق و معارف کے دریا لئے ہوئے تھا۔ جس کے سننے کے لئے ہر شخص قلبی خواہش رکھتا تھا۔ لوگ خوش الحان مولوی عبدالکریم صاحب کے مقالہ سنانے کے دوران میں وجد اور محویت کے عالم میں تھے۔ مضمون کی خوبی یہ تھی کہ ہر سوال کا جواب قرآن مجید کی روشنی میں دیا گیا تھا۔ اس مضمون کی توصیف میں ہندوستان کے تمام اخبارات نے کالم لکھے۔ اور دل کھول کر تعریف کی اور اس بات کا اقرار کیا کہ مرزا صاحب کا مضمون ہی سب مضامین سے بالا تھا۔ اسی مذہبی کانفرنس کے سیکرٹری دھنپت۔ رائے بی اے ایل

ایل بی پلیڈر چیف کورٹ پنجاب کتاب رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب ''دھرم مہوتسو'' میں اس مقالے کے متعلق لکھتے ہیں۔

''پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا۔لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام (مرزا غلام احمد ناقل) کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا۔اس لئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ڈیڑھ بجنے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا کہ اسلامیہ کالج کا وسیع مکان جلد جلد بھرنے لگا۔اور چند ہی منٹوں میں تمام مکان پُر ہو گیا۔اس وقت کوئی سات اور آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔مختلف مذاہب وملل اور مختلف سوسائیٹیوں کے معتد بہ اور ذی علم آدمی موجود تھے۔اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ مہیا کیا گیا۔لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا اور کچھ نہ بن پڑا۔اور ان کھڑے ہوئے شائقین میں بڑے بڑے روساء پنجاب علماء وفضلاء۔بیرسٹر۔وکیل۔پروفیسرا کسٹرا اسسٹنٹ ڈاکٹر غرض کہ اعلی طبقہ کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے۔اور ان کے اس طرح جمع ہو جانے اور نہایت صبر و تحمل کے ساتھ جوش سے برابر پانچ چار گھنٹے اس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان ذی جاہ لوگوں کو کہاں تک اس مقدس تحریک سے ہمدردی تھی۔

مصنف تقریر اصالتاً تو شریک جلسہ نہ تھے۔لیکن خود انہوں نے اپنے ایک شاگرد خاص جناب مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مضمون پڑھنے کے لئے بھیجے ہوئے تھے۔اس مضمون کے لئے اگرچہ کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے۔لیکن حاضرین جلسہ کو عام طور پر اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ موڈریٹر صاحباں نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو۔تب کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جائے۔ان کا ایسا فرمانا عین اہل جلسہ اور حاضرین جلسہ کی منشا کے مطابق تھا۔کیونکہ جب وقت مقررہ کے گزرنے پر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کو ختم ہونے کے لئے دے دیا۔تو حاضرین اور موڈریٹر صاحبان نے ایک نعرہ خوشی سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔جلسہ کی کارروائی ساڑھے چار بجے ختم ہو جانی تھی۔لیکن عام خواہش کو دیکھ کر کارروائی جلسہ ساڑھے چار بج کے بعد تک جاری رکھنی پڑی۔کیونکہ یہ مضمون قریباً چار گھنٹوں میں ختم ہوا۔اور شروع سے آخر تک یکساں دلچسپ و مقبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔''

مرزا صاحب نے جلسہ کے انعقاد کے قبل 21 دسمبر 1896ء کو اپنے مقالے کے غالب

رہنے کے متعلق اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر ایک اشتہار شائع کیا جس کی نقل یہ درج ذیل ہے۔

سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری

جلسہ اعظم مذاہب جو لاہور ٹاؤن ہال میں 26۔27۔28 دسمبر 1896ء کو ہو گا اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارے میں پڑھا جائے گا۔یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اس کی تائید سے لکھا گیا ہے۔اس میں قرآن شریف کے وہ حقائق اور معارف درج ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا۔کہ درحقیقت یہ خدا کا کلام ہے۔اور رب العالمین کی کتاب ہے اور جو شخص اس مضمون کو اول سے آخر تک پانچوں سوالوں کے جواب سنے گا میں یقین کرتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہو گا اور ایک نیا نور اس میں چمک اٹھے گا۔اور خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی ایک جامع تفسیر اس کے ہاتھ آ جائیگی۔میری تقریر انسانی فضولیوں سے پاک اور لاف وگزاف کے داغ سے منزہ ہے۔مجھے اس وقت محض بنی آدم کی ہمدردی نے اس اشتہار کے لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے تا وہ قرآن شریف کے حسن و جمال کا مشاہدہ کریں اور دیکھیں کہ ہمارے مخالفوں کا کس قدر ظلم ہے کہ وہ تاریکی سے محبت کرتے اور نور سے نفرت رکھتے ہیں۔مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اول سے آخر تک سنیں تو شرمندہ ہو جائیں گی اور ہرگز قادر نہیں ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔خواہ وہ عیسائی ہوں خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور۔کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اس ہاتھ کے چھونے سے اس محل میں سے ایک نور ساطع نکلا جو اردگرد پھیل گیا اور میرے ہاتھوں پر بھی اس کی روشنی پڑی۔تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا۔اللہ اکبر خربت خیبر۔اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس محل سے مراد میرا دل ہے جو جائے نزول حلول انوار ہے۔اور وہ نور قرآنی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذاہب ہیں جن میں شرک اور بدعت کی ملونی ہے۔اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی۔یا خدا کی صفات کو اپنے کامل محل سے نیچے گرا دیا ہے۔سو مجھے جتلایا گیا ہے کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائے گا۔اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائیگی۔جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کرے۔

پھر اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا۔ ان اللہ معک ان اللہ یقوم اینما قمت ۔یعنی خدا تیرے ساتھ ہے اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو۔ یہ حمایت الٰہی کے لئے ایک استعارہ ہے اب میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ ہر ایک کو یہی اطلاع دیتا ہوں کہ اپنا اپنا حرج بھی کر کے ان معارف کے سننے کے لئے ضرور بمقام لاہور تاریخ جلسہ پر آویں کہ ان کی عقل و ایمان کو اس سے وہ فائدے حاصل ہوں گے کہ وہ گمان نہیں کر سکتے ہونگے ۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ ۔خاکسار از مرزا غلام احمد از قادیان ۔21 دسمبر 1896ء۔

اگر مرزا صاحب کی صرف یہی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' ہوتی ۔ اور ان کی اور کوئی بھی کتب نہ ہوتیں ۔تو پھر بھی وہ متکلمین کی صف اول میں شمار ہوتے ۔ یہ کتاب علم کلام کے اہم اور نازک موضوعات پر مشتمل ہے۔ دقیق مضامین کو نہایت سادہ اور عام فہم عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ثابت کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید ہی زندہ کتاب ہے اور اسلام ہی زندہ دین ہے۔ اور محمد مصطفےٰ ﷺ ہی زندہ رسول ہیں۔

انجام آتھم 1896ء:۔

یہ کتاب 1896ء میں لکھنا شروع کی گئی۔ 1897ء میں شائع کر دی گئی ۔اس میں آتھم کے واقعہ اور پھر اس پر مسلمان مولویوں عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں ۔مزید برآں عیسائیوں مسلمان علماء صوفیاء اور سجادہ نشینوں کو دعوت مباہلہ دی ہے۔ عربی زبان میں ایک مکتوب باعمل اہل علم اور فقراء منقطعین کے نام لکھا ہے جس میں آپ نے آسمانی نشانوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دکھائے۔

الاشتہار مستیقناً بوحی اللہ القہار:۔

14 جنوری کو آپ نے ایک اشتہار مندرجہ بالا عنوان کے ساتھ دیا۔ جس میں عیسائیت کے باطل عقائد کی تردید کرنے کے بعد تمام دینا کے عیسائی پادریوں خصوصاً اور تمام مذاہب کے علماء فضلاء اور مقتداؤں کو عموماً ایک فیصلہ کی طرف بلایا۔ اور طریق فیصلہ یوں تجویز فرمایا۔

''سو سب تمام دنیا کو خوشخبری دیتا ہوں کہ یہ زندہ خدا اسلام کا خدا ہے ۔ اس اشتہار دینے کی اصل غرض یہی ہے کہ جس مذاہب میں سچائی ہے وہ کبھی اپنا رنگ نہیں بدل سکتی ۔ جیسے اول ہے ویسے ہی آخر ہے ۔سچا مذہب کبھی خشک قصہ نہیں ہو سکتا ۔ سو اسلام سچا ہے ۔ میں ہر ایک کو کیا عیسائی کیا آریہ اور کیا یہودی اور کیا برہمو اس سچائی کے دکھلانے کے لئے بلاتا ہوں ۔ کیا کوئی ہے

جو زندہ خدا کا طالب ہے ہم مردوں کی پرستش نہیں کرتے ۔ ہمارا خدا زندہ خدا ہے ۔ وہ ہماری مدد کرتا ہے وہ اپنے الہام اور کلام اور آسمانی نشانوں سے ہمیں مدد دیتا ہے اگر دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک کوئی عیسائی طالب حق ہے تو ہمارے زندہ خدا اور اپنے مردہ خدا کا مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس باہم امتحان کے لئے چالیس دن باقی ہیں۔''

مرزا صاحب کے قلم سے جو بھی الفاظ نکلتے ہیں جو بھی سطور لکھی جاتی ہیں جو بھی صفحات الفاظ کا جامہ پہن کر سامنے آتے ہیں جو بھی کتب منصۂ شہود پر آتی ہیں۔ ان سے مرزا صاحب کی خدا۔ اسلام اور رسول کریم ﷺ کی ذات سے ایک گہری وابستگی ظاہر ہوتی ہے ۔ ان کی دلی تڑپ ہوتی ہے کہ اسلام کی برتری اور فوقیت تمام مذاہب پر ظاہر کروں ۔ اگر وہ کوئی پیشگوئی کرتے ہیں تو اس سے بھی آپ کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے ۔ اسلام کی پیروی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہمکلام ہوتا ہے اسلام ہی وہ درخت ہے جو ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اس کے بالمقابل تمام مذاہب مردہ ہیں۔

سراج منیر:۔

مرزا صاحب ایک عرصہ سے سراج منیر کی اشاعت کا اعلان فرمارہے تھے لیکن دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس کو لکھ نہ پائے ۔ چنانچہ مئی 1897ء میں شائع کی ۔اس تصنیف میں آپ نے بعض ان پیشگوئیوں کو درج کیا ہے جو قبل از وقت اللہ تعالیٰ سے الہام پاک شائع کی گئی تھیں ۔ اور اس میں آتھم اور لیکھرام سے متعلقہ پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے آپ نے اس کتاب کے آخر میں وہ خط و کتابت بھی درج فرمائی ۔ جو آپ کے اور حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کے مابین ہوئی ۔ اور حضرت خواجہ صاحب نے مرزا صاحب سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کیا ہے۔

اس کتاب کا پورا نام سراج منیر مشتمل بر نشانہائے قدیر'' رکھا۔

استفتاء 12 مئی 1897ء:۔

اس رسالہ میں لیکھرام سے متعلقہ پیشگوئی پر بحث کی گئی ہے ۔اہل الرائے اور صاحب علم اشخاص سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ الہامات پڑھ کر یہ شہادت دیں کہ جو پیشگوئی لیکھرام کی وفات کے بارہ میں کی گئی ہے وہ واقعی پوری ہوئی یا کہ نہیں۔

اس پیشگوئی کو جو لیکھرام کے بارے میں تھی مرزا صاحب نے دوبارہ آئینہ کمالات

اسلام میں شائع کی۔ پہلے رسول کریم ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ ہے جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

عجب نوریست در جان محمد	عجب لعلیست در کان محمد

اس قصیدہ کے آخر کے اشعار یہ ہیں جن سے رسول کریم ﷺ سے مرزا صاحب کا عشق ظاہر ہوتا ہے۔

چہ ہیبت ہابداند ایں جواں را	کہ ناید کس بمیدان محمد
الا اے دشمن نادان و بے راہ	بترس از تیغ بُرّان محمد
رہ مولی کہ گم کردند مردم	بجو در آل و اعوان محمد
الا اے منکر از شان محمد	ہم از نور نمایان محمد
کرامت گرچہ بے نام ونشان است	بیا بنگر زغلمان محمد

حجتہ اللہ 26 مئی 1897ء:۔

مرزا صاحب نے کئی کتب عربی زبان میں لکھ کر شائع کیں۔ لیکن مولوی حضرات نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ یہ تو ایک منشی ہے۔ عربی سے قطعاً نابلد ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے 17 مارچ 1897ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ اعلان کیا کہ میں ایک رسالہ عربی میں لکھتا ہوں جتنے دن میں میں یہ رسالہ لکھ کر شائع کروں اتنی ہی معیاد کے اندر تم بھی بالمقابل عربی میں اس کا جواب لکھ کر شائع کر دیں۔ چنانچہ آپ نے عربی رسالہ جس کا نام حجتہ اللہ ہے اکتالیس دن میں لکھ کر 26 مئی 1897ء کو شائع فرمایا۔

تمام علماء کو جن میں مولوی عبدالحق غزنوی اور شیخ نجفی خاص طور پر مخاطب تھے چیلنج دیا کہ وہ بھی اکتالیس دن میں اس سے بڑھ کر کوئی ایک رسالہ عربی میں لکھ کر شائع کریں۔

مرزا صاحب نے فیصلے کا یہ طریق بیان کیا۔

''اور پروفیسر عربی عبداللہ صاحب یا کوئی اور پروفیسر جسے مخالف تجویز کریں ایسی قسم کھا کر جو موکد بعذاب الٰہی ہو۔ جلسہ عام میں کہہ دیں کہ یہ مضمون تمام مراتب بلاغت و فصاحت کے رو سے مضمون پیش کردہ سے بڑھ کر یا برابر ہے اور پھر قسم کھانے والا میری دعا کے بعد اکتالیس دن تک عذاب الٰہی میں ماخوذ نہ ہو۔ تو میں اپنی کتابیں جلا کر جو میرے قبضہ میں ہوں گی ان کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔ اور اس طریق سے روز کا یہ جھگڑا طے ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد جو شخص مقابلہ پر

نہ آیا تو پبلک کو سمجھنا چاہیے۔ کہ وہ جھوٹا ہے۔''

تحفہ قیصریہ 25 مئی 1897ء:۔

ماہ جون 1897ء میں ملکہ وکٹوریہ کی ڈائمنڈ جوبلی کی تقریب منائی جا رہی تھی آپ نے اس موقع کی نزاکت کو سامنے رکھ کر کتاب تحفہ قیصریہ شائع کی۔ اس سلور جوبلی کی تقریب پر مبارک باد کے علاوہ نہایت لطیف پیرانہ میں ملکہ صاحبہ کو دعوت اسلام دی۔ عیسائیوں کے باطل عقائد کی نشان دہی کی۔

سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب:۔

مسٹر سراج الدین صاحب پروفیسر ایف سی کالج لاہور پہلے تو مسلمان تھے پھر پادریوں کے دام تزویر میں آ کر عیسائیت قبول کر لی۔ وہ 1897ء میں قادیان میں آئے چند روز مرزا صاحب کی صحبت میں رہے تو عیسائیت اور اسلام کے مختلف مسائل کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ مرزا صاحب کے دلائل سن کر اسلام کی فضیلت کے قائل ہو گئے۔ نماز پڑھنا شروع کر دی۔ لیکن جب وہ لاہور واپس گئے تو دوبارہ پادریوں کے جال میں پھنس گئے تو مرزا صاحب کی خدمت میں چار سوالات بغرض جواب رسال کر دیئے۔ مرزا صاحب نے ان چار سوالوں کے جوابات اس کتاب میں دیئے ہیں۔

عیسائی مبلغین کی تعالیاں اور مرزا صاحب کا جواب:۔

1897ء کا سال ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا اس سن میں عیسائیت اپنے کمال عروج پر تھی۔ اکناف عالم سے عیسائی مشنریوں اور عمائد کی یہی آواز بلند ہو رہی تھی۔ کہ عیسائیت کا غلبہ ہوا جاتا ہے چنانچہ امریکہ سے ڈاکٹر جان ہنری بیروز نے 1896ء۔ 1897ء میں ہندوستان کے مختلف مقامات پر تقاریر کیں۔ جو کرسچن سوسائٹی فار انڈین مدراس نے 1897ء میں کتابی شکل میں شائع کئے۔ ایک تقریر میں ڈاکٹر مذکور نے عیسائیت کے غلبہ کا ذکر کرتے ہوئے فخریہ انداز میں اعلان کیا۔

''آسمانی بادشاہت پورے کرۂ ارض پر محیط ہوتی جا رہی ہے۔ آج دنیا بھر میں اخلاقی اور فوجی طاقت، علم و فضل، صنعت و حرفت اور تمام تر تجارت ان اقوام کے ہاتھ میں ہے۔ جو آسمانی ابوت اور انسانی اخوت کی مسیحی تعلیم پر ایمان رکھتے ہوئے یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کرتی

ہے۔(بیروز لیکچرز ص 19)

آگے چل کر پادری صاحب نے ایک برطانوی مصنف کے حوالہ سے عیسائیت کے غلبے کا نقشہ تعلّی آمیز الفاظ میں کھینچتے ہوئے کہا۔

''دنیائے عیسائیت کا عروج آج اس درجہ زندہ حقیقت کی صورت اختیار کر چکا ہے کہ یہ درجہ عروج اسے اس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ ذرا ہماری ملکہ عالیہ (ملکہ وکٹوریہ) کو دیکھو جو ایک ایسی سلطنت کی سربراہ ہے جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔ دیکھو وہ ناصرہ کے مصلوب کی خانقاہ پر کمال درجہ تابعداری سے احتراماً جھکتی اور خراج عقیدت پیش کرتی ہے یا پھر گاؤں کے گرجا میں جا کر نظر دوڑاؤ اور دیکھو وہ سپاہی وزیر (وزیر اعظم برطانیہ) جس کے ہاتھوں میں ایک عالمگیر سلطنت اور اس کی قسمت کی باگ دوڑ ہے جب یسوع مسیح کے نام پر دعا کرتا ہے تو کیسی عاجزی اور انکساری سے اپنا سر جھکاتا ہے۔''

پھر عیسائیت کے عالمی اثرات کے زیر عنوان اسلامی ممالک کے اندر عیسائیت کی عظیم الشان فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر بیروز نے یہ اعلان کیا۔

''اب میں اسلامی ممالک میں عیسائیت کی روز افزوں ترقی کا ذکر کرتا ہوں۔ اس ترقی کے نتیجہ میں صلیب کی چمکار آج ایک طرف بسنان پر ضوء افگن ہے تو دوسری طرف فارس کے پہاڑوں کی چوٹیوں اور باسفورس کا پانی اس کی چمکار سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ یہ صورت حال پیش خیمہ ہے اس آنے والے انقلاب کا۔ کہ جب قاہرہ۔ دمشق۔ اور ایران کے شہر خداوند یسوع مسیح کے خدام سے آباد نظر آئیں گے۔ حتی کہ صلیب کی چمکار صحرائے عرب کے سکوت کو چیرتی ہوئی وہاں بھی پہنچ جائے گی۔ اس وقت خداوند یسوع اپنے شاگردوں کے ذریعہ مکہ کے شہر اور خاص کعبہ کے حرم میں داخل ہو گا۔ اور بالاخر وہاں اس حق و صداقت کی منادی کی جائے گی کہ ابدی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ کو خدائے واحد اور یسوع مسیح کو جانیں جسے تو بھیجتا ہے۔ (بیروز لیکچر صفحہ 42)

اسی سال (1897ء) میں ایک اسلام کا بطل جلیل، کاسر صلیب، مناظر اعظم مجدد صدی چاردہم نے اپنی کتاب سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب میں عیسائیوں کے متعلق فرمایا:

''لیکن روحانی آرام جو خدا کے وصال سے ملتا ہے اس کے بارے میں تو میں خدا کی دہائی دے کر کہتا ہوں کہ یہ قوم اس سے بالکل بے نصیب ہے ان کی آنکھوں پر پردے اور ان کے دل مردہ اور تاریکی میں پڑے ہوتے ہیں یہ لوگ سچے خدا سے بالکل غافل ہیں ایک عاجز انسان کو

جو ہستی ازل کے آگے کچھ نہیں ناحق خدا بنا رکھا ہے۔ ان میں برکات نہیں ان میں دل کی روشنی نہیں ان کو سچے خدا کی محبت نہیں بلکہ اس سچے خدا کی معرفت بھی نہیں۔ ان میں کوئی بھی نہیں ہاں ایک بھی نہیں۔ جس میں ایمان کی نشانیاں پائی جاتی ہوں۔ اگر ایمان کی برکت ہے تو بے شک اس کی نشانیاں ہونی چاہیے۔ مگر کہاں سے کوئی ایسا عیسائی جس میں یسوع کی بیان کردہ نشانیاں پائی جاتی ہوں۔ پس یا تو انجیل جھوٹی ہے اور یا عیسائی جھوٹے ہیں۔ دیکھو قرآن نے جو نشانیاں ایمان داروں کی بیان فرمائیں وہ ہر زمانہ میں پائی گئی ہیں۔ قرآن فرماتا ہے کہ ایمان دار کو الہام ملتا ہے۔ ایمان دار خدا کی آواز سنتا ہے۔ ایمان دار کی دعائیں سب سے زیادہ قبول ہوتی ہیں ایمان دار پر غیب کی خبریں ظاہر کی جاتی ہیں۔ ایمان دار کے شامل حال تائیدیں ہوتی ہیں۔ سو جیسا کہ پہلے زمانوں میں یہ نشانیاں پائی جاتی تھیں اب بھی بدستور پائی جاتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک خدا کا پاک کلام ہے۔ اور قرآن کے وعدے خدا کے وعدے ہیں۔ اٹھو عیسائیو! اگر کچھ طاقت ہے تو مجھ سے مقابلہ کرو اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے بے شک ذبح کر دو ورنہ آپ لوگ خدا! کے الزام کے نیچے ہیں اور جہنم کی آگ پر آپ لوگوں کا قدم ہے والسلام علی من اتبع الھدی''

یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے اس سیاسی ضعف کے دور میں عیسائی مشنیری آریہ سماج، اور دیگر تحریکیں اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اسلام اور بانی اسلام اور مقدس کتاب قرآن پر رکیک اعتراضات کئے جا رہے تھے۔ اس ضعف کے دور میں ایک گمنام بستی قادیان سے ایک گونج اٹھتی ہے جو تمام مذاہب باطلہ کو للکارتی ہے۔ اور بیانگ دہل کہتی ہے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے قرآن ہی بابرکت آسمانی کتاب ہے۔ اور محمد مصطفے ﷺ ہی ایک زندہ رسول ہے۔ انہی کی پیروی سے قوموں میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ للکار کر کہتا ہے۔ اگر اسلام کی سچائی چاہتے ہو تو میرے ساتھ ہر رنگ میں مقابلہ کر لو۔ دلائل سے ثابت کروں گا کہ اسلام ایک سچا دین ہے۔ آسمانی نشانات سے ظاہر کروں گا اس زمین پر اگر کوئی زندہ مذہب ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ اور تعلّی مارنے والے عیسائیو! میرا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔

یہ ہے عشق مرزا صاحب کا اسلام سے، قرآن سے، اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات برکات سے اگر یہ شخص کافر ہے تو پھر سچا مسلمان کون ہو گا؟

''پنجاب اور ہندوستان کے مشائخ اور صلحاء اور اہل اللہ باصفا سے حضرت عزت اللہ جل شانہ کی قسم دے کر ایک درخواست''۔

فیصلہ کا ایک آسان طریق :-

مرزا صاحب دو محاذوں پر جنگ لڑ رہے تھے ۔ اپنوں سے بھی اور بیگانوں سے بھی ۔ اپنے آپ پر تکفیر بازی کے تیر چلا رہے تھے ۔ جب کہ بیگانے اسلام، قرآن اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر رکیک اعتراضات کر رہے تھے ۔ بیگانوں کے اعتراضات کے جوابات پر مسلسل لٹریچر پیدا کیا جا رہا تھا ۔ ان کے ہر اعتراض کو معقولی اور منقولی رنگ سے باطل کیا جا رہا تھا ۔ اس حالت میں مرزا صاحب نے اپنوں (مسلمانوں) سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے ایک آسان طریق اختیار کیا کہ وہ یہ کہ پنجاب اور ہندوستان کے صلحاء خدا سے ابتہال اور تضرع سے دعا کریں کہ آیا مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہے یا جھوٹا ۔ دعا کے نتیجہ میں جو بھی اللہ تعالیٰ کسی صالح کو اطلاع دے اس کو حلفاً شائع کرے ۔ اگر کثرت خدا کی اطلاعات کی اس طرف نکلے کہ گویا مرزا صاحب کذاب ہیں مفتری ہیں تو بے شک وہ آپ کو مفتری سمجھیں ۔ اگر کثرت خدا کی اطلاعات کی سچے ہونے پر ہو تو تکفیر سے باز آ جائیں ۔ یہ ایک بڑا آسان طریقہ ہے ۔ آپ فرماتے ہیں ۔

"لہذا اب مجھے اتمام حجت کے لئے ایک اور تجویز خیال میں آئی ۔ اور امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے ۔ اور یہ تفرقہ جس نے ہزار ہا مسلمانوں میں سخت عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے ۔ رو بہ اصلاح ہو جائے ۔" وہ یہ ہے کہ پنجاب اور ہندوستان کے تمام مشائخ اور فقراء اور صلحاء اور مردان باصفا کی خدمت میں اللہ جل شانہ کی قسم دے کر التجا کی جائے ۔ کہ وہ میرے بارے میں اور میرے دعوے کے بارے میں دعا اور تضرع اور استخارہ سے جناب الٰہی میں توجہ کریں پھر اگر ان کے الہامات اور کشوف اور رویاء صادقہ سے جو حلفاً شائع کریں ۔ کثرت اس طرف نکلے کہ گویا عاجز کذاب اور مفتری ہے ۔ تو بے شک تمام لوگ مجھے مردود اور مخذول اور ملعون اور مفتری اور کذاب خیال کریں ۔ اور جس قدر چاہیں لعنتیں بھیجیں ۔ ان کو کچھ بھی گناہ نہیں ہوگا ۔ اور اس صورت میں ہر ایک ایمان دار کو لازم و ملزوم ہوگا کہ مجھ سے پرہیز کرے ۔ اس تجویز سے بہت آسانی کے ساتھ مجھ پر اور میری جماعت پر وبال آ جائے گا ۔ لیکن اگر کشوف اور الہامات اور رویاء صادقہ کی کثرت اس طرف ہو کہ یہ عاجز من جانب اللہ اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو پھر ایک خدا ترس پر لازم و ملزوم ہوگا کہ میری پیروی کرے اور تکفیر اور تکذیب سے باز رہے ۔"

کتنا اپنی صداقت پر محکم یقین ہے یقیناً یہ محکم یقین ان لوگوں کو ہی ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے آتے ہی ۔ لیکن افسوس اس وقت کے علماء نے اس آسان تجویز کو بھی پس پشت ڈال دیا ۔

کتاب البریہ 1898ء :-

مرزا صاحب کے خلاف ڈاکٹر پادری ہنری مارٹن کلارک نے دیگر پادریوں کی سازش سے مقدمہ اقدام قتل کیا تھا ۔ اس مقدمہ میں بریت کے بعد "کتاب البریہ" لکھی ۔ اس کتاب میں آپ نے علاوہ روداد مقدمہ مذکورہ کے عیسائی عقائد کی نہایت لطیف انداز میں تردید کی ۔ دوران مقدمہ عیسائیوں نے آپ پر الزام لگایا کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں اپنی کتابوں میں سخت الفاظ استعمال کئے ہیں ۔ اور عیسائیوں کے خلاف اشتعال انگیز اور نفرت آمیز سخت کلامی پر مشتمل تحریریں لکھی ہیں ۔ اس الزام کی تردید کرتے ہوئے آپ نے بطور نمونہ پادریوں کی ان بے ادبیوں گالیوں اور توہین آمیز کلمات کا بھی ذکر کیا ہے ۔ جو ان کی کتب میں رسول کریم ﷺ کی شان میں لکھے تھے ۔

البلاغ یا فریاد درد 1897ء :-

1897ء میں ایک عیسائی احمد شاہ نے ایک نہایت ہی گندی اور دل آزار کتاب "امہات المومنین" شائع کی ۔ اور اس کا ایک ہزار نسخہ بذریعہ ڈاک ہندوستان کے علماء اور معززین اسلام کو مفت بھیجا گیا ۔ تا کہ ان میں سے کوئی اس کا جواب لکھے ۔ مسلمانوں نے اس کتاب کی ضبطی کے لئے گورنمنٹ کو میموریل بھیجے ۔ لیکن مرزا صاحب نے اس کتاب کا مدلل مسکت جواب اپنی کتاب البلاغ (فریاد درد) میں دیا ۔ اور مسلمانوں سے کہا ۔ کتاب کا جواب دینا چاہیے ۔ کیونکہ یہ کتاب اپنے بد اثرات اپنے چھوڑ گئی ہے ۔ اس کا علاج کتاب کی ضبطی نہیں ۔ مزید براں اس کتاب میں مناظر یا مخالفوں کے رد میں تالیفات کرنے والے کے لئے دس شرائط کا ہونا لازمی قرار دیا ہے ۔

1۔ علم عربی میں ایسا راسخ ہو کہ اگر مخالف کے ساتھ کسی لفظی بحث کا اتفاق پڑ جائے تو اپنی لغت دانی کی قوت سے اس کو شرمندہ نہ ہونا پڑے ۔

2۔ مناظر صرف چند حدیث فقہ اور تفسیر سے واقف نہ ہو ۔ بلکہ تحقیق اور تدقیق اور لطائف اور نکات اور براہین یقینیہ پیدا کرنے کا خداداد مادہ بھی اس میں موجود ہونا چاہیے ۔

3۔ علوم طبعی اور طبابت اور ہیئت اور جغرافیہ میں دسترس رکھتا ہو ۔ کیونکہ قدرت کے نظائر پیش کرنے کے لئے یا اور بعض تائیدی ثبوتوں کے وقت ان علوم کی واقفیت ہونا ضروری ہے ۔

4۔ عبرانی زبان میں دسترس رکھتا ہو ۔

5۔ مناظر اتنا متقی ہو اور محبت الٰہیہ میں غرق ہو ۔ اللہ تعالیٰ خود اس کو باریک اور دقیق

مضامین کی تفہیم کرے۔

6- علم وتاریخ سے واقف ہو۔

7- علم منطق اور علم مناظرہ سے واقف ہو۔ کیونکہ ان دونوں علموں کے توغل سے ذہن تیز ہوتا ہے۔

8- تحریری یا تقریری مباحثات کے لئے اس کے پاس کثیر التعداد کتابوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔

9- تقریر یا تالیف کے لئے صرف اپنی زندگی دینی خدمات کے لئے اس نے وقف کی ہوئی ہو۔

10- تقریر یا تالیف کے لئے اعجازی طاقت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر نشانات دکھاتا ہو۔ کیونکہ مذہب کی صداقت کے لئے آسمانی نشانوں کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ (تلخیص صفحہ 370 تا 375 روحانی خزائین جلد 13)

ضرورۃ الامام 1897ء:۔

یہ رسالہ مرزا صاحب نے ماہ ستمبر 1897ء میں تالیف فرمایا اور صرف ڈیڑھ دن میں لکھا۔ مرزا صاحب نے اس کتاب میں امام کے لئے چھ باتوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

1- قوت اخلاق کا مالک ہو۔ اس میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا صروری ہے۔

2- اس میں قوت امامت پائی جاتی ہو یعنی نیک باتوں اور نیک اعمال اور تمام الٰہی معارف اور محبت الٰہی میں آگے بڑھنے کا شوق ہو۔

3- تیسری قوت بسطت فی العلم ہے جو امامت کے لئے ضروری ہے اور اس کا خاصہ لازمی ہے اس کے زمانہ میں کوئی دوسرا ایسا نہیں ہوتا۔ جو قرآنی معارف کے جاننے اور کمالات افاضہ اور اتمام حجت میں اس کا برابر ہو۔

4- اس میں ایسی قوت عزم ہو۔ خواہ مصائب اور آلام کے طوفان آ جائیں اس کے پائے استقلال میں ذرا بھر لغزش پیدا نہ کر سکیں۔

5- وہ قوت اقبال علی اللہ کا حامل ہو یعنی جب سخت دشمن سے مقابلہ آن پڑے تو وہ خدا کی طرف ایسا جھکتا ہے کہ ملاء اعلیٰ میں ایک شور پڑ جاتا ہے اللہ تعالیٰ دشمن کے مقابل پر اس کو آسمانی فتح دیتا ہے۔

6- وہ صاحب الہام و کشوف ہو۔ وہ بذریعہ الہامات خدا تعالیٰ سے معلوم اور حقائق اور معارف پاتا ہو۔

پھر آپ نے بڑے تحدی اور زور سے لکھا۔ یہ تمام علامات مجھ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں پھر آپ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چار نشانی دیئے ہیں۔

1- میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل کے طور پر عربی بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

2- میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

3- میں کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

4- میں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

تصنیف کی وجہ:۔

ایک مرید باصفا کی امامت کے بارے میں غلط فہمی دور کرنا مقصود تھی۔

نجم الہدیٰ 1898ء:۔

اس کتاب کی تاریخ اشاعت 20 نومبر 1898ء ہے۔ اس میں مرزا صاحب نے بیان کیا ہے۔ کہ ان کی دعوت کے قبول کرنے میں ان کی بھلائی کا پہلو مضمر ہے۔ اسی کتاب میں مرزا صاحب نے اسماء مبارکہ احمد اور محمد کی حقیقت نہایت دلکش انداز میں بیان فرمائی ہے۔ اور ایسے کمالات اور محاسن کا ذکر کیا ہے۔ جن سے رسول کریم ﷺ کا سب انبیاء علیہم السلام پر افضل ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

راز حقیقت 1898ء:

یہ رسالہ 30 نومبر 1898ء کو شائع ہوا اس رسالہ میں مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ السلام کے صحیح حالات زندگی کی درج فرماتے ہیں اور ان کے صلیب پر سے زندہ اتارے جانے اور سفر کشمیر اختیار کرنے اور سری نگر محلہ خان یار میں ان کی قبر کے موجود ہونے پر روشنی ڈالی ہے اور ان کی مزار کا نقشہ بھی دیا ہے۔

کشف الغطا 1898ء:۔

یہ رسالہ 27 دسمبر 1898ء کو شائع ہوا۔ مرزا صاحب نے ان غلط واقعات کا رد کیا ہے جو

ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی گورنمنٹ کو پہنچا رہے تھے۔ آپ نے یہ رسالہ اس غرض کے لئے لکھا تا کہ گورنمنٹ آپ کے اور آپ کی جماعت کے صحیح خیالات اور آپ کے مشن کے اصولوں سے واقف ہو جائے۔

ایام الصلح 1899ء:۔

اس کتاب میں مرزا صاحب نے اجابت دعا کا فلسفہ، تدبیر اور تقدیر کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ نیز سورۃ فاتحہ کی مختصر تفسیر بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی صفت رحیمیت سے ضرورت دعا اور اس کے ثمرات اور فیوض کے یقینی ہونے پر استدلال کیا ہے۔

حقیقت المہدی 1899ء:۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مہدی کے غلط تصور کی آڑ میں حکومت کو مرزا صاحب کے خلاف اور بدظن کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس نے بار ہا حکام کے پاس آپ پر یہ جھوٹا الزام لگایا کہ در پردہ یہ شخص باغی ہے۔ اور مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور گورنمنٹ کو ہرگز خیر خواہ نہیں۔ آپ نے اس کے غلط الزامات کا رد کیا ہے۔

مسیح ہندوستان میں:۔

یہ کتاب آپ نے اپریل 1899ء میں تصنیف کی۔ اور اس کی عام اشاعت پہلی بار 20 نومبر 1908ء کو ہوئی۔ یہ مرزا صاحب کا تاریخی لحاظ سے بہت بڑا کارنامہ ہے۔ آپ نے تاریخی دلائل اور حقائق سے یہ ثابت کیا کہ مسیح علیہ السلام صلیب سے نجات پا کر سری نگر محلہ خانیار (کشمیر) میں مدفون ہیں۔ اس کتاب کے چار ابواب ہیں۔

باب اول۔ مسیح کے صلیبی موت سے بچنے پر انجیلی دلائل

باب دوم۔ ان شہادتوں کے بیان میں جو حضرت مسیح کے صلیبی موت سے بچ جانے کی نسبت قرآن اور حدیث سے ملتی ہیں۔

باب سوم۔ ان شہادتوں کے بیان میں جو طب کی کتابوں سے لی گئی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے زندہ اتر آئے۔ اور ان کے زخموں کے علاج کے لئے ان کے حواریوں نے یہ مرہم تیار کی جس کا نام "مرہم عیسیٰ" ہے۔

باب چہارم۔ ان شہادتوں کے بیان میں جو تاریخی کتب سے لی گئی ہیں جن میں حضرت

مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے بعد اپنے ملک سے نصیبین افغانستان اور ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے کا ذکر آتا ہے۔

ستارہ قیصریہ 1899ء:۔

اس میں انگریزی حکومت کی مذہبی رواداری اور مذہبی آزادی کا جو سب مذاہب کو اس نے یکساں طور پر دی ہوئی تھی۔ ذکر کرتے ہوئے صلیبی عقیدہ کی نہایت احسن پیرایہ میں تردید کی ہے۔

تریاق القلوب:۔

یہ کتاب 1899ء میں تصنیف کی گئی۔ اور 28 اکتوبر 1902ء کو چند آخری صفحات کا اضافہ کر کے شائع کر دی گئی۔ اس کتاب کی ابتداء میں وہ مشہور فارسی قصیدہ ہے جس میں آپ نے کامل مومن کی علامات بیان فرمائی ہیں۔ اس کے بعد زندہ نبی کا نشان خصوصی بیان فرمایا۔ پھر اپنے نشانات کا تذکرہ کیا۔ اسی کتاب میں بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ جو پہلے مرزا صاحب کا معتقد تھا بعد میں بیعت اخوت سے الگ ہو گیا تھا۔ اس کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا اور الہام شیطانی اور الہام ربانی کا فرق بیان کیا ہے۔

آپ نے ضمیمہ تریاق القلوب کے طور پر لیکھرام کی پیشگوئی کا ذکر کر کے اس میں چار ہزار مصدقین میں سے جنہوں نے اپنے دستخطوں سے اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی تصدیق کی تھی۔ 279 نام بطور نمونہ درج ہیں۔ (روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 172-191)

اسی کتاب میں آپ نے اپنی جماعت کا نام "مسلمان فرقہ احمدیہ" رسول کریم ﷺ کے جمالی نام احمد کی بنیاد پر رکھا۔ (روحانی خزائن صفحہ 526)

تحفہ غزنویہ:۔

مرزا صاحب نے تحفہ غزنویہ مولوی عبد الحق غزنوی کے ایک اشتہار کے جواب میں لکھا جس میں اس نے سخت زبان اور تمسخر سے کام لیا۔ مرزا صاحب اس اشتہار کے متعلق فرماتے ہیں یہ اشتہار دو رنگ کے حملوں پر مشتمل ہے۔ اول میاں عبد الحق نے بعض گذشتہ نشانوں اور پیشگوئیوں کو جو فی الواقع پوری ہو چکیں یا جو عنقریب پوری ہونے کی ہیں پیش کر کے عام لوگوں کو یہ دھوکہ دینا چاہا ہے کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ (خزائن روحانی صفحہ 534)

دوسرا حملہ میاں عبد الحق کا یہ ہے کہ وہ تجویز جو میں نے خدا تعالیٰ کے الہام سے بطور

حجت پیش کی تھی ۔ جس کو میں اس سے پہلے بذریعہ اشتہار شائع کر چکا تھا ۔ یعنی بیماریوں کو شفا کے ذریعہ سے استجابت دعا کا مقابلہ ۔ اس تجویز کو میاں عبدالحق منظور نہیں فرماتے ۔ اور یہ عذر کرتے ہیں کہ بھلا سارے مشائخ اور علماء ہندوستان و پنجاب کس طرح جمع ہوں اور ان کے اخراجات کا کون متکفل ہو ۔ (روحانی خزائن صفحہ 538 ۔ 539)

اس رسالہ میں ان دونوں قسم کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے ۔ اسی کتاب میں مولوی عبداللہ غزنوی کا رویا بروایت منشی محمد یعقوب تحریر کیا ہے ۔ کہ ''ایک نور آسمان سے اترا ہے اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے ۔'' (روحانی خزائن ۔ ص 546)

انہیں مقابلہ کے لئے دعوت دیتے ہوئے آپ نے فرمایا ۔

''اگر آپ فلما توفیتنی کے معنی بجز مارنے اور ہلاک کرنے کے کسی حدیث سے کچھ اور ثابت کر سکو یا کسی آیت یا حدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مع جسم عنصری آسمان پر چڑھنے یا مع جسم عنصری آسمان سے اترنا ثابت کر سکو ۔ یا اگر اخبار غیبیہ میں جو خدا تعالیٰ سے مجھ پر ظاہر ہوتی ہیں ۔ میرا مقابلہ کر سکو ۔ یا استجابت دعا میں میرا مقابلہ کر سکو ۔ یا تحریر عربی میں میرا مقابلہ کر سکو اور آسمانی نشانوں میں جو مجھے عطا ہوتے ہیں میرا مقابلہ کر سکو ۔ تو میں جھوٹا ہوں ۔ آپ لوگ ان سوالات کے وقت مردہ کی طرح ہو گئے ۔ یہی وجہ تو ہے کہ آپ لوگوں کو چھوڑ کر ہزارہا نیک مرد اور عالم فاضل اس جماعت میں داخل ہوتے جاتے ہیں (روحانی خزائن صفحہ 543)

خطبہ الہامیہ :۔

عید الاضحیٰ 11 اپریل 1900ء مطابق 1317ھ کے ایک دن قبل مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور آج میں خصوصیت سے عرض کرنے آیا ہوں کہ حضور عربی میں تقریر ضرور کریں خواہ چند فقرے ہی ہوں ۔ آپ نے فرمایا کہ ۔

''خدا نے بھی یہی حکم دیا ہے آج صبح کے وقت الہام ہوا ۔'' مجمع میں عربی میں تقریر کرو خواہ تمہیں قوت دی گئی میں کوئی اور مجمع سمجھتا تھا ۔ شاید یہی مجمع ہو ۔ نیز الہام ہوا ہے ۔ کلام افصحت من لدن رب کریم ۔ (الحکم 7 اپریل 1900ء) یعنی اس کلام میں خدا کی طرف سے فصاحت بخشی کی گئی ہے ۔ چنانچہ عید الاضحیٰ کے موقع پر الہام الٰہی کے تحت عربی میں خطبہ دیا اور مولوی نور الدین اور مولوی عبدالکریم کو اپنے قریب بٹھا لیا تا کہ وہ خطبہ نوٹ کرتے چلے جائیں ۔ اس خطبہ کا نام خطبہ الہامیہ رکھا گیا ۔

اس کتاب کے پہلے اڑتیس صفحے یا عباداللہ فکروا سے لے کر سوف ینبھم مثل خبیر تک اصل خطبہ کے ہیں ۔ اور باقی مضمون مرزا صاحب نے بعد میں تحریر فرمایا ۔

لجۃ النور 1900ء :۔

یہ کتاب مرزا صاحب نے اسلامی ممالک عرب فارس اور روم اور بلاد شام وغیرہ کے متقی اور صلحاء اور مشائخ کو تبلیغ کرنے کے لئے بصورت مکتوب لکھی ۔ اس کتاب کے محرک وہ رویاء اور الہام ہیں جن میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی تھی کہ مختلف صلحا اور اتقیاء آپ کی ''بیعت اخوت'' میں شامل ہوں گے ۔ اور آپ کے لئے دعائیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو برکت پر برکت دے گا ۔ یہاں تک کہ بادشاہ آپ کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے ۔

کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا ارادہ کئی باب لکھنے کا تھا ۔ (دیکھو صفحہ 6 لجۃ النور) مگر ایک ہی باب آپ نے لکھا اور پھر معلوم ہوتا ہے آپ کی توجہ دوسری کتاب کی طرف مبذول ہو گئی ۔ دیگر ابواب نہ لکھ پائے ۔

آپ نے اس رسالہ میں اپنے دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود پر شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے اور الہام ربانی نے مشرف ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔ اس کے بعد عالم اسلامی کی دینی اور دنیوی ابتر حالت کا نہایت المناک نقشہ کھینچا ہے ۔ مسلمانوں کے آپس کے اختلاف عقائد فاسدہ اور مسلمان علماء اور صوفیاء اور عامۃ المسلمین کی اخلاقی خرابیوں اور اسلام پر حملہ آور دشمنوں کے سامنے ان کی بے بسی کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے اور آخر میں پادریوں کے حملوں کا ذکر کر کے یہ خوشخبری دی ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر انہیں شکست دی ہے اور وہ میدان سے فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں فرمایا ۔ الیوم یئس الذین کفر کانوا یصلون علی الاسلام ۔ (صفحہ 139 لجۃ النور) آج وہ کافر لوگ جو اسلام پر حملہ کرتے تھے مایوس ہو گئے ہیں ۔

گورنمنٹ انگریزی اور جہاد 1900ء :۔

یہ رسالہ 22 مئی 1900ء کو شائع ہوا ۔ اس رسالہ میں مرزا صاحب نے حقیقت جہاد اور اس کی فلاسفی بیان فرمائی تھی ۔ قرآن و حدیث اور تاریخ سے جہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کی جنگیں دفاعی تھیں اسلام سلامتی کا مذہب ہے ۔

تحفہ گولڑویہ 1900ء :۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور اس کے مریدوں پر اتمام حجت کرنے کے لئے آپ ۔

نے یہ کتاب لکھی جس میں آپ نے اپنے دعوی کی صداقت پر زبردست دلائل دیئے ہیں اور نصوص قرآنیہ اور احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ آنے والا مسیح موعود اسی امت میں سے ہوگا اور اس کے ظہور کا یہی وقت ہے جس میں مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔

اس کتاب کی تالیف سے قبل پیر گولڑوی شریف صاحب نے اردو میں ''شمس الھدایہ فی اثبات حیاۃ المسیح'' نامی کتاب شائع کی (دراصل یہ کتاب ان کے کسی مرید نے لکھی تھی۔ جس کا انہوں نے اپنے ایک خط بنام مولوی نور الدین مورخہ 26 شوال 1317ھ مطابق 28 مارچ 1900ء میں تذکرہ بھی کیا تھا۔) اس کا جواب مولوی محمد حسن صاحب امروہی نے شمس بازغہ کے نام سے شائع کیا۔ اس تصنیف سے قبل مرزا صاحب نے گولڑوی صاحب کو عربی زبان میں جلسہ عام میں 2 گھنٹے کے اندر تفسیر لکھنے کی دعوت دی۔ لیکن پیر صاحب اس مقابلہ سے فرار ہوگئے۔ اور جلسہ عام میں مباحثہ کی دعوت دی۔ جب کہ مرزا صاحب اس سے قبل یہ لکھ چکے تھے کہ اب وہ مناظرہ اور مباحثہ کسی سے نہیں کریں گے۔ کیونکہ مباحثہ سے دل سخت ہو جاتے ہیں ضد بڑھتی ہے۔ دلائل کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پیر صاحب کو علم تھا مرزا صاحب اپنے عہد سے پیچھے نہیں ہٹیں گے اور عہد کے مطابق کسی سے مباحثہ نہیں کریں گے۔

اربعین لاتمام الحجۃ علی المخالفین:۔

23 جولائی 1900ء کو آپ نے مخالفین پر اتمام حجت کے لئے چالیس اشتہار شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن صرف چار لکھ کر اپنے ارادہ کو تبدیل کر لیا۔ اور دوسرے دینی مشاغل میں مصروف ہو گئے اس وجہ سے وہ ارادہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

اعجاز المسیح:۔

مرزا صاحب تحفہ گولڑویہ کے لکھنے سے قبل پیر صاحب گولڑوی کو عربی میں تفسیر لکھنے کی دعوت دے چکے تھے۔ کہ جلسہ عام میں قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورۃ نکال کر بعد دعا چالیس آیات کے حقائق اور معارف فصیح و بلیغ عربی میں سات گھنٹے کے اندر فریقین لکھیں اور منصفین حلفاً اپنے فیصلہ کا اعلان کریں لیکن پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی مقابلہ تفسیر نویسی سے گریز کر گئے۔

اس کے بعد دسمبر 1900ء میں دوبارہ عربی زبان میں تفسیر لکھنے کی دعوت دے دی۔ آپ لکھتے ہیں۔

''ہم ان کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ بے شک اپنی مدد کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبد الجبار غزنوی اور محمد حسن بھیں وغیرہ کو بلالیں۔ بلکہ اختیار رکھتے ہیں کہ کچھ طمع دے کر دو چار عرب کے ادیب بھی طلب کر لیں۔ فریقین کی تفسیر چار جز سے کم نہ ہونی چاہیے۔ مگر معیاد مجوزہ تک یعنی 15 دسمبر 1900ء سے 25 فروری 1901ء تک جو ستر دن ہیں فریقین میں سے کوئی فریق چھاپ کر شائع نہ کرے اور یہ دن گذر جائیں تو وہ جھوٹا سمجھا جائے گا۔ اس کے کاذب ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت نہ رہے گی۔ (روحانی خزائن جلد ۱۷ ص ۴۸۴)۔

اس اعلان کے مطابق مرزا صاحب نے مدت مقررہ کے اندر 23 فروری 1901ء کو ''اعجاز المسیح'' نام سے حقائق اور معارف سے پُر فصیح و بلیغ عربی زبان میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر شائع کر دی مگر پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو اپنے گھر پر بیٹھ کر اور دیگر معاونین کے تعاون سے بالمقابل تفسیر لکھنے کی جرات نہ ہوئی۔ اور اپنے عجز اور شکست کا اعتراف کر لیا۔ مرزا صاحب نے اپنی تفسیر کے متعلق لکھا کہ اگر ان کے علماء اور حکماء اور فقہاء اور ان کے باپ اور بیٹے متفق اور ایک دوسرے معاون ہو کر اتنی قلیل مدت میں اس تفسیر کی مثل لانا چاہیں تو وہ ہرگز نہیں لاسکیں گے۔ (روحانی خزائن صفحہ 57 جلد 17) اور پھر فرمایا کہ:

''میں نے اس کتاب کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے علماء کے لئے معجزہ بنادے اور کوئی ادیب اس کی نظیر لانے پر قادر نہ ہو اور ان کو لکھنے کی توفیق نہ ملے۔ اور میری دعا یہ قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی اور کہا منعہ مانع من السماء کہ آسمان سے ہم اسے روک دیں گے اور میں سمجھا کہ اس میں اشارہ ہے کہ دشمن اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوں گے۔

(روحانی خزائن صفحہ 68 جلد 17)

ایک غلطی کا ازالہ: 1901ء۔

یہ رسالہ آپ نے اپنے ایک مرید کی غلطی کے ازالہ کے لئے لکھا۔ اس میں ظل اور بیروز کی حقیقت کو واضح کیا ہے اور آیت خاتم النبیین کی تفسیر نہایت عمدہ رنگ میں کی ہے۔

دافع البلاء و معیار اھل الاصطفا:۔

مارچ اور اپریل 1902ء میں پنجاب میں طاعون کا عذاب بیماری کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ ہر طرف موتا موتی تھی۔ لوگوں کو اس عذاب سے نجات دلانے کے لئے آپ نے دافع البلاء و معیار اھل الاصطفا لکھی۔ جس میں آپ نے طاعون کی بلا کو دفع کرنے کے دو قسم کے

علاج بیان کئے۔

1- ایک تو ظاہر علاج بتایا کہ وہ یہی تھا کہ لوگ گندگی سے پرہیز کریں۔ مکانوں نالیوں اور گھر کے ماحول کو صاف ستھرا رکھیں۔ سادہ غذا کھائیں کھلی ہوا میں رہیں۔ جب گاؤں میں طاعون سے چوہے مرنے لگیں تو مکان چھوڑ کر کھلے میدان میں جا ڈیرے لگائیں اور طاعون کا ٹیکہ لگائیں۔

2- دوسرا ایک حقیقی علاج بیان فرمایا کہ لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ شرارتوں اور فتنوں سے باز آجائیں خدا سے حقیقی صلح کرلیں اس کے آستانہ پر گر جائیں۔ اور ان کی روح آستانہ الوہیت پر پانی کی طرح بہہ نکلے۔ اور اس نازک وقت میں جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مامور کر کے بھیجا ہے اس کی طرف رجوع کریں۔ اس کی آواز پر لبیک کہیں اس کے انکار اور استھزا سے باز آجائیں۔

مرزا صاحب نے بتایا طاعون کے اسباب میں سے باطنی سبب لوگوں کی حق کی مخالفت اور استھزا مامور بھی ہے۔

اسی کتاب میں مرزا صاحب نے باواز بلند خدا سے الہام پا کر یہ دعوی کیا کہ قادیان کو اللہ تعالیٰ نے کسی قدر اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ یہاں موتا موتی کا وہ عالم نہیں ہوگا۔ جو پنجاب کے دوسرے شہروں میں ہوا۔ چنانچہ ایسا ہی ہو کہ اس وقت صرف قادیان ہی ایک ایسی بستی تھی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پناہ لے کر طاعون جیسی موذی بیماری سے محفوظ رکھے ہوا تھا۔ آپ کو الہام ہوا تھا انی احافظ کل من فی الدار الا الذین علوا باستکبار کہ بے شک میں حفاظت کروں گا ہر ایک کی جو اس گھر کے اندر ہے۔ سوائے اس کے جو سرکشی اور تکبر اختیار کرے۔

کیونکہ الہام میں لفظ الدار آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرزا صاحب کے گھر کی چار دیواری کے اندر ہر شخص طاعون کی وبا سے محفوظ رہے گا چنانچہ مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے بعض کو بمع اپنے خاندان کے گھر میں جگہ دے دی۔ ان میں سے حضرت مولانا محمد علی صاحب تھے۔ قادیان کے اردگرد طاعون پھیلی ہوئی تھی۔ اتفاق سے محمد مولوی محمد علی صاحب کو سخت بخار چڑھ گیا انہیں خیال ہوا کہ اگرچہ میں دار کے اندر ہوں مگر اس کے جو تکبرانہ سرکشی کرے سو کیا عجب ہے کہ مجھ میں کوئی کمزوری ہو اور اس کی وجہ سے میں طاعون میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ مولوی صاحب پر اس خیال نے یہاں تک غلبہ کیا کہ انہوں نے مفتی محمد صادق کو بلا کر وصیت لکھوانی شروع کر دی۔ مرزا صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو آپ اپنے باصفا مرید کے کمرے میں فوراً تشریف لائے اور حال

دریافت فرمایا مولوی صاحب نے فرمایا مجھے طاعون ہو گئی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے نہایت جذبہ کے ساتھ فرمایا کہ اگر" آپ کو طاعون ہو گئی ہے تو پھر میں جھوٹا ہوں اور میرا دعوی الہام غلط ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے مولوی کی نبض پر ہاتھ رکھا تو قدرت الٰہی کا عجب نمونہ ظاہر ہوا۔ ہاتھ لگانے کے ساتھ ہی ایسا بدن سرد ہو گیا کہ تپ کا نام ونشان ہی نہ تھا۔

اس استثناء کے مقابلہ میں مرزا صاحب سے اللہ تعالیٰ کا خاص وعدہ تھا۔ کہ آپ اس موذی بیماری کا شکار نہیں ہوں گے الہام ہے انی احافظک خاصہ کہ میں تیری حفاظت خاص طور پر کروں گا۔

الھدی والتبصرۃ لمن یری۔ 12 جون 1902:-

کتاب اعجاز المسیح جب طبع ہوئی چونکہ یہ کتاب عربی میں تھی۔ اس لئے مرزا صاحب نے یہ تصنیف ہندوستان سے باہر بلاد عرب اور شام اور مصر وغیرہ میں علماء اور ایڈیٹران اخبار کو بھیجی۔ مصر میں مشہور اخبار المنار، المناظر، اور ہلال تھے۔ جن میں ہلال عیسائی پرچہ تھا۔ اور باقی دونوں مسلمانوں کے اخبار تھے ہلال اور المناظر کے ایڈیٹروں نے کتاب کی زبان اور اس کی فصاحت و بلاغت کی بے حد تعریف کی۔ مگر ایڈیٹر المنار بگڑ گئے اور لکھا دیا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسی کتاب لکھ سکتے ہیں اور یہ کتاب اغلاط سے پُر ہے لیکن اغلاط کی نشان دہی نہ کی۔ المنار کے ایڈیٹر کے اس تذکرے کو ہندوستان میں بہت پسند کیا گیا۔ اخبارات میں شائع کیا گیا۔ اس خیال سے ایک عرب نے مرزا صاحب کی کتاب کو اغلاط سے پُر کہا ہے۔ لہذا لوگ اس بات کو تسلیم کرلیں گے۔ مرزا صاحب نے فوراً 18 نومبر 1901ء کو ایک اشتہار" المنار" کے عنوان سے شائع کیا۔ ایڈیٹر صاحب سے کہا۔ کہ اس نے کتاب کو اغلاط سے پُر لکھا ہے آپ ان اغلاط کی نشان دہی کریں۔ پھر آپ نے کیا کہ ہم ایک اور عربی زبان میں کتاب لکھنے لگے ہیں جس کے بالمقابل عربی میں رسالہ لکھنے کے لئے ہم ایڈیٹر المنار کو چیلنج دیتے ہیں۔ اس کا یہ کہنا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا لکھ سکتے ہیں یہ تو کفار کی تقلید ہے جو کہا کرتے تھے لو نشاء لقلنا مثل ھذا (اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں) اگر وہ بالمقابل ایسا لکھ سکتا ہے تو لکھتا کیوں نہیں۔ اس کے بعد آپ نے 13 جون 1902ء کو رسالہ الھدی شائع فرمایا۔ جو نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے اس کتاب میں آپ نے ایڈیٹر المنار سے باز پُرس کی اور وہ اپنے بیان میں سچا ہے تو وہ کتاب اعجاز المسیح کی غلطیوں کی نشان دہی کرے۔ آپ نے لکھا کہ اگر ایڈیٹر المنار کو یہ ناز ہے کہ وہ اہل زبان ہے تو وہ

کتاب الھدیٰ کا جواب ویسی ہی فصیح و بلیغ عربی میں لکھ دے۔لیکن ایڈیٹر المنار مقابلہ پر نہ آیا۔

نزول المسیح:۔

رسالہ دافع البلاء میں مرزا صاحب نے طاعون کو اپنی صداقت کا نشان قرار دیا تھا اور پیشگوئی کی تھی کہ قادیان طاعون جارف سے محفوظ مصئون رہے گی۔ اور مختلف اہل مذاہب کو چیلنج بھی کیا کہ وہ بھی کسی شہر کے طاعون سے محفوظ رہنے کے متعلق پیشگوئی کریں۔ دافع البلاء کی اشاعت پر پیسہ اخبار لاہور نے قادیان کی حفاظت سے متعلق پیشگوئی کو غلط ثابت کرنے کے لئے غلط اور خلاف واقع رپورٹیں شائع کیں۔اور حفاظت والی پیشگوئی کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ تب مرزا صاحب نے اس کی مفتریات کا جواب کتاب میں دیا ہے۔

کشتی نوح 1902ء:۔

کشتی نوح اکتوبر 1902ء کو شائع ہوئی۔اس کا دوسرا نام دعوۃ الایمان اور تیسرا تقویۃ الایمان ہے۔اور اس سے متعلق صفحہ ٹائٹل پر یہ بھی لکھا ہے۔رسالہ آسمانی ٹیکہ جو طاعون کے بارے میں جماعت کے لئے تیار کیا گیا ہے۔اور مندرجہ ذیل دو شعر بھی لکھے ہیں۔

جہاں را دل ازیں طاعون دونیم است
نہ ایں طاعوں کہ طوفان عظیم است
بیاشتاب سوئے کشتی ما
کہ ایں کشتی ازاں رب عظیم است

1902ء میں گورنمنٹ نے پنجاب میں طاعون کے ٹیکہ کے لئے بہت بڑا اہتمام کیا۔ انگلستان سے ڈاکٹروں کی خاص کھیپ آئی۔اور شہر شہر۔قصبہ قصبہ۔قریہ قریہ میں جا کر ٹیکے لگانے کا بندبست کیا گیا۔اس ٹیکہ سے ٹیکہ نہ لگانے والوں کی نسبت اموات کم ہوئیں۔مرزا صاحب نے بھی عوام سے اپیل کی کہ وہ ٹیکہ لگوائیں اور آپ نے کشتی نوح تصنیف فرمائی۔جیسا کہ صفحہ ٹائٹل پر جو عبارت ہے دوم جو دو اشعار ہیں۔کتاب کی تصنیف کی وجہ بیان کر دیتے ہیں۔مرزا صاحب نے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے اور توبہ و استغفار پر زور دیا ہے۔ مامور من اللہ کی شناخت اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ حقیقت میں یہی وہ آسمانی ٹیکہ ہے جو لوگوں کو طاعون سے نجات دلائے گا۔آپ لکھتے ہیں۔کہ ”خدا نے چاہا کہ اس زمانہ میں انسانوں کے لئے ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھا دے سو اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی

چار دیواری کے اندر ہو گا اور وہ جو کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائے گا وہ سب طاعون سے بچائیں جائیں۔“

اس کے بعد آپ نے اسلامی تعلیمات پیش کی ہے اور فرمایا۔اگر ہماری جماعت اس تعلیم پر عمل پیرا ہو تو دنیا میں ایک روحانی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

تحفۃ الندوہ:۔

یہ کتاب رسالہ ”قطع الوتین“ مصنفہ ابو اسحاق محمد دین کے جواب میں لکھی گئی تھی اس کتاب میں مرزا صاحب نے آیت لو تقول علینا۔۔۔۔۔پر مفصل بحث کی ہے۔

اعجازی احمدی:۔

منشی محمد یوسف اور محمد یعقوب دو بھائی تھے۔موضع مُدّ ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کی بیعت کی۔بیعت کرنے پر اہل دیہہ نے ان دونوں بھائیوں سے مقاطعہ کر دیا۔ گاؤں والوں کو انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی۔آخر فیصلہ یہ ہوا کہ اختلافی مسائل پر مناظرہ کر لیا جائے۔ انہوں نے قادیان میں حضرت اقدس کی خدمت میں آ کر اس فیصلہ کی اطلاع دی۔ حضور کو مناظروں سے نفرت تھی خاص طور پر تقریری مناظروں سے۔مگر اصرار پر مرزا صاحب نے مان لیا اور اپنی جماعت کی طرف سے مولوی سید محمد سرور صاحب کو مناظرہ کے بھیج دیا۔ دوسری طرف مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری تھے۔ 20 اکتوبر 1902ء کو مناظرہ ہوا۔موضوع حیات و ممات مسیح ناصری علیہ السلام اور نزول مسیح تھے۔مولوی صاحب نے موضوعات پر تو دلائل نہ دیئے مرزا صاحب کی ذات پر رکیک حملے کرنے شروع کر دیئے۔ مولوی سید محمد سرور صاحب نے قادیان آ کر مرزا صاحب کو مناظرہ کی روداد سنائی۔حضرت اقدس نے سارا واقعہ سن کر مولوی ثناء اللہ کی تین باتیں قابل جواب سمجھیں۔

اول۔ بقول مولوی ثناء اللہ صاحب، حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی تمام پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں

دوم۔ مولوی ثناء اللہ صاحب مقابلہ کے لئے تیار ہیں۔

سوم۔ جب مولوی سید محمد سرور شاہ نے اعجاز المسیح کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر تم سچے تھے تو تم نے کیوں اعجاز المسیح کا جواب نہ لکھا تو مولوی ثناء اللہ صاحب نے کہا تھا اگر میں چاہوں تو بڑی آسانی سے لکھ سکتا ہوں۔

مذکورہ تینوں باتوں کے جواب کے لئے مرزا صاحب نے ایک کتاب اعجازی احمدی

کی۔ جسے 8 نومبر 1902ء کو شروع کیا اور 12 نومبر 1902ء تک ختم کر دیا۔ آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو کتاب ''اعجاز احمدی'' میں مخاطب ہو کر کہا۔ کہ وہ قادیان آئیں۔ یہاں کے اخراجات کے ہم کفیل ہیں۔ تحقیق سے بتائیں؟ کون سے پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ میں مرزا صاحب سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں تو حضرت اقدس نے اس کا جواب دیا کہ پس اگر مولوی ثناء اللہ صاحب ایسے چیلنج کے لئے مستعد ہوں تو صرف تحریری خط کافی نہ ہوگا بلکہ ان کو چاہیے کہ ایک چھپا ہوا اشتہار اس مضمون کا شائع کریں کہ اس شخص کو (اس جگہ میرا نام تصریح لکھیں) میں کذاب اور دجال اور کافر سمجھتا ہوں۔ اور جو کچھ یہ شخص مسیح موعود ہونے اور صاحب الہام اور موحی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس دعوی کا میں جھوٹا ہونا یقین رکھتا ہوں اور اے خدا میں تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ اگر یہ میرا عقیدہ صحیح نہیں اور اگر یہ شخص فی الواقع مسیح موعود ہے اور فی الواقع عیسی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو اس شخص کی موت سے پہلے موت دے اور اگر میں اس عقیدہ میں صادق ہوں اور یہ شخص درحقیقت دجال بے ایمان کافر مرتد ہے اور حضرت مسیح آسمان پر زندہ موجود ہیں جو کسی نامعلوم وقت میں پھر آئیں گے تو اس شخص کو ہلاک کر تا فتنہ اور تفرقہ دور ہو اور اسلام کو ایک دجال اور مغوی اور مضل سے ضرر نہ پہنچے آمین ثم آمین --------اور پھر ایسے ایسے اشتہار مباہلہ پر کم سے کم پچاس معزز ادیبوں کے دستخط ثبت ہونے چاہئیں۔ اور کم سے کم اس مضمون کے سات سو اشتہار ملک میں شائع ہونا چاہئے۔ اور بیس اشتہار بذریعہ رجسٹری مجھے بھی بھیج دیں مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں انہیں مباہلہ کے لئے چیلنج کروں یا ان کے بمقابل مباہلہ کروں۔ ان کا اپنا مباہلہ جس کے لئے انہوں نے مستعدی ظاہر کی ہے۔ میری صداقت کے لئے کافی ہے۔ تیسری بات کے جواب میں حضرت اقدس نے اس کے جواب میں ایک مضمون اردو اور ایک قصیدہ عربی معہ ترجمہ اردو اعجاز احمدی کے نام سے شائع فرمایا تو مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ کو بلکہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی۔ مولوی اصغر علی صاحب۔ عربی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور مولوی علی حائری صاحب شیعہ مجتہد۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور قاضی ظفر الدین صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور کو بھی چیلنج کیا اگر وہ اردو مضمون کے جواب میں اردو اور عربی قصیدہ کے جواب میں عربی قصیدہ معہ ترجمہ مدت معینہ کے اندر شائع کر دیں تو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ انہیں بذریعہ عدالت بھی اس انعام کے حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے اعجاز احمدی)

نومبر 1902ء میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور عبداللہ صاحب چکڑالوی کے مابین حجیت حدیث پر مباحثہ ہوا۔ چکڑالوی صاحب حجیت حدیث کے منکر تھے جب کہ بٹالوی صاحب حدیث کو قرآن پر قاضی ٹھہراتے تھے۔ گویا چکڑالوی صاحب اور بٹالوی صاحب نے افراط اور تفریط کا راستہ اختیار کیا اس اہم موضوع پر مرزا صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کے تین چیزیں

1۔ قرآن شریف جو کتاب الہیہ ہے۔

2۔ سنت اور سنت سے مراد ہماری صرف آنحضرت ﷺ کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتداء سے قرآن شریف کے ساتھ ظاہر ہوئی۔

3۔ تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے یعنی وہ آثار جو قصوں کے رنگ میں آنحضرت ﷺ سے قریباً ڈیڑھ سو برس کے بعد مختلف راویوں کے ذریعہ سے جمع کئے گئے۔ ---پس مذہب اسلام یہی ہے کہ نہ تو اس زمانہ کے اہل حدیث کی طرح حدیثوں کی نسبت اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن پر وہ مقدم ہیں۔ ---اور نہ حدیثوں کو مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی کے عقیدہ کی طرح محض لغو اور باطل ٹھہرایا جائے۔ کہ چاہیے کہ قرآن۔ کو حدیثوں پر قاضی سمجھا جائے اور جو حدیث قرآن سنت کے مخالف نہ ہو۔ اس کو بسرو چشم قبول کیا جائے یہی صراط مستقیم ہے۔ (روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 211-212)

مواہب الرحمان:۔

ایک مصری جریدہ اللواء کے ایڈیٹر کمال پاشا نے مرزا صاحب کے اس اشتہار پر اعتراض کیا کہ جس میں آپ نے یہ دعوی کیا تھا مجھے اور میرے الدار میں رہنے والوں کو ٹیکہ لگوانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایڈیٹر صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ نے ٹیکا کی ممانعت کر کے ترک اسباب کیا ہے۔ اور قرآن مجید کے خلاف ہے قرآن مجید میں آتا ہے لا تلقوا بایدیکم الی التهلکه۔ اور توکل کے بھی خلاف ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں مرزا صاحب نے عربی زبان میں ''مواہب الرحمن'' کے نام سے کتاب شائع کی۔

نسیم دعوت 28 فروری 1903ء:۔

قادیان کے آریوں نے 7 فروری 1903ء کو مرزا صاحب کے خلاف ایک نہایت گندہ اشتہار نکالا۔ جس کا عنوان تھا ''قادیانی پوپ کے چیلوں کی ایک ڈینگ کا جواب'' اس اشتہار میں ۔

مرزا صاحب اور جماعت کے معززین کے خلاف بہت گند بکا گیا آپ نے اس کا جواب دیا ہے۔ اس کتاب کا نام نسیم دعوت ہے۔

سناتن دھرم کی تصنیف کی وجہ 1903ء:۔

یکم مارچ 1903ء کو آریہ سماج کے جلسہ میں جب کتاب نسیم دعوت پہنچی تو پنڈت رام بھجدت صاحب پریذیڈنٹ آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب نے نسیم دعوت میں مسئلہ نیوک کے متعلق پڑھ کر اپنی تقریر میں حضرت مرزا صاحب کا ذکر کر کے کہا کہ

''اگر وہ مجھ سے اس بارے میں گفتگو کرتے تو جو کچھ نیوگ کرانے کے فائدے ہیں میں سب ان کے پاس بیان کرتا۔'' (روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 467)

حضرت مرزا صاحب نے نیوگ کے بارے میں ایک ذمہ دار رہنما آریہ سماجی کی یہ رائے سن کر 8 مارچ 1903ء کو یہ مختصر رسالہ ''سناتن دھوم'' شائع فرمایا اور مسئلہ نیوگ کی گندگی کو واضح کر کے دکھلایا۔ اور ساتھ ہی سناتن دھرمیوں کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی۔

''اور اس جگہ مجھے محض سچائی کی حمایت سے جو میرا فرض ہے اس قدر اور کہنا پڑا ہے کہ سناتن دھرم والے ان کی چند باتوں کو الگ کر کے آریہ سماجیوں سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ وہ اپنے پرمیشر کی اس طرح بے حرمتی نہیں کرتے کہ ہم انادی اور غیر مخلوق ہونے کی وجہ سے اس کے برابر ہیں۔ وہ نیوگ کے قابل شرم مسئلہ کو نہیں مانتے۔ وہ اسلام پر بیہودہ اعتراض نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں اسلام کی باتیں سب قوموں میں مشترک ہیں وہ اکثر ملنسار ہیں ان میں خطرناک شوخی اور تیزی نہیں ہے۔۔۔۔۔ بعض آریہ صاحبوں کی شوخی حد سے بڑھ گئی ہے۔ یہی شوخی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وہ بوٹی ہے جس کی کچھ جڑ نہیں (روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 475 - 474)

پھر فرماتے ہیں۔

''سناتن دھوم والے صرف گذشتہ اوتاروں سے محبت نہیں رکھتے بلکہ اس کلجگ کے زمانہ میں وہ ایک آخری اوتار کے منتظر ہیں جو زمین کو گناہ سے پاک کر دے گا پس کیا تعجب ہے کہ کسی وقت خدا کے نشانوں کو دیکھ کر سعادت مند ان کے خدا کے آسمانی سلسلہ کو قبول کر لیں۔ کیونکہ ان میں ضد اور ہٹ دھرمی بہت ہی کم ہے۔ (روحانی خزائن حاشیہ ص 475 جلد 19)

تذکرۃ الشہادتین 1903ء:۔

حضرت مرزا صاحب کی یہ کتاب 1903ء کی تصنیف ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ

اردو میں دو مریدوں حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف رئیس اعظم خوست افغانستان اور ان کے شاگرد رشید حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب کی شہادت کا ذکر ہے۔ شہادت کے واقعات حضرت مرزا صاحب کے الہامات مندرجہ براہین احمدیہ شاتان تذبحان کل من علیھافان کے مطابق ظہور پذیر ہوئے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں شہادتیں مرزا صاحب کی صداقت پر نشان ہیں۔

حصہ عربی تین رسائل پر مشتمل ہے۔ پہلا رسالہ ''الوقت وقت الدعا ولا وقت الملاحم وقتل الاعداء'' دوسرا رسالہ ذکر حقیقۃ الوحی و ذرائع حصولہ اور تیسرا رسالہ ''علامات المقربین'' ہیں۔

1۔ الوقت وقت الدعاء لا وقت الملاحم وقتل الاعداء'' اس رسالہ میں حضرت مرزا صاحب نے اس امر کو پیش کیا ہے۔ کہ اسلام کی اشاعت تلوار کی محتاج نہیں بلکہ آسمانی حربہ دعا کے ذریعہ ہوگی آپ نے فرمایا۔ انھا ملحمتہ سلاحھا قلم حدید لا السیف و المدی (روحانی خزائن جلد 20 ص 88) کہ شیطان سے آخری جنگ کا ہتھیار تلوار نہیں بلکہ قلم ہے۔

2۔ دوسرا رسالہ ذکر حقیقۃ الوحی و ذرائع حصولہ اس رسالہ میں حضرت مرزا صاحب نے وحی کی حقیقت اور اس کے حصول کے ذرائع بیان فرماتے ہیں۔

3۔ تیسرا رسالہ ''علامات المقربین'' اس رسالہ میں حضرت مرزا صاحب نے مقربین بارگاہ الٰہی کی جملہ صفات کو نہایت فصیح و بلیغ عربی میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

سیرۃ الابدال 1903ء:۔

یہ کتاب دسمبر 1903ء کی تصنیف ہے۔ اپنی پہلی کتاب رسالہ علامات المقربین کا ہی تسلسل اور تتمہ ہے۔ اس کتاب میں مامورین و مصلحین ربانی کی جملہ صفات اخلاق عالیہ اور برکات کا تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

اسلام اور اس ملک کے دوسرے مذاہب (لیکچر لاہور 1904ء):۔

یہ مرزا صاحب کا ایک لیکچر ہے جو 3 دسمبر 1904ء میں ایک جلسہ میں پڑھا گیا۔ جو لیکچر لاہور کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ہندوستان میں پائے جانے والے مذاہب ہندو ازم۔ عیسائیت کا اسلام کی تعلیمات سے موازنہ کر کے اسلام کی برتری ثابت کی گئی ہے۔ دوم عیسائیت کے عقیدہ تثلیث اور عقیدہ جہنم کے دائمی ہونے اور ویدوں کے عقیدہ روح و مادہ کے ازلی ابدی اور غیر مخلوق ہونے اور عقیدہ تناسخ کا رد کیا گیا ہے۔

اسلام 1904ء :-

یہ بھی مرزا صاحب کا ایک لیکچر ہے جو 2 نومبر 1904ء سیالکوٹ کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے کثیر مجمع میں پڑھا گیا۔ یہ لیکچر سیالکوٹ کے نام سے موسوم ہے۔ اس لیکچر میں حضرت مرزا صاحب نے اسلام اور مذاہب کا موازنہ کرتے ہوئے اسلام کی حقانیت اور برتری ثابت کی ہے۔ ہندوؤں کے باطل عقائد کا رد کیا۔

لیکچر لدھیانہ 1905ء :-

لدھیانہ وہ شہر ہے جہاں سے سب سے پہلے مرزا صاحب پر کفر کا فتوی لگایا گیا۔ اس کتاب میں مرزا صاحب نے اسلام کے غلبہ کی پیشگوئی فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں۔ ’’اب وقت آ گیا ہے کہ پھر اسلام کی شوکت ظاہر ہو اور اس مقصد کو لے کر میں آیا ہوں۔۔۔۔۔۔ میں بڑے زور اور پورے یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ اللہ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مٹا دے اور اسلام کو غلبہ دے۔ (روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 290)

الوصیت 1905ء :-

حضرت مرزا صاحب کو 1905ء میں بار بار وفات کا قرب الہاماً بتایا گیا۔ چند ایک الہامات درج ذیل ہیں۔ (29 نومبر 1905ء کو یہ الہامات ہوئے۔)

1- قل میعاد ربک۔ (تیرے رب کی مقرر کردہ معیاد تھوڑی رہ گئی ہے)

2- بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔

3- اس دن سب پر اداسی چھا جائے گی۔

پھر 6 دسمبر 1905ء کو الہام ہوا۔

4- قرب اجلک المقدر لا نبقی لک من المخزیات ذکرا تیری اجل (موت) قریب آ گئی ہے۔ اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام ونشان نہیں چھوڑیں گے جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہے۔

مذکورہ الہامات کے علاوہ بھی ایسے الہامات کتب میں مذکور ہیں جو آپ کی قرب وفات کو ظاہر کرتے ہیں۔ تو آپ نے جماعت کی تنظیم اور لائحہ عمل پر ایک رسالہ الوصیت کے نام سے لکھا۔ آپ خود اس رسالہ کے لکھنے کی وجہ تحریر فرماتے ہیں۔

’’امابعد چونکہ خدائے عزوجل نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے کہ میرا زمانہ وفات نزدیک ہے اور اس بارے میں اس کی وحی اس قدر تواتر سے ہوئی۔ کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا۔ اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے دوستوں اور ان تمام لوگوں کے لئے جو میرے کلام سے فائدہ اٹھانا چاہئیں چند نصائح لکھوں جو پہلے سے اس مقدس وحی سے اطلاع دیتا ہوں۔ جس نے مجھے میری وفات کی خبر دے کر میرے لئے یہ تحریک پیدا کی۔

اس کے بعد آپ نے تمام الہامات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے چند کا ذکر اوپر کر دیا ہے۔ چونکہ آپ کی وفات معتقدین لئے باعث غم والم تھی۔ اس وجہ سے ان کو تسلی دی کہ یہ ایک سنت الٰہیہ ہے کہ مامورین ایک وقت مقررہ تک خدا کی منشاء کے مطابق کام کرتے ہیں پھر وہ موت کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد جو انہوں نے سچائی کا بیج بویا ہوتا ہے۔ بڑھنا شروع ہوتا ہے چونکہ رسول کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ تا قیامت بند ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اشاعت اسلام اور معترضین کے جوابات کے لئے مجددین کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ایک مجدد کا دور ایک صدی ہے۔ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ اپنے کسی ربانی بندے کو اشاعت اسلام کے لئے مامور کرتا ہے علی ھذا القیاس بموجب حدیث نبوی تا قیامت سلسلہ مجددیت چلتا رہے گا۔

مرزا صاحب نے اشاعت اسلام کے لئے مامور تھے۔ اس کام کو حتی المقدور عمر بھر سر انجام دیا۔ جب وفات کا وقت قریب آیا۔ تو اسلام کی اشاعت کے لئے جماعت کے سامنے ایک منصوبہ پیش کیا۔ وہ منصوبہ یہ تھا کہ آپ نے آیت شوریٰ کے تحت ایک انجمن بنائی اسی انجمن کو ہی اشاعت اسلام کے منصوبے کو آگے چلانے کے لئے اپنا جانشین مقرر کیا۔ چنانچہ ضمیمہ متعلق رسالہ الوصیت کے قاعدہ نمبر ۱۳ میں فرماتے ہیں۔

’’چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشینی ہے اس لیے اس انجمن کو دنیا دار کے رنگوں سے بالکل پاک رہنا ہوگا اور اس کے معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔ (روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 325)

ایک اہم امر جو جماعت احمدیہ لاہور اور جماعت احمدیہ ربوہ میں باعث نزاع ہے۔

۲۔ ربوہ جماعت الوصیت کی رو سے خلافت کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ خلافت نہ صرف اسلام کی تعلیم کے منافی ہے بلکہ سر الخلافۃ میں بیان کردہ نظریہ خلافت کے بھی خلاف ہے۔ یہ واضح ایک خاندانی گدی ہے اور جماعت لاہور مرزا صاحب کی جانشین انجمن کو قرار دیتی ہے اور اسی کو آخری

اتھارٹی تسلیم کرتی ہے۔

سربراہ جماعت کے نام :۔ قرآن مجید کی رو سے ایک جماعت کے سربراہ کا نام خلیفہ یا امیر ہوتا ہے۔ آیت استخلاف کی رو سے جماعت کا سربراہ خلیفہ کہلائے گا اور دوسرا نام امیر ہے جو آیت **اطیعو اللّٰہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم** (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تم میں سے اولوالامر (حاکم) ہے۔) سے ماخوذ ہے۔ اس آیت کی رو سے سربراہ جماعت امیر کہلائے گا۔ دونوں خطاب قرآنی ہیں اور دونوں کی حیثیت ایک ہی ہے۔

وفات پانے والے حاکم کی جانشینی کے لحاظ سے نامزد خلیفہ کہلائے گا اور صاحب امر ہونے کے لحاظ سے امیر ہوگا۔

جماعت احمدیہ کی خلافت یا امارت :۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے آیت شورٰی کے تحت انجمن قائم کر کے جماعت کے جملہ امور اس کے سپرد کر دیئے۔ کہ وہ کثرت رائے سے فیصلہ کر کے اس پر عمل پیرا ہو۔ اس انجمن کے سربراہ کو کسی نام سے پکارا جاسکتا ہے

مرزا صاحب کا الوصیت میں اپنا فیصلہ :۔

مرزا صاحب نے اس رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پر چالیس متقی لوگ جمع ہو جائیں وہ اشاعت اسلام کا کام جاری رکھے۔ فرماتے ہیں۔ ''جس شخص کے ہاتھ پر چالیس متقی لوگ جمع ہو جائیں وہ اشاعت اسلام کا کام جاری رکھے''۔ فرماتے ہیں۔ ''پس جس شخص کی نسبت چالیس مومن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے۔ وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا اور چاہیے کہ وہ اپنے تئیں دوسرے کے لیے نمونہ بنادے۔ (روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 306ء) مرزا صاحب نے گدی جانشینی کے تصور کو مٹا دیا ہے۔

قدرت ثانیہ سے مراد :۔

حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ ''سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے۔ تا مخالفوں کی جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے

تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو۔ اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی۔ جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دونگا۔ ۔۔۔۔۔ سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعائیں کرتے رہو۔ تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھا دے کہ تمہارا خدا قادر ہے۔''

(روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 305-306)

مذکورہ عبارت میں حضرت مرزا صاحب نے ایک قدرت ثانیہ کے آنے کا وعدہ کیا ہے وہ کیا ہے۔ فرقہ ربوہ نے قدرت ثانیہ سے مراد خلافت احمدیہ لی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ مذکورہ عبارت میں جو قدرت ثانیہ کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے مذکورہ عبارت میں دو باتوں کا خاص طور پر ذکر ہے۔

1۔ قدرت ثانیہ کا آنا اور اس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہ ہونا۔

2۔ قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعائیں کرتے رہنا تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو۔

یہ دونوں سلسلہ مجددیت کے جاری رہنے کے متعلق ہیں۔ حدیث میں بھی ہر صدی پر مجدد آنے کی پیشگوئی پائی جاتی ہے اور اسی پیشگوئی کی روشنی میں مرزا صاحب نے چودھویں صدی کا مجدد ہونے کا دعوی کیا ہے اور مرزا صاحب نے سلسلہ مجددین کو ہی خلفاء محمدیہ کہا ہے۔ یہ مجددین (خلفاء) مامور من اللہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ ''ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو''۔ قدرت ثانیہ کا آسمان سے نزول سے مراد ہی مامور من اللہ ہوتا ہے۔ وہ انسانوں کے چنے نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ صفت رحمانیت اور رحیمیت کے تحت ماموریت کے مقام پر کھڑا کرتا ہے۔ لہٰذا قدرت ثانیہ سے مراد سلسلہ مجددیت ہے جو تا قیامت جاری ہے۔

مرزا صاحب نے کتاب سر الخلافہ میں صرف حضرت ابو بکرؓ کو آیت استخلاف کے تحت

خلیفہ قرار دیا ہے باقی خلفاء کو حضرت ابو بکر کا جانشین پھر مجددین کو آیت استخلاف کے تحت رسول کریم ﷺ کے جانشین اور خلفاء قرار دیا ہے۔

چشمہ مسیحی :۔

یہ کتاب مارچ 1906ء کی تصنیف ہے۔ مرزا صاحب نے بانس بریلی کے مسلمان کی ترغیب پر عیسائیوں کی مشہور کتاب ''ینابیع الاسلام'' کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ ''ینابیع الاسلام'' کے مصنف نے یہ ثابت کرنے کی سعی ناکام کی ہے۔ کہ قرآن مجید میں کوئی نئی تعلیم میں نہیں بلکہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتب کا سرقہ ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے الزامی رنگ میں لکھ کر یہودی علماء کے حوالوں سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ انجیل لفظاً بلفظ طالمود کا سرقہ ہے۔ ایک ہندو نے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ انجیل بدھ کی تعلیم کا سرقہ ہے اور خود یورپ کے عیسائی محققین نے لکھا ہے کہ انجیل کی بہت سی عبارتیں اور تماثیل یوز آسف کے صحیفہ سے ملتی ہیں۔ تو کیا اب مسیح کی تعلیمات کو بھی مسروقہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

پھر مرزا صاحب نے اسلام کی تعلیم کے کامل ہونے پر مدلل بحث کی ہے۔ عیسائیت اور آریہ مت اور اسلام کی تعلیمات کا باہم مقابلہ کر کے اسلام کی حقانیت اور فضیلت ظاہر کی ہے۔ اس طرح اس کتاب میں قرآن مجید کا اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اور پیشگوئیوں کے لحاظ سے ایک معجزہ ثابت کیا ہے۔ عیسائیوں کے عقائد تثلیث الوہیت مسیح اور کفارہ کا رد ہے۔ نجات پر عالمانہ بحث کی ہے۔ نجات بھی مذاہب عالم اور نیز اسلامی کلامی مسائل میں ایک اہم مسئلہ ہے مرزا صاحب نے اس مسئلہ کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اور پڑھنے کے لائق ہے۔

تجلیات الٰہیہ :۔

یہ رسالہ مارچ 1906ء میں تصنیف ہوا۔ لیکن مارچ 1922ء میں شائع ہوا۔ اس میں حضرت مرزا صاحب کے الہام ''چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشان کی پنج بار'' کے مطابق آئندہ پانچ دہشت ناک زلزلوں کی پیشگوئی فرمائی ہے اس رسالہ میں مرزا صاحب نے قہری نشانات کے فلسفہ پر بھی بحث کی ہے۔

قادیان کے آریہ اور ہم :۔

قادیان کے آریوں نے اخبار شبھ چنتک نکالا اور اس اخبار میں اسلام اور رسول کریم ﷺ

کے خلاف نہایت ناشائستہ زبان استعمال کی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ مرزا صاحب اور احمدیہ جماعت کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اس جھوٹ کے پھیلانے میں تین اشخاص خاص طور پر پیش پیش تھے۔

1۔ اچھر چند مالک و منیجر اخبار

2۔ پنڈت سوراج ایڈیٹر اخبار

3۔ بھگت رام جوان کا ہر کام میں مددگار تھا (اچھر چند اور بھگت رام دونوں سگے بھائی تھے)۔

ان لوگوں نے اتنا زور پکڑ لیا کہ لالہ شرمپت اور لالہ ملاوالال کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور لالہ شرمپت کی طرف منسوب کر کے اپنے اخبار میں ایک بیان شائع کیا کہ لالہ شرمپت کہتا ہے کہ ہم نے مرزا صاحب کا کوئی نشان آسمانی نہیں دیکھا۔ حضرت مرزا صاحب نے جب لالہ شرمپت کے اس بیان کو پڑھا تو آپ کو سخت قلق اور دکھ ہوا۔ چنانچہ مرزا صاحب نے قادیان کے آریہ اور ہم'' نامی کتاب میں جو اس زمانہ میں تالیف کی تھی اپنے بہت سے ایسے نشانات کی تفصیل بیان فرمائی جن کا تعلق مذکورہ دونوں آریہ صاحبان سے ذاتی طور پر تھا۔ یا کم سے کم وہ ان کے عینی گواہ تھے مرزا صاحب نے یہ نشانات پیش کر کے لکھا۔

''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب بیان صحیح ہے اور کئی دفعہ لالہ شرمپت سن چکا ہے۔ اور اگر میں نے جھوٹ بولا ہے تو خدا مجھ پر اور میرے لڑکوں پر ایک سال کے اندر اس کی سزا نازل کرے۔ آمین لعنۃ اللہ علی الکاذبین ایسا ہی شرمپت کو بھی چاہیے کہ میری اس قسم کے مقابل پر قسم کھائے اور یہ کہے کہ اگر میں نے اس قسم میں جھوٹ بولا ہے تو خدا مجھ پر اور میری اولاد پر ایک سال کے اندر اس کی سزا وارد کرے۔ آمین لعنۃ اللہ علی الکاذبین'' (روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 442)

ایسا ہی مطالبہ لالہ ملاوامل سے کہا۔ لیکن دونوں کے لبوں پر مہر سکوت لگ گئی۔ اس خاموشی کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے لیکن اخبار شبھ چنتک کے تینوں کارندے اپنی شوخی و شرارت اور توہین رسالت اور افتراء پردازی کی وجہ سے طاعون کا شکار ہو گئے۔

حقیقۃ الوحی :۔

ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب جماعت سے الگ ہوئے۔ اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ مرزا صاحب کو ڈاکٹر کی مخالفت کا تو کوئی اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ ہندوستان میں تو پہلے ہی مخالفت کا ایک

طوفان تھا۔ اگر ڈاکٹر صاحب بھی مخالفین کی صف میں آ کھڑے ہوئے تو کیا۔ حقیقۃ الوحی لکھنے کی وجہ سے ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا جماعت سے الگ ہونا نہیں بلکہ اس نے ایک خلاف اسلام عقیدہ گھڑا کہ محض اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانا ہی باعث نجات ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانا نجات کے لئے ضروری نہیں۔ بلکہ خدا کی توحید کے ساتھ منسلک ہے پھر اس کے ساتھ اپنے الہامات سنا سنا کر اپنے ناپاک اور خلاف اسلام عقیدہ کو فروغ دے رہے تھے۔ یہ اسلام پر ایک زبردست حملہ تھا۔ مرزا صاحب نے ڈاکٹر عبدالحکیم کے اس باطل عقیدہ کے خلاف حقیقۃ الوحی کتاب لکھی۔ جس میں ان دو امور پر بحث تھی اول کہ کس مقام سلوک پر پہنچ کر کسی انسان کی رویاء اور الہامات قابل وثوق اور من جانب اللہ سمجھتے ہیں۔ آپ نے وحی الٰہی پر بحث کرتے ہوئے خوابوں اور الہامات کی تقسیم میں لوگوں کے تین مدارج بیان کئے۔ دوم۔ کاملین امت کے الہامات اور پیشگوئیوں کے امتیازی نشانات کی وضاحت کی۔ اور اپنے نشانات بیان کئے۔ جو دن کی روشنی کی طرح پورے ہو چکے تھے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کے عقیدہ نجات (صرف اللہ اور آخرت پر ایمان لانا ہی نجات کے لئے کافی ہے)۔ پر مفصل بحث کر کے اس کو غلط ثابت کیا کہ قرآن مجید اور حدیث کی رو سے خدا کی توحید اور یوم آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور کتب الٰہی بالعموم اور محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم پر بالخصوص ایمان لانا چاہیے بغیر اس کے نہ ایمان کامل ہوتا ہے۔ اور نہ اعمال میں کماحقہ انسان ترقی کر سکتا ہے اور نہ خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے بلکہ روحانی مدارج سے تنزل کی طرف جاتا ہے آخر کار دہریہ ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

براہین احمدیہ حصہ پنجم :۔

براہین احمدیہ کی چار جلدیں لکھنے کے بعد قریب 23 سال گزر گئے۔ آپ نے براہین کا پانچواں حصہ لکھنے کی طرف توجہ نہ دی۔ حالانکہ اس اثناء میں آپ اسی کے قریب کتب تصنیف کر چکے تھے۔ آخر 1905ء کے آغاز میں اس کی طرف توجہ مبذول ہوئی۔ کہ براہین احمدیہ کا پانچواں حصہ بھی لکھا جائے۔ چنانچہ معاً آپ نے تصنیف شروع کر دی۔ اور اس کا نام نصرت الحق بھی رکھا۔ اس کتاب کے مقاصد کے متعلق لکھتے ہیں۔

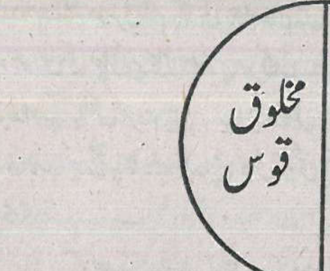
"پس اسلام کی سچائی ثابت کرنے کے لئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ تعلیم کے رو سے ہر ایک مذہب کو فتح کرنے والا ہے۔ اور کامل تعلیم کے لحاظ سے کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں

کر سکتا۔ دوم۔ پھر دوسری قسم فتح کی جو اسلام میں پائی جاتی ہے جس میں کوئی مذہب اس کا شریک نہیں اور جو اس کی سچائی پر کامل طور پر مہر لگاتی ہے۔ اس کی زندہ برکات اور معجزات ہیں جن سے دوسرے مذاہب بالکل محروم ہیں۔ یہ ایسے کامل نشان ہیں کہ ان کے ذریعہ سے نہ صرف اسلام دوسرے مذاہب پر فتح پاتا ہے بلکہ اپنی کامل روشنی دکھلا کر دلوں کو کھینچ لیتا ہے۔ (روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 5)

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں۔ کہ دوسری قسم کی فتح جو اسلام میں پائی جاتی ہے یعنی اس کی زندہ برکات اور معجزات وہ اس کتاب میں لکھے جائیں۔

پہلا باب معجزہ کی اصل حقیقت اور ضرورت کے بیان میں ہے۔ دوسرا باب ان نشانوں کے بیان میں ہے جو بذریعہ ان پیشگوئیوں کے ظاہر ہوئے جو آج سے پچیس سال پہلے براہین احمدیہ میں لکھ کر شائع کی گئی تھیں۔ اس کے بعد ضمیمہ براہین احمدیہ ہے۔ اس میں ایک خاص موضوع جو پڑھنے کے لائق ہے۔ انسان پڑھ کر وجد میں آ جاتا ہے۔ وہ ہے انسان کس طرح روحانی مدارج طے کر کے قرب الٰہی حاصل کرتا ہے۔ آپ نے سورۃ المومنون کی پہلی چھ آیات قد افلح المومنون تا احسن الخالقین۔ کی رو سے انسان کے روحانی مدارج پر عالمانہ صوفیانہ بحث کی ہے مرزا صاحب نے اس عالمانہ اور صوفیانہ بحث میں فرمایا ہے جب ایک انسان روحانیت کے چھٹے درجے پر پہنچ جاتا ہے تو اس وقت اس کے دل میں خاص نور پیدا ہوتا ہے۔ جو اس کی تمام اندرونی تاریکیوں کو دور کر دیتا ہے۔ بحث کے آخر میں فرماتے ہیں اس حسن میں کامل ترین شخص حضرت محمد مصطفٰے ﷺ تھے۔

آپ فرماتے ہیں۔ "نوح میں وہی حسن تھا جس کی پاس خاطر حضرت عزت جل شانہ کو منظور ہوئی اور تمام منکروں کو پانی کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ پھر اس کے بعد موسیٰ بھی وہی حسن روحانی لے کر آیا حسن نے چند روز تکلیفیں اٹھا کر آخر فرعون کا بیڑا غرق کیا۔ پھر سب کے بعد سید الانبیاء و خیر الوری مولانا و سیدنا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ ایک عظیم الشان روحانی حسن لے کر آئے جس کی تعریف میں یہی آیت کریمہ کافی ہے۔ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی یعنی وہ نبی جناب الٰہی کے بہت نزدیک چلا گیا اور پھر مخلوق کی طرف جھکا اور اس طرح دونوں حقوق کو جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں ادا کیا۔ اور دونوں قسم کا روحانی حسن ظاہر کیا۔ اور دونوں قوسوں میں وتر کی طرح ہو گیا۔ یعنی دونوں قوسوں میں جو ایک درمیانی خط کی طرح ہو۔ اس طرح اس کا وجود واقع ہوا۔ جیسے



مرزا صاحب کے نزدیک خالق قوس دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی'' کے یہ الفاظ روحانیت کے بلند ترین مقام کو ظاہر کرتے ہیں اور اسی کو مقام محمود کہا گیا ہے۔ اس مقام جلیلہ پر صرف ایک ہی شخصیت فائز ہوئی ہو گی وہ ہے حضرت محمد مصطفٰے ﷺ۔ اس مقام پر نہ پہلے کوئی فائز ہوا نہ اب اس مقام پر کوئی ہو سکے گا۔ یہی خاتمیت نبوت ہے اب جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد نبوت جاری ہے تو وہ رسول کریم ﷺ کے مقام خاتمیت نبوت سے ناواقف ہے اور وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس طرح جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ کوئی انسان ترقی کرتا کرتا رسول کریم سے بھی بڑھ سکتا ہے اس سے بڑھ کر رسول ﷺ کا کوئی دشمن نہیں۔ وہ شخص ابوجہل، ابولہب وغیرہ کے گروہ میں خدا کے حضور قیامت کے دن پیش ہوگا۔

اس ضمیمہ میں دعا کی مقبولیت کی شرائط پر بحث ہے۔ آپ نے ان تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے جو آپ کی زلزلہ کی پیشگوئی پر کسی نے پیسہ اخبار میں کئے تھے۔

چشمہ معرفت 1907ء: آریہ سماج میں جلسہ مذاہب:-

آریہ سماج لاہور نے اپنے سالانہ جلسہ 1907ء کے ایک عام جلسہ مذاہب منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ اس جلسہ میں مختلف مذاہب کے علماء کو مدعو کیا۔ کہ وہ اپنے اپنے عقائد کی رو سے ثابت کریں کہ الہامی کتاب کونسی ہو سکتی ہے۔ آریہ صاحبان کے اصرار پر مرزا صاحب نے منظور کر لیا۔

آریہ سماج وچھووالی میں یہ جلسہ ان کے جلسہ سالانہ کے بعد 4-3-2 دسمبر 1907ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ 3 دسمبر کو مرزا صاحب کی تقریر ہونی تھی۔ قادیان سے مولانا نور الدین کی قیادت میں ایک وفد جلسہ میں شریک ہوا۔ مرزا صاحب کی لکھی ہوئی تقریر کا کچھ حصہ مولوی نور الدین نے پڑھا اس کے بعد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے پڑھا۔ شروع میں مرزا صاحب نے تمام مذاہب کے لوگوں کو امن و صلح کا پیغام دیا کہ جس طرح ہم نے ان بزرگوں کو مقدس اور

پیغمبر مان لیا ہے۔ وہ بھی ہمارے بزرگ انبیاء بالخصوص محمد مصطفٰے ﷺ کو ایسا ہی مقدس اور نبی مان لیں۔ جس اتحاد، اتفاق اور صلح کی طرف ہم نے قدم اٹھایا وہ بھی اس میں شریک ہو جائیں اس کے بعد اپ نے اسلامی جہاد پر روشنی ڈالی۔ اس تمہید کے بعد آپ نے اصل مضمون کو ''الہامی کتاب کونسی ہو سکتی ہے'' پر بحث کر کے علم و حکمت کا دریا بہا دیا۔ اور دلیل قاطعہ و ساطعہ سے یہ واضح کر دیا کہ الہامی کتاب کہلانے کی مستحق صرف قرآن مجید ہی ہے۔ آپ نے اس مضمون میں قرآن مجید کی امتیازی خوبیاں بڑی تفصیل سے بیان کیں جن میں سے بعض کی سرخیاں یہ ہیں۔

1۔ قرآن مجید برکات کا خزانہ ہے۔ اس کے ثبوت میں آپ نے وہ معجزات اور نشانیاں بیان کیں جو قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دیتا ہے۔

2۔ قرآن مجید خود معجزات سے بھرا ہوا ہے اس میں بڑی علمی اور اقتداری اور نشانات سماوی موجود ہیں جن میں سے کچھ بطور نمونہ اس تقریر میں بیان کر دیئے تھے۔

3۔ قرآن شریف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عالم اور قادر ہونے کا زندہ ثبوت دیا ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

4۔ قرآن مجید نے نجات کی حقیقی راہ بتائی۔ وہی انسان حقیقی نجات یافتہ ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق چلے۔ اس کے تمام اقوال افعال حرکات اور سکنات خدا کی مرضی اور رضا کے تحت ہوں۔ اس راہ پر صرف قرآن مجید ہی چلاتا ہے۔ گویا حقیقی نجات کی راہ صرف قرآن مجید ہی دکھاتا ہے۔

اس جلسہ میں آریہ سماجیوں نے رسول کریم ﷺ کی ذات پر نہایت رکیک اور گندے اعتراضات کئے جب وفد قادیان پہنچا تو اس نے تمام روئیداد بیان کی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور وفد سے ناراض ہوئے۔ وہ رسول کریم ﷺ پر گندی زبان استعمال کرنے کی وجہ سے احتجاجاً جلسہ سے اٹھ کھڑے کیوں نہ ہوئے۔ پھر آپ نے اپنی کتاب چشمہ معرفت کے دو حصے کئے۔

حصہ اول اس دروغ کے رد میں جو وید کی حمایت میں اور اس کی خوبیوں کے اظہار کے لیے لکھا گیا۔

اس حصہ میں مرزا صاحب نے مادہ اور روح کے ازلی ابدی ہونے نیوگ اور مسئلہ تناسخ پر بحث کر کے ان کا بطلان کیا۔ اس کے بعد قرآن مجید کے عالمگیر کتاب ہونے پر مفصل بحث کی۔

دوسرا حصہ ان اعتراضات کے رد میں جو آریہ مضمون پڑھنے والے نے قرآن مجید اور رسول کریم ﷺ پر کئے تھے۔

سکھوں پر اتمام حجت :۔

اس کتاب میں سکھوں پر اتمام حجت کیا ہے جو گرو ہرسہائے کے مقام پر بابا گرو نانک کا تبرک چلا آ رہا ہے۔ جسے مرزا صاحب کے بھیجے ہوئے وفد نے جب کھول کر دیکھا تو قرآن مجید نکلا۔

اس کے بعد استجابت دعا میں مقابلہ کا اعلان فرمایا۔ تمام علماء اور سجادہ نشینوں کو مقابل پر آنے کی دعوت دی وہ یہ ہے۔

"لیکن آج 15 مئی 1907ء کو میرے دل میں ایک خیال آیا کہ ایک اور طریق فیصلہ کا ہے شاید کوئی خدا ترس اس سے فائدہ اٹھاوے اور انکار کے خطرناک گرداب سے نکل آوے۔ اور وہ طریق یہ ہے کہ میرے مخالف منکروں میں سے جو شخص اشد مخالف ہو اور مجھ کو کافر اور کذاب سمجھتا ہو۔ وہ کم سے کم دس نامی مولوی صاحبوں یا دس نامی رئیسوں کی طرف سے منتخب ہو کر اس طور سے مجھ سے مقابلہ کرے جو دو سخت بیماروں پر ہم دونوں اپنے صدق و کذب کی آزمائش کریں یعنی اس طرح یہ کہ دو خطرناک بیمار لے کر جدا جدا بیماری کی قسم میں مبتلا ہوں۔ قرعہ اندازی کے ذریعہ دونوں بیماروں کو اپنی اپنی دعا کے لئے تقسیم کر لیں۔ پھر جس فریق کا بیمار بالکل اچھا ہو جاوے یا دوسرے بیمار کے مقابل پر اس کی عمر زیادہ کی جائے وہ فریق سچا سمجھا جاوے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اور میں پہلے سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ کر کے یہ خبر دیتا ہوں ک جو بیمار میرے حصہ میں آوے گا یا تو خدا اس کو بالکل صحت دے گا یا بہ نسبت دوسرے بیمار کے اس کی عمر بڑھا دے گا اور یہی امر میری سچائی کے گواہ ہو گا۔

پیغام صلح :۔

مرزا صاحب کا منشاء تھا کہ 31 مئی 1908ء کو اتوار کے روز احمدیہ بلڈنگس کے میدان میں ایک تقریر ہو۔ جس میں آپ ہندوؤں کو پیغامِ صلح دینا چاہتے تھے۔ اور بتانا چاہتے تھے کہ وہ کون سا طریق ہے جس سے ہندوستان کو دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان صلح سے رہ سکتی ہیں اس لئے آپ نے لیکچر لکھنا شروع کر دیا اور بعد میں پیغام صلح کے نام سے شائع ہوا۔

وفات :۔

مرزا صاحب شب و روز دماغی محنت کا کام کرنے کی وجہ سے سالہا سال سے اعصابی کمزوری میں مبتلا تھے نیورستھینیا کے مریض تھے۔ آپ کو دورہ دو طرح سے پڑتا تھا یا تو اوپر کے

دھڑ پر اثر پڑتا تو چکر آنے لگتے۔ دل گھٹنے لگتا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے۔ اور نبض کمزور ہو جاتی۔ اس کے لئے مشک بہت تھا اس وجہ سے آپ ہمیشہ مشک ساتھ رکھتے۔ یا نیچے کے دھڑ پر اثر پڑتا تھا۔ تو کثرت سے پیشاب آتا تھا کبھی ایسا ہوتا کہ اسہال شروع ہو جاتے جس سے ضعف بہت بڑھ جاتا۔ یہ وہی بیماری ہے جس کا ذکر مسیح موعود کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ میں ہے صحیح مسلم میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مسیح موعود کو کشفی طور پر دو زرد چادروں میں ملبوس دیکھا علم تعبیر کی کتابوں میں زرد چادروں سے مراد بیماریاں ہوتی ہیں۔ پس انہی دو بیماریوں میں مرزا صاحب مبتلا تھے۔

جب مرزا صاحب 1908ء میں لاہور تشریف لائے تھے تو آپ پیغام صلح لکھنے میں مصروف تھے۔ 25 مئی 1908ء کو دورہ پڑا وہ بہت سخت تھا اور آخر وہی مرض الموت ثابت ہوا۔ اور اپنے ساتھیوں مولانا نور الدین صاحب مولنا محمد علی صاحب خواجہ کمال الدین صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کے ہاتھوں میں جام وفات نوش فرمایا۔ اور اپنے مریدوں کو غم اور افسردگی کی تاریک رات میں چھوڑ کر 26 مئی 1908ء کو بوقت 1/4 10 بجے صبح بمقام احمدیہ بلڈنگس اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخری وقت میں حضرت مرزا صاحب کی زبان پر صرف یہی کلمات تھے۔ اے میرے پیارے اللہ اے میرے پیارے اللہ اے میرے پیارے اللہ۔ یہی الفاظ بڑی محبت اور رقت میں پڑھتے رہے۔ جب فجر کی نماز کی اذان کی آواز کان میں پڑی تو پوچھا کیا صبح کا وقت ہو گیا ہے۔ پھر باوجود ضعف و نقاہت کے آپ نے نماز کی نیت باندھی اور نماز ادا کی۔ یہاں تک کہ اس خدا سے جا ملے جس نے تجدید دین کے لئے اس دنیا میں بھیجا۔

تجہیز و تکفین :۔

دن کے اڑھائی بجے تجہیز و تکفین سے فراغت پائی اس کے بعد جنازہ ڈاکٹر محمد حسین شاہ مرحوم کے مکان کی اوپر کی منزل سے نچلے صحن میں لایا گیا۔ مولانا حکیم نور الدین صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت مرزا صاحب کی پہلی نماز جنازہ تھی جو لاہور میں ہی ادا کی گئی۔

چار بجے کے قریب آپ کا جنازہ احمدی احباب کندھوں پر اٹھا کر ریلوے اسٹیشن لاہور پر لائے۔ جسد مبارک کو سیکنڈ کلاس کے ایک ریزرو ڈبہ میں رکھوا دیا گیا۔ گاڑی لاہور سے پونے چھ بجے روانہ ہوئی اور دس بجے رات کو بٹالہ پہنچی۔ جنازہ گاڑی میں تھا جس کی حفاظت خدام نے کی دو

بجے جسد مبارک صندوق سے باہر نکالا گیا اور ایک چارپائی پر رکھ کر خدام نے جنازہ کندھوں پر اٹھا لیا صبح آٹھ بجے کے قریب گیارہ میل کا سفر طے کر کے قادیان پہنچا دیا گیا میت کو اس باغ میں جو بہشتی مقبرہ کے ساتھ ملحق ہے بحفاظت تمام رکھ دیا گیا اور نماز جنازہ پڑھانے کے بعد آخری آرام گاہ میں آپ کا جسد مبارک دفنا دیا گیا۔ وہ زبان جس سے معرفت کے دریا جاری ہوتے تھے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ وہ انگلیاں جن کی گرفت میں قلم حقائق اور دقائق علمیہ کے خزانے اگل رہا تھا۔ ہمیشہ کے لئے رک گیا۔ اور وہ نظر جو مسیحائی کام کر رہی تھی ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔ یہی وہ شخص ہے جس نے ایک لمبا عرصہ قلمی جہاد سے خدا کی روحانی بادشاہت زمین پر قائم کی۔ جس نے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو اکناف عالم تک پہنچایا اور جس نے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو تمام اعتراضات کے گرد آلود سے صاف کر کے روشن کیا۔

اپنے پیچھے ایک ایسی صالحین اور پاک باز نفوس کی جماعت چھوڑ گیا جس نے مولانا نور الدین کی قیادت و سیادت میں مرزا صاحب کے مشن کو جاری و ساری رکھا۔ انہی پاک باز نفوس میں سے ایک خواجہ کمال الدین تھے جو ہندوستان کے چوٹی کے وکیل تھے جن کے خطاب اور براہین ساطعہ کی روانی کے سامنے مد مقابل کی زبان پر مہر سکوت ثبت ہو جاتی تھی۔ ورطہ حیرت میں ڈوب کر اپنی کم علمی کا مقر ہوتا تھا۔ تمام صاحب استطاعت (راجے مہاراجے اور نواب) کی نظر انتخاب اپنے مقدمات کی پیروی کے لئے خواجہ صاحب پر پڑتی تھی۔ مال و دولت میں کھیلنے والے اس شخص کے قلب صافی پر اشاعت اسلام کا خیال مستولی تھا۔ دنیا کی مال و دولت سے منہ موڑ کر لندن میں وکنگ مسجد آباد کی۔ اس کے مناروں سے توحید کی آواز تثلیث کی سرزمین میں گونجنے لگی۔ لارڈ ہڈلے جیسا شاہی خاندان کا فرد اس مسلم مشنری کے ہاتھ پر دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ جرمن میں اشاعت اسلام کے لئے الگ مشن کھولا جس کے پہلے انچارج مولانا صدر الدین کو مقرر کیا گیا۔ انہی کے ہاتھ پر مولانا اسد نے اسلام قبول کیا۔ جرمن زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ جس کے اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ انہی صالحین کی جماعت میں سے ایک بطل جلیل مولوی محمد علی صاحب نے حضرت مولانا نور الدین کی نگرانی میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کیا۔ آج تک لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکا ہے۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔ جس کے مطالعہ سے ہزاروں دہریہ جام توحید نوش کر چکے ہیں۔ اس طرح حضرت مولانا کے قلم سے اسلام کی حقانیت اور صداقت پر کئی معرکتہ لآراء کتب احاطہ تحریر میں آ چکی ہیں۔ ہر شخص ان جواہر پاروں

پر رطب اللسان ہے۔ جو کچھ بھی لکھا بے مثل لکھا۔

وفات پر اخبارات اور اشخاص کی آراء

مولوی عبداللہ العمادی صاحب کی رائے:۔ مندرجہ ذیل رائے اخبار وکیل میں شائع ہوئی جس کے ایڈیٹر مولوی عبداللہ العمادی تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی اس اخبار سے کسی رنگ میں منسلک تھے۔ طرز تحریر اور الفاظ کی بہار یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ رائے مولانا ابوالکلام آزاد کی ہے۔ چونکہ رائے کے ساتھ کسی محرر کا نام نہیں اس لیے اس رائے کو ایڈیٹر صاحب کی طرف منسوب کی جا رہا ہے۔

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر اور زبان جادو، وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مُٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لیے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا۔ یہ تلخ موت، یہ زہر کا پیالہ موت جس نے مرنے والے کی ہستی تہِ خاک پنہاں کر دی۔ ہزاروں، لاکھوں زبانوں پر تلخ کامیاں بن کے رہے گی اور قضا کے حملہ نے ایک جیتی جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتل عام کیا ہے۔ صدائے ماتم مدتوں اس کی یادگار تازہ رکھے گی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لیے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو۔ جو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض پورا کرتے رہے ہیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے تا کہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے اور اگر شور بختی مزاحم صلح و احسان نہ ہو تو یک جہتی کے ساتھ مشترکہ فرض کی

واجبی شرکت کے ساتھ اور جامعہء اسلامیہ کے مبارک اصولوں کے ساتھ مرزا صاحب اس پہلی صف عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لیے یہ ایثار گوارا کیا کہ ساعت مہد سے لے کر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر ہاں ایک شاہد رعنا کے پیمان وفا پر قربان کر دیئے۔ سید احمد، غلام احمد، رحمت اللہ، آل حسن، وزیر خان، ابوالمنصور یہ السابقون الاولون کے زمرہ کے لوگ تھے جنہوں نے باب مدافعت کا افتتاح کیا اور آخر وقت تک مصروف سعی رہے۔ اختلاف طبائع اور اختلاف مدارج قابلیت کے ساتھ ان کے انداز خدمت بھی جداگانہ تھے اور اس لئے اثر اور کامیابی کے لحاظ سے ان کے درجے بھی الگ الگ ہیں تاہم اس نتیجہ کا اعتراف بالکل ناگزیر ہے کہ مخالفین اسلام کی صفیں سب سے پہلے انہی حضرات نے برہم کیں۔ مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے۔ ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے اس لیے کہ وہ وقت ہرگز لوح قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہوسکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں سے گِھر چکا تھا اور مسلمان جو حافظ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لیے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ ہر طرف حملوں کے امتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمع عرفان حقیقی کو سرِ راہِ منزل مزاحمت سمجھ کر مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پشت گری کے لیے ٹوٹی پڑی تھیں اور دوسری طرف ضعف مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا۔ چونکہ خلاف اصلیت محض شامت اعمال سے مفسدہ 1857ء کا نفس ناطقہ مسلمان ہی قرار دیئے گئے تھے۔ اس لیے مسیحی آبادیوں اور خاص کر انگلستان میں مسلمانوں کے خلاف پولیٹیکل جوش کا طوفان برپا تھا اور اس سے پادریوں نے صلیبی لڑائیوں کے داعیان راہ سے کم فائدہ نہ اٹھایا۔ قریب تھا کہ خوفناک مذہبی جذبے ان حضرات کے میراثی عارضہ قلب کا جو اسلام کی خودروسر سبزی کے سبب بارہ تیرہ صدیوں سے ان میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا چلا آتا تھا۔ درمان ہو جائے کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے ابتدائی پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے

اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔

کچھ شبہ نہیں ان حضرات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اسلام نے اپنے حریفوں کو خواہ ان کے ساتھ زندہ قوتوں کا پولیٹیکل جذبہ بھی شریک ہو ہمیشہ فتح نصیب مدمقابل رہا ہے اور انشاء اللہ دنیا کے آخری سانس تک رہے گا۔ انہوں نے مدافعت کا پہلو بدل کے مغلوب کو غالب بنا کے دکھا دیا ہے۔ اگر ہم آج اپنے نئے اور پرانے اختلافات سے قطع نظر کر کے محض اسلام کی خدمت غائت المقصود قرار دے لیں تو یقیناً اس جوشیلے اور اسلام کی خداداد طاقت سے چشم پوشی کرنے والے لاٹ پادری (بشپ) کی زندگی میں ہی جس نے ایک مسیحی مشن کی پچاس سالہ جوبلی کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے دوسری جوبلی کے لیے دہلی مسجد عظمی کے کیتھیڈرل بنائے جانے کا ادّعا ناروا ظاہر کیا تھا۔ وہ وقت آجائے کہ اسلام کی روحانی فتوحات کے سینٹ پال کے گرجے کو مریم و مسیح کی پرستش کی بجائے ایک خدا کی عبادت گاہ بنا دیں اور ناقوس کلیسیا کے بدلہ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ'' کا زمزمہ قدسی فضا میں گونجنے لگے۔ ہر چند پادریوں نے اسلام کی مخالفت میں لٹریچر کا ہمالہ بنا کے کھڑا کر دیا ہے۔ مگر کاغذ کے تودوں کے لیے چند شرارے کافی ہیں برعکس اس کے مسلمانوں کا لٹریچر اگر سرکشی اور تمرد کے حق میں توپ اور گولہ ہے تو طلب حق کے اضطراب سے تڑپنے والوں کے لیے صندل و کافور ہے کاش اس کی تاثیر کی آزمائش کی جائے اور اسے عیسائی آبادی کی زبانوں میں منتقل کر کے کثرت سے شائع کیا جائے۔ کیونکہ ترقی علم و حکمت کے ساتھ مذہب وہاں وبال دوش ہوا جاتا ہے اور دنیا کے انہماک نے وہاں روح کی تشنگی غیر محسوس بنا رکھی ہے۔ اس لیے کہ عیسائیت اس فطرتی جذبہ کو جو دنیوی حشمت کے بوجھ میں دب گیا ہے ابھارنے سے بالکل قاصر ہے۔ یہ فخر اسلام ہی کا حصہ ہے کہ اس حالت میں بھی وہاں جب کبھی اس کی تجلی عکس فگن ہوتی ہے وجدان بے تاب ہونے لگتے ہیں۔

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی۔ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حیات اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی

بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔ مرزا صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب اس وقت سے کہ سوامی دیانند نے اسلام کے متعلق اپنی دماغی فلسفی کی نوحہ خوانی جابجا آغاز کی تھی۔ اُن کا تعاقب شروع کردیا تھا۔ ان حضرات نے عمر بھر سوامی جی کا قافیہ تنگ کر رکھا۔ جب وہ اجمیر میں آگ کے حوالے کردیئے گئے۔ اس وقت سے اخیر عمر تک برابر مرزا صاحب آریہ سماج کے چہرہ سے انیسویں صدی کے ہندو ریفارمر کا چڑھایا ہوا ملمع اُتارنے میں مصروف رہے۔ ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعویٰ پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جاسکیں۔

فطرتی ذہانت مشق و مہارت اور مسلسل بحث و مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک شان خاص پیدا کردی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذاہب غیر پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی اور وہ اپنی ان معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کرسکتے تھے۔ تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ ان میں پیدا ہوگیا تھا کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب وملت کا ہو ان کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ان سب کے لیے حکم وعدل ہوں لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کردینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی اور یہ نتیجہ تھی ان کی فطری استعداد کا۔ ذوق مطالعہ اور کثرت مشق کا۔ آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کردے۔ فقط۔

اخبار ''صادق الاخبار'' کی رائے:۔

ایڈیٹر صاحب اخبار ''صادق الاخبار'' ریواڑی نے حضرت مرزا صاحب کی وفات پر اپنے خیالات کا مندرجہ ذیل لفظوں میں اظہار کیا۔ کہتے ہیں ''چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پُرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لیے ساکت کردیا اور ثابت کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کماحقہٗ ادا کرکے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولاالعزم حامی اسلام اور معین المسلمین فاضل اجل عالم بے بدل کی ناگہانی

اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے۔

اخبار ''البشیر'' کی رائے:۔

ایڈیٹر صاحب اخبار ''البشیر'' اٹاوہ نے حضرت مرزا صاحب کی وفات پر ایک مقالہ لکھا۔ ایڈیٹر صاحب موصوف حضرت مرزا صاحب کے موافق قطعاً نہ تھے۔ اس لیے ان کی تحریر اور بھی قابل قدر ہے۔ لکھتے ہیں:

''تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت اقدس اس زمانہ کے نامور مشاہیر میں سے تھے۔ اس ترقی علم وفنون کے زمانہ میں درحقیقت یہ امر کچھ حیرت انگیز نہیں ہے کہ ان کے کئی لاکھ راسخ الاعتقاد مرید ایسے تھے جو ان کے ہر ایک حکم کو ہر ایک پیشگوئی کو وحی خیال کرتے۔ بلاچوں وچرا اس کو تسلیم کرتے یا ان مریدوں میں عوام الناس اور جہلا، پڑھے لکھے، غریب وامیر، عالم وفاضل اور نئے تعلیم یافتہ غرض کہ ہر درجہ اور ہر حیثیت کے مسلمان موجود ہیں جو درجہ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کو اپنے مریدوں میں حاصل تھا اور جو اثر حضرت اقدس کا اپنے مریدوں کی جماعت پر تھا اس میں کچھ کلام نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں نہ یہ اثر کسی مولوی اور نہ عالم وفاضل کو اپنے مریدوں، معتقدوں پر تھا اور نہ کسی صوفی اور ولی اللہ کا اپنے مریدین پر تھا۔ اور نہ کسی لیڈر اور نہ کسی کا اپنے مقلدین پر۔ چونکہ وہ مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر کے پیشوا اور امام برحق تھے لہٰذا تہذیب مجبور کرتی ہے کہ ہم ان کی عزت کریں اور ان کے انتقال پر افسوس کا اظہار کریں''۔

اخبار ''میونسپل گزٹ'' کی رائے:۔

اخبار ''میونسپل گزٹ'' لاہور نے حضرت مرزا صاحب کی وفات پر مندرجہ ذیل نوٹ شائع کیا۔

''مرزا صاحب علم وفضل کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے۔ تحریر میں بھی روانی تھی۔ بہر حال ہمیں ان کی موت سے بحیثیت اس بات کے کہ وہ ایک مسلمان عالم تھے نہایت رنج ہوا اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک عالم دنیا سے اٹھ گیا''۔

چودھری افضل حق ''صدر جمیعتہ الاحرار کی رائے'' احرار اور سلسلہ احمدیہ کی باہمی مخالفت سے کون ناواقف ہے۔ اس مخالفت کے باوجود جمیعت کے صدر چودھری افضل حق نے اپنی کتاب ''فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں'' کے صفحہ ۴۲ پر رقم طراز ہیں''۔

''آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بے جان تھا جس میں تبلیغی

حس مفقود ہو چکی تھی ۔ سواحی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لیے چوکنا کر دیا۔ مگر حسب معمول ابدی خواب گراں طاری ہو گئی ۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لیے پیدا نہ ہو سکی ۔ اگر دِل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے بڑھا۔ اگر چہ مرزا غلام احمد کا دامن فرقہ بندی سے پاک نہ ہوا تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا۔ جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لیے قابلِ تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام جماعتوں کے لیے نمونہ ہے۔

امرتا بازار پتر کی رائے :۔

بنگالہ کے مشہور انگریزی اخبار امرتا بازار پتر نے اس طرح رائے زنی کی:

''وہ فقیرانہ طور پر زندگی بسر کرتے تھے اور سینکڑوں آدمی روزانہ اس کے لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔ ان کے مریدین میں ہر قسم کے لوگ فاضل و مولوی، بااثر رئیس، تعلیم یافتہ آدمی، امیر و سوداگر ہیں''۔

شمس العلماء مولانا امیر حسن کی رائے :۔

حضرت اقدس کی وفات کے کئی سالوں کے بعد ایک دفعہ شیخ یعقوب علی تراب صاحب کی ان سے ملاقات ہوئی ۔ تو مولوی میر حسن نے چشم پُر آب ہو کر حضرت مرزا صاحب کی نسبت جو کچھ فرمایا وہ الحکم ۷ اپریل ۱۹۳۴ء میں شائع کیا جو حسبِ ذیل ہے فرمایا:

''افسوس ہم نے ان کی قدر نہ کی۔ ان کے کمالات روحانی کو بیان نہیں کر سکتا ہے ان کی زندگی معمولی انسانوں کی زندگی نہ تھی ۔ بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں''۔

باب چہارم

شمائِل حضرت مرزا غلام احمد قادیانی[1]

حُلیہ مبارک :۔

بجائے اس کے کہ میں آپ کا حُلیہ بیان کروں اور ہر چیز پر خود کوئی نوٹ دوں یہ بہتر ہے کہ میں سرسری طور پر اس کا ذکر کروں اور نتیجہ پڑھنے والے کی اپنی رائے پر چھوڑ دوں ۔ آپ کے تمام حلیہ کا خلاصہ ایک فقرہ میں یہ ہو سکتا ہے کہ: ''آپ مردانہ حُسن کے اعلیٰ نمونہ تھے''۔

مگر یہ فقرہ نا مکمل رہے گا اگر اس کا ساتھ دوسرا یہ نہ ہو کہ:

''یہ حُسنِ انسانی ایک رُوحانی چمک دمک اور انوار اپنے ساتھ لیے ہوئے تھا''۔

اور جس طرح آپ جمالی رنگ میں اس اُمت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آپ کا جمال بھی خدا کی قدرت کا نمونہ تھا اور دیکھنے والے کے دل کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ آپ کے چہرہ پر نورانیت کے ساتھ رعونت، ہیبت اور استکبار نہ تھے بلکہ فروتنی، خاکساری اور محبت کی آمیزش موجود تھی چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب حضرت اقدس چولہ صاحب کو دیکھنے ڈیرہ بابا نانک تشریف لے گئے تو وہاں پہنچ کر ایک درخت کے نیچے سایہ میں کپڑا بچھا دیا گیا۔ اور سب لوگ بیٹھ گئے ۔ آس پاس کے دیہات اور خاص قصبہ کے لوگوں نے حضرت صاحب کی آمد سن کر ملاقات اور مصافحہ کے لیے آنا شروع کیا تو جو شخص آتا مولوی سید محمد احسن صاحب کی طرف آتا اور ان کو حضرت اقدس سمجھ کر مصافحہ کر کے بیٹھ جاتا ۔ غرض کچھ دیر تک لوگوں پر یہ امر نہ کھلا جب تک خود مولوی صاحب موصوف نے اشارہ سے اور یہ کہہ کر لوگوں کو ادھر متوجہ نہ کیا کہ ''حضرت صاحب یہ ہیں''۔

[1] یہ مضمون ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب کا ہے۔ ڈاکٹر موصوف مرزا صاحب کے سالے اور گھر کے فرد تھے۔ ان سے بہتر شمائل کون جاننے والا ہے اور پھر ان سے بہتر کون لکھ سکتا ہے۔ معمولی کر بونت کے ساتھ اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

جسم اور قد:۔آپ کا جسم دبلا نہ تھا نہ آپ بہت موٹے تھے البتہ آپ دوہرے جسم کے تھے۔قد متوسط تھا اگرچہ ناپا نہیں گیا مگر اندازاً پانچ فٹ آٹھ انچ کے قریب ہوگا۔کندھے اور چھاتی کشادہ اور عمر تک یہ سیدھے رہے۔نہ کمر جھکی نہ کندھے۔تمام جسم کے اعضاء میں تناسب تھا یہ نہیں کہ ہاتھ بے حد لمبے ہوں یا ٹانگیں یا پیٹ اندازہ سے زیادہ نکلا ہوا ہو۔غرض کسی قسم کی بدصورتی آپ کے جسم میں نہ تھی۔جلد آپ کی متوسط درجہ کی تھی نہ سخت نہ کھردری اور نہ ایسی ملائم جیسی عورتوں کی ہوتی ہے۔آپ کا جسم پلپلا اور نرم نہ تھا بلکہ مضبوط اور جوانی کی سی سختی لیے ہوئے۔آخر عمر میں آپ کی کھال کہیں سے بھی نہیں لٹکی نہ آپ کے جسم پر جھریاں پڑیں۔

آپ کا رنگ:۔

آپ کا رنگ گندمی اور نہایت اعلیٰ درجہ کا گندمی تھا۔یعنی آپ میں ایک نورانیت اور سرخی جھلک مارتی تھی اور یہ چمک جو آپ کے چہرہ کے ساتھ وابستہ تھی۔عارضی نہ تھی بلکہ دائمی کبھی کسی صدمہ، رنج، ابتلا، مقدمات اور مصائب کے وقت آپ کا رنگ زرد ہوتے نہیں دیکھا گیا اور ہمیشہ چہرۂ مبارک کندن کی طرح دمکتا رہتا تھا۔کسی مصیبت اور تکلیف نے اس چمک کو دور نہیں کیا۔علاوہ اس چمک اور نور کے آپ کے چہرہ پر ایک بشاشت اور تبسم ہمیشہ رہتا تھا۔اور دیکھنے والے کہتے تھے کہ اگر یہ شخص مفتری ہے اور اپنے دل میں اپنے تئیں جھوٹا جانتا ہے تو اس کے چہرہ پر یہ بشاشت اور خوشی اور فتح اور طمانیتِ قلب کے آثار کیونکر ہو سکتے ہیں۔یہ نیک ظاہر کسی بدباطن کے ساتھ وابستہ نہیں رہ سکتا۔اور ایمان کا نور بدکار کے چہرہ پر درخشندہ نہیں ہوسکتا۔آتھم کی پیشگوئی کا آخری دن آ گیا اور جماعت میں لوگوں کے چہرے پژمردہ ہیں۔اور دل سخت منقبض ہیں۔بعض لوگ ناواقفی کے باعث مخالفین سے اس کی موت پر شرطیں لگا چکے ہیں۔ہر طرف سے اداسی کے آثار ظاہر ہیں۔لوگ نمازوں میں چیخ چیخ کر رو رہے ہیں کہ اے خداوند! ہمیں رُسوا مت کریو۔غرض ایسا کہرام مچ رہا ہے کہ غیروں کے رنگ بھی فق ہو رہے ہیں۔مگر یہ خدا کا شیر گھر سے نکلتا ہے ہنستا ہوا اور جماعت کے سربراہوں کو مسجد میں بلاتا ہے۔مسکراتا ہوا۔اِدھر حاضرین کے دل بیٹھے جاتے ہیں۔اُدھر وہ کہہ رہا کہ پیشگوئی پوری ہوگئی اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ۔مجھے الہام ہوا۔اس نے حق کی طرف رجوع کیا۔حق نے اس کی طرف رجوع کیا کسی نے اس کی بات مانی نہ مانی۔اس نے اپنی سنا دی اور سننے والوں نے اس کے چہرہ کو دیکھ کر یقین کر لیا کہ یہ سچا ہے ہم کو غم کھا رہا ہے اور یہ بے فکر اور بے غم مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا ہے۔اس طرح کہ گویا حق تعالیٰ نے

آتھم کے معاملہ کا فیصلہ اس کے اپنے ہاتھ میں دیدیا ہے۔اور پھر اس نے آتھم کا رجوع اور بے قراری کو دیکھ کر خود اپنی طرف سے مہلت دے دی اور اب اس طرح خوش ہے جس طرح ایک دشمن کو مغلوب کر کے ایک پہلوان پھر محض دریادلی سے خود ہی اسے چھوڑ دیتا ہے کہ جاؤ ہم تم پر رحم کرتے ہیں۔ہم مرے کو مارنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔

لیکھرام کی پیشگوئی پوری ہوئی تو مخبروں نے فوراً اتہام لگانے شروع کئے۔پولیس میں تلاشی کی درخواست کی گئی۔صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس یکا یک تلاشی کے لیے آموجود ہوئے۔لوگ الگ کر دیئے گئے۔اندر کے باہر، باہر کے اندر نہیں جا سکتے۔مخالفین کا یہ زور کہ ایک حرف بھی مشتبہ تحریر کا نکلے تو پکڑ لیں۔مگر آپ کا یہ عالم کہ وہی خوشی اور مسرت چہرہ پر ہے۔اور خود پولیس افسروں کو لے جا لے جا کر اپنے بستے اور کتابیں، تحریریں اور خطوط اور کوٹھریاں اور مکان دکھا رہے ہیں کچھ خطوط انہوں نے مشکوک سمجھ کر اپنے قبضہ میں بھی کر لیے ہیں مگر یہاں وہی چہرہ ہے اور وہی مسکراہٹ۔گویا نہ صرف بیگناہی بلکہ ایک فتح مبین اور اتمام حجت کا موقعہ نزدیک آتا جاتا ہے برخلاف اس کے باہر جو لوگ بیٹھے ہیں ان کے چہروں کو دیکھو۔وہ ہر ایک کانسٹیبل کو باہر نکلتے اور اندر جاتے دیکھ دیکھ کر سہمے جاتے ہیں۔ان کا رنگ فق ہے ان کو یہ معلوم نہیں کہ اندر تو وہ جس کی آبرو کا انہیں فکر ہے خود افسروں کو بلا بلا کر اپنے بستے اور اپنی تحریریں دکھلا رہا ہے اور اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ایسی ہے کہ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اب حقیقت کی پیشگوئی پورے طور پر کھلے گی اور میرا دامن ہر طرح کی آلائش اور سازش سے پاک ثابت ہوگا۔

غرض یہی حالت تمام مقدمات، ابتلاؤں اور مباحثات میں رہی اور یہ وہ اطمینانِ قلب کا اعلیٰ اور مکمل نمونہ تھا جسے دیکھ کر بہت سے سعید روحیں ایمان لے آئی تھیں۔

آپ کے بال:۔آپ کے سر کے بال نہایت باریک، سیدھے، چکنے، چمکدار اور نرم تھے اور مہندی کے رنگ سے رنگین رہتے تھے۔گھنے اور کثرت سے نہ تھے بلکہ کم کم اور نہایت ملائم تھے گردن تک لمبے تھے۔آپ نہ سر منڈواتے تھے نہ خشخاشی یا اس کے قریب کترواتے تھے بلکہ اتنے لمبے رکھتے تھے کہ جیسے عام طور پر پٹے رکھے جاتے ہیں۔سر میں تیل بھی ڈالتے تھے۔چنبیلی یا حنا وغیرہ کا یہ عادت تھی کہ بال سوکھے نہ رکھتے تھے۔

ریش مبارک:۔آپ کی داڑھی اچھی گھندار تھی۔بال مضبوط، موٹے اور چمکدار سیدھے اور نرم حنا سے سرخ رنگے ہوتے تھے۔داڑھی کو لمبا چھوڑ کر حجامت کے وقت فاضل آپ کتروا دیتے تھے

۔یعنی بے ترتیب اور ناہموار نہ رکھتے تھے۔ بلکہ سیدھی نیچے کو اور برابر رکھتے تھے۔ داڑھی میں بھی ہمیشہ تیل لگایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک پھنسی گال پر ہونے کی وجہ سے وہاں سے کچھ بال پورے کتروائے تھے اور وہ تبرک کے طور پر لوگوں کے پاس اب تک موجود ہیں۔ ریش مبارک تینوں طرف چہرہ کے تھی۔ اور بہت خوبصورت نہ اتنی کم کہ چھدری اور نہ صرف ٹھوڑی پر ہو نہ اتنی کہ آنکھوں تک بال پہنچیں۔

وسمہ مہندی:۔ ابتداء ایام میں آپ وسمہ اور مہندی لگایا کرتے تھے۔ پھر دماغی دورے بکثرت ہونے کی وجہ سے سر اور ریش مبارک پر آخر عمر تک مہندی ہی لگاتے رہے۔ وسمہ ترک کر دیا تھا ۔البتہ کچھ انگریزی وسمہ بھی استعمال فرمایا۔ مگر پھر ترک کر دیا۔ آخری دنوں میں میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی نے ایک وسمہ تیار کر کے پیش کیا تھا وہ لگاتے تھے۔ اس سے ریش مبارک میں سیاہی آ گئی تھی۔ مگر اس کے علاوہ ہمیشہ برسوں مہندی پر ہی اکتفا کیا جو اکثر جمعہ یا بعض اوقات اور دنوں میں بھی آپ نائی سے لگوایا کرتے تھے۔

ریش مبارک کی طرح مونچھوں کے بال بھی مضبوط اور اچھے موٹے اور چمکدار تھے۔ آپ لبیں کترواتے تھے مگر نہ اتنی کہ جو وہابیوں کی طرح منڈھی ہوئی معلوم نہ ہوں اتنی لمبی کہ ہونٹ کے کنارے سے نیچی ہوں۔

جسم پر آپ کے بال صرف سامنے کی طرف تھے۔ پُشت پر نہ تھے اور بعض اوقات سینہ اور پیٹ کے بال آپ مونڈھ دیا کرتے تھے۔ یا کتروا دیا کرتے تھے۔ پنڈلیوں پر بہت کم بال تھے اور جو تھے وہ نرم اور چھوٹے اس طرح ہاتھوں کے بھی۔

چہرہ مبارک:۔ آپ کا چہرہ کتابی یعنی معتدل لمبا تھا اور حالانکہ عمر شریف 70 اور 80 کے درمیان تھی۔ پھر بھی جھریوں کا نام ونشان نہ تھا اور نہ متفکر اور غصہ ور طبیعت والوں کی طرح پیشانی پر شکن کے نشانات تھے۔ رنج، فکر، تردد یا غم کے آثار چہرہ پر دیکھنے کی بجائے زیارت کنندہ اکثر تبسم اور خوشی کے آثار ہی دیکھتا تھا۔

آپ کی آنکھوں کی سیاہی، سیاہی مائل شربتی رنگ کی تھی اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ مگر پپوٹے اس وضع کے تھے کہ سوائے اس وقت کے جب آپ ان کو خاص طور پر کھولیں ہمیشہ قدرتی غضِ بصر کے رنگ میں رہتی تھیں۔ جب مخاطب ہو کر بھی کلام فرماتے تھے تو آنکھیں نیچی ہی رہتی تھیں۔ اسی طرح جب مردانہ مجالس میں بھی تشریف لے جاتے تھے تو بھی اکثر ہر وقت نظر نیچے ہی

رہتی تھی۔ گھر میں بھی بیٹھتے تو اکثر آپ کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ اس مکان میں کون کون بیٹھا ہوا ہے ۔اس جگہ یہ بات بھی بیان کے قابل ہے کہ آپ نے کبھی عینک نہیں لگائی اور آپ کی آنکھیں کام کر کے کبھی نہ تھکتی تھیں۔ البتہ پہلی رات کا ہلال آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ ناک حضرت کی نہایت خوبصورت اور بلند بالا تھی۔ پتلی سیدھی، اونچی اور موزوں۔ نہ پھیلی ہوئی تھی اور نہ موٹی۔ کان حضرت کے بہت متوسط تھے۔ نہ ذرا بڑھے ہوئے نہ باہر کو نکلے ہوئے۔ نہ بالکل سر کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ قلمی آم کی قاش کی طرح اوپر سے بڑے نیچے سے چھوٹے۔ قوت شنوائی آپ کی آخر وقت تک عمدہ اور خدا کے فضل سے برقرار رہی۔

رخسار مبارک آپ کے نہ پچکے ہوئے اندر کو تھے نہ اتنے موٹے کہ بہت باہر کو نکل آئیں۔ نہ رُخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ بھنوئیں آپ کی الگ الگ تھیں۔ پیوستہ ابرو نہ تھے۔

پیشانی اور سر مبارک:۔ پیشانی مبارک آپ کی سیدھی اور بلند اور چوڑی تھی اور نہایت درجہ فراست اور ذہانت آپ کے جبیں سے ٹپکتی تھی۔ علمِ قیافہ کے مطابق ایسی پیشانی بہترین نمونہ اعلیٰ صفات اور اخلاق کا ہے یعنی جو سیدھی ہو نہ آگے کو نکلی ہو نہ پیچھے کو دھنسی ہوئی اور بلند ہو یعنی اونچی اور کشادہ ہو اور چوڑی ہو بعض پیشانیاں گو اونچی ہوں مگر چوڑان ماتھے کی تنگ ہوتی ہے۔ آپ میں یہ تینوں خوبیاں جمع تھیں۔ سر آپ کا بڑا تھا۔ خوبصورت تھا اور علم قیافہ کی رو سے ہر سمت سے پورا تھا یعنی لمبا بھی تھا چوڑا بھی تھا۔ اونچا بھی اور سطح اوپر کی اکثر حصہ ہموار اور پیچھے سے گولائی بھی درست تھی۔ آپ کی کنپٹی کشادہ تھی اور آپ کی کمالِ عقل پر دلالت کرتی تھی۔

لب مبارک:۔ آپ کے لب مبارک پتلے نہ تھے مگر تاہم ایسے موٹے بھی نہ تھے کہ برے لگیں۔ دہانہ آپ کا متوسط تھا اور جب بات نہ کرتے ہوں تو منہ کھلا نہ رہتا تھا۔ بعض اوقات مجلس میں جب خاموش بیٹھے ہوں تو آپ عمامہ کے شملہ سے دہانہ مبارک ڈھک لیا کرتے تھے۔

دندان مبارک آپ کے آخر عمر میں کچھ خراب ہو گئے تھے یعنی کیڑا بعض داڑھوں کو لگ گیا تھا جس سے کبھی کبھی تکلیف ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک داڑھ کا سرا ایسا نوکدار ہو گیا تھا کہ اس سے زبان میں زخم پڑ گیا تھا تو ریتی کے ساتھ اس کو گھسوا کر برابر بھی کرایا تھا۔ مگر کبھی کوئی دانت نکلوایا نہیں تھا۔ مسواک آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ پیر کی ایڑیاں آپ کی بعض دفعہ گرمیوں کے موسم میں پھٹ جایا کرتی تھیں۔ اگرچہ گرم کپڑے سردی گرمی میں پہنتے تھے تاہم گرمیوں میں

پسینہ بھی خوب آتا تھا۔مگر آپ کے پسینہ میں کبھی بو نہیں آتی تھی خواہ کتنے ہی دن بعد کرتا بدلیں اور کیسا ہی موسم ہو۔

گردن مبارک:۔ آپ کی گردن متوسط لمبائی اور موٹائی میں تھی۔آپ ایک حد تک جسمانی زینت کا خیال ضرور رکھتے تھے۔غسلِ جمعہ، حجامت، حِنا، مسواک وغیرہ اور خوشبو، کنگھی اور آئینہ کا استعمال برابر مسنون طریق پر آپ فرمایا کرتے تھے۔مگر ان باتوں میں انہماک آپ کی شان سے بہت دور تھا۔

لباس:۔سب سے اول یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ آپ کو کسی قسم کے خاص لباس کا شوق نہ تھا۔آخری ایام کے کچھ سالوں میں آپ کے پاس کپڑے سادے اور سلے سلائے بطور تحفہ کے بہت آتے تھے۔خاص کر کوٹ، صدری اور پائجامہ قمیص وغیرہ جو اکثر شیخ رحمت اللہ صاحب لاہور ہر عید بقرعید کے موقعہ پر اپنے ہمراہ نذر لاتے تھے۔وہی آپ استعمال فرمایا کرتے تھے۔مگر علاوہ ان کے کبھی کبھی آپ خود بھی بنوالیا کرتے تھے۔عمامہ تو اکثر خود ہی خرید کر باندھتے تھے۔جس طرح کپڑے بنتے تھے اور استعمال ہوتے تھے اسی طرح ساتھ ساتھ خرچ بھی ہوتے جاتے تھے یعنی ہر وقت بترک مانگنے والے طلب کرتے رہتے تھے۔بعض دفعہ تو یہ نوبت پہنچ جاتی کہ آپ ایک کپڑا بطور تبرک کے عطا فرماتے تو دوسرا بنوا کر اسی وقت پہننا پڑتا۔اور بعض سمجھدار اس طرح بھی کرتے تھے کہ مثلاً ایک کپڑا نیا بھیج دیا اور ساتھ عرض کر دیا کہ حضور ایک اپنا اترا ہوا تبرک مرحمت فرمادیں۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔اب آپ کے لباس کی ساخت سنئے۔عموماً یہ کپڑے آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔کرتہ یا قمیص، پائجامہ، صدری، کوٹ، عمامہ۔اس کے علاوہ رومال بھی ضرور رکھتے تھے۔اور جاڑوں میں جُرابیں۔آپ کے سب کپڑوں میں خصوصیت یہ تھی کہ وہ بہت کھلے ہوتے تھے اور اگرچہ شیخ صاحب موصوف کے آوردہ کوٹ انگریزی طرز کے ہوتے مگر وہ بھی بہت کشادہ اور لمبے کہ بعض تو اُن میں سے ٹخنے تک پہنچتے تھے۔اسی طرح کرتے اور صدریاں بھی کشادہ ہوتی تھیں۔

بنیان آپ کبھی نہیں پہنتے تھے بلکہ اس کی تنگی سے گھبراتے تھے۔گرم قمیض جو پہنتے تھے ان کا اکثر اُوپر کا بٹن کھلا رکھتے تھے۔آپ کا طرزِ عمل "ما انا من المتکلفین" کے ماتحت تھا کہ کسی مصنوعی چکڑ بندی میں جو شرعاً غیر ضروری ہے۔پابند رہنا آپ کے مزاج کے خلاف تھا۔اور نہ آپ کو پرواہ تھی کہ لباس عمدہ ہے یا برش کیا ہوا ہے یا بٹن سب درست لگے ہوئے ہیں یا نہیں

۔صرف لباس کی اصل غرض مطلوب تھی۔بار بار دیکھا گیا کہ بٹن اپنا کاج چھوڑ کر دوسرے ہی میں لگے ہوئے تھے۔بلکہ صدری کے بٹن کوٹ کے کاج میں لگائے ہوئے دیکھے گئے۔آپ کی توجہ ہمہ تن آپ کے مشن کی طرف تھی۔اور اصلاح امت میں اتنے محو تھے کہ اصلاح لباس کی طرف توجہ نہ تھی۔آپ کا لباس آخر عمر میں چند سال سے بالکل گرم وضع کا ہی رہتا تھا۔یعنی کوٹ اور صدری اور پاجامہ گرمیوں میں بھی گرم رکھتے تھے اور یہ علالتِ طبع کے باعث تھا سردی آپ کو موافق نہ تھی اس لیے اکثر گرم کپڑے رکھا کرتے تھے۔البتہ گرمیوں میں نیچے کپڑا ململ کا رہتا تھا بجائے گرم کرتے کے۔پاجامہ آپ کا معروف شرعی وضع کا ہوتا تھا۔(پہلے غرارہ یعنی ڈھیلا مردانہ پاجامہ بھی پہنا کرتے تھے مگر آخر عمر میں ترک کر دیا تھا) مگر گھر مین گرمیوں مین کبھی کبھی دن کو اور عادتاً رات کے وقت تہ بند باندھ کر خواب فرمایا کرتے تھے۔

صدری گھر میں اکثر پہنتے رہتے مگر کوٹ عموماً باہر جاتے وقت ہی پہنتے اور سردی کی زیادتی کے دنوں میں اُوپر تلے دو دو کوٹ بھی پہنا کرتے بلکہ بعض اوقات پوستین بھی۔

صدری کی جیب میں یا بعض اوقات کوٹ کی جیب میں آپ کا رومال ہوتا تھا۔آپ ہمیشہ بڑا رومال رکھتے تھے۔نہ کہ چھوٹا جنٹلمینی رومال جو آج کل کا بہت مروّج ہے۔اس کے کونوں میں آپ مشک اور ایسی ہی ضروری ادویہ جو آپ کے استعمال مین رہتی تھیں اور ضروری خطوط وغیرہ باندھ رکھتے تھے۔اور اسی رومال میں نقدی وغیرہ جو نذر لوگ مسجد مین پیش کو دیتے تھے۔باندھ لیا کرتے۔گھڑی بھی آپ ضرور اپنے پاس رکھا کرتے مگر اُس کی کنجی دینے میں چونکہ اکثر ناغہ ہو جاتا۔اس لئے اکثر وقت غلط ہی ہوتا تھا۔اور چونکہ گھڑی جیب میں سے اکثر نکل پڑتی اس لئے آپ اسے بھی رومال میں باندھ لیا کرتے۔گھڑی کو ضرورت کے لئے رکھتے نہ زیبائش کے لئے۔

آپ کو دیکھ کر کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس شخص کی زندگی میں یا لباس میں کسی قسم کا بھی تصنع ہے۔یا یہ زیب و زینت دنیوی کا دلدادہ ہے ہاں البتہ والرجز فاھجر کے ماتحت آپ صاف اور ستھری چیز ہمیشہ پسند فرماتے اور گندی اور میلی چیز سے سخت نفرت رکھتے۔صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ بعض اوقات آدمی موجود نہ ہو تو بیت الخلاء میں خود فینائل ڈالتے تھے۔

عمامہ شریف آپ ململ کا باندھا کرتے تھے اور اکثر دس گز یا کچھ اوپر لمبا ہوتا تھا۔شملہ آپ لمبا چھوڑتے تھے۔کبھی کبھی شملہ کو آگے ڈال لیا کرتے اور کبھی اس کا پلہ دہن مبارک پر بھی

رکھ لیتے جبکہ مجلس میں خاموشی ہوتی۔ عمامہ کے باندھنے کی آپ کی خاص وضع تھی۔ نوک تو ضرور سامنے ہوتی مگر سر پر ڈھیلا ڈھالا لپٹا ہوا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے اکثر رومی ٹوپی رکھتے تھے اور گھر میں عمامہ اتار کر عموماً یہ ٹوپی ہی پہنے رہا کرتے مگر نرم قسم کی دوہری جو سخت قسم کی نہ ہوتی۔

جرابیں آپ سردیوں میں استعمال فرماتے اور ان پر مسح فرماتے۔ بعض اوقات زیادہ سردی میں دو دو جرابیں اوپر تلے چڑھا لیتے مگر بارہا جراب اس طرح پہن لیتے کہ وہ پیر پر ٹھیک نہ چڑھتی۔ کبھی تو سرا آگے لٹکا رہتا اور کبھی جراب کی ایڑی پیر کی پشت پر آجاتی۔ کبھی ایک جراب سیدھی دوسری الٹی۔ اگر جراب کہیں سے کچھ پھٹ جاتی تو بھی مسح جائز رکھتے بلکہ فرماتے تھے کہ رسول کریم صلعم کے اصحاب ایسے موزوں پر بھی مسح کر لیا کرتے تھے جن میں سے ان کی انگلیوں کے پوٹے باہر نکلے رہا کرتے۔

جوتی آپ کی دیسی ہوتی خواہ کسی وضع کی ہو۔ پٹھواری، لاہوری، لدھیانوی، سلیم شاہی، ہر وضع کی پہن لیتے مگر ایسی جو کھلی کھلی ہو۔ انگریزی بوٹ کبھی نہیں پہنا۔ گرگابی حضرت صاحب کو پہنے دیکھا نہیں گیا۔

جوتی اگر تنگ ہوتی تو اس کی ایڑی بٹھا لیتے۔ مگر ایسی جوتی کے ساتھ باہر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ لباس کے ساتھ ایک چیز کا اور بھی ذکر کر دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ عصا ضرور رکھتے تھے۔ گھر میں یا جب مسجد مبارک میں روزانہ نماز کو جانا ہوتا تب تو نہیں مگر مسجد اقصیٰ کو جانے کے وقت یا جب باہر سیر وغیرہ کے لیے تشریف لے جاتے تو ضرور ہاتھ میں ہوا کرتا تھا اور موٹی اور مضبوط لکڑی کو پسند فرماتے مگر کبھی اس پر سہارا یا بوجھ دے کر نہ چلتے تھے۔ جیسے اکثر ضعیف العمر آدمیوں کی عادت ہوتی ہے۔

موسم سرما میں ایک دھسہ لے کر آپ مسجد میں نماز کے لیے تشریف لایا کرتے تھے جو اکثر آپ کے کندھے پر پڑا ہوا ہوتا تھا اور اسے اپنے آگے ڈال لیا کرتے تھے۔ جب تشریف رکھتے تو پھر پیروں پر ڈال لیتے۔ کپڑوں کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کوٹ، صدری، ٹوپی، عمامہ رات کو اتار کر تکیہ کے نیچے ہی رکھ لیتے اور رات بھر تمام کپڑے جنہیں محتاط لوگ شکن اور میل سے بچانے کو الگ جگہ کھونٹی پر ٹانگ دیتے ہیں۔ وہ بستر پر سر اور جسم کے نیچے ملے جاتے اور صبح کو ان کی ایسی حالت ہو جاتی کہ اگر کوئی فیشن کا دلدادہ اور سلوٹ کا دشمن ان کو دیکھ لے تو سر پیٹ لے۔

موسم گرما میں دن کو بھی اور رات کو تو اکثر آپ کپڑے اتار دیتے اور صرف چادر یا لنگی

باندھ لیتے۔ گرمی دانے بعض دفعہ بہت نکل آتے تو اس کی خاطر بھی کرتہ اتار دیا کرتے۔ تہہ بند اکثر نصف ساق تک ہوتا تھا اور گھٹنوں سے اوپر۔

آپ کے پاس اکثر کنجیاں بھی رہتی تھیں۔ یہ یا تو رومال میں یا اکثر ازار بند میں باندھ کر رکھتے۔ روئی دار کوٹ پہننا آپ کی عادت میں داخل نہ تھا نہ ایسی رضائی اوڑھ کر باہر تشریف لاتے بلکہ چادر پشمینہ کی یا دھسہ رکھا کرتے تھے اور وہ بھی سر پر بھی کبھی نہیں اوڑھتے تھے بلکہ کندھوں اور گردن تک رہتی تھی۔ گلوبند اور دستانوں کی آپ کو عادت نہ تھی۔ بستر آپ کا ایسا ہوتا تھا کہ ایک لحاف جس مین پانچ یا چھ سیر روئی کم از کم ہوتی تھی اور اچھا لمبا چوڑا ہوتا تھا۔ چادر بستر کے اوپر اور تکیہ اور توشک۔ توشک آپ گرمی، جاڑے دونوں موسموں میں بسبب سردی کے ناموافقت کے بچھاتے تھے۔

تحریر وغیرہ کا کام پلنگ پر ہی اکثر فرمایا کرتے اور دوات قلم بستر اور کتابیں۔ یہ سب چیزیں پلنگ پر موجود رہا کرتی تھیں کیونکہ یہی جگہ میز، کرسی اور لائبریری سب کا کام دیتی تھی اور مَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْن کا عملی نظارہ خوب واضح طور پر نظر آتا تھا۔

وہ یہ کہ آپ امیروں کی طرح ہر روز کپڑے نہ بدلا کرتے تھے بلکہ جب ان کی صفائی میں فرق آنے لگتا تب بدلتے تھے۔

خوراک کی مقدار: ۔قرآن میں کفار کے لیے وارد ہے۔ یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ کافر سات انتڑیوں میں کھاتا اور مومن ایک میں۔ مراد ان باتوں سے یہ ہے کہ مومن طیب چیز کھانے والا اور دنیا دار یا کافر کی نسبت کم خور ہوتا ہے۔ جب مومن کا یہ حال ہوا تو پھر انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کا کیا کہنا۔ آنخضرت کے دستر خوان پر بھی اکثر ایک سالن ہی ہوتا تھا۔ بلکہ ستّو یا صرف کھجور یا دودھ کا ایک پیالہ ہی ایک غذا ہوا کرتی تھی۔ اسی سنت پر آپ بھی بہت ہی کم خور تھے۔ اور بمقابلہ اس کام اور محنت کے جس میں حضور دن رات لگے رہتے تھے۔ اکثر حضور کی غذا دیکھی جاتی تو بعض اوقات حیرانی سے بے اختیار لوگ یہ کہہ اٹھتے تھے کہ اتنی خوراک پر یہ شخص کیونکر زندہ رہ سکتا ہے۔ خواہ کھانا کیسا ہی عمدہ اور لذیذ ہو اور کیسی ہی بھوک ہو آپ کبھی حلق تک ٹھونس کر نہیں کھاتے تھے۔ عام طور پر دن میں دو وقت مگر بعض اوقات جب طبیعت خراب ہوتی تو دن بھر میں ایک ہی دفعہ نوش فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے چائے وغیرہ ایک پیالی صبح کو بطور ناشتہ بھی پی لیا کرتے تھے۔ آپ کو لذیذ مزیدار کھانے کا ہرگز شوق نہ تھا۔

اوقات :۔ عموماً آپ صبح کا کھانا 10 بجے سے لے کر ظہر کی اذان تک اور شام کا نماز مغرب کے بعد سے سونے کے وقت تک کھالیا کرتے تھے کبھی شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ دن کا کھانا انہوں نے بعد ظہر کھایا ہو۔ شام کا کھانا مغرب سے پہلے کھانے کی عادت نہ تھی مگر کبھی کبھی کھالیا کرتے تھے مگر معمول دو طرح کا تھا جن دنوں میں آپ بعد مغرب عشاء تک باہر تشریف رکھا کرتے تھے۔ اور کھانا گھر میں کھاتے تھے ان دنوں میں یہ وقت عشاء کے بعد ہوا کرتا تھا۔ ورنہ مغرب اور عشاء کے درمیان۔

مدتوں آپ باہر مہمانوں کے ہمراہ کھانا کھایا کرتے تھے اور یہ دستر خوان گول کمرہ یا مسجد مبارک میں بچھا کرتا تھا اور خاص مہمان آپ کے ہمراہ دستر خوان پر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ عام طور پر وہ لوگ ہوا کرتے تھے جن کو حضرت صاحب نامزد کردیا کرتے تھے ایسے دستر خوان پر تعداد کھانے والوں کی دس سے بیس پچیس تک ہو جایا کرتی تھی۔

گھر میں جب کھانا نوش جان فرماتے تھے تو آپ کبھی تنہا مگر اکثر اماں جان یا کسی ایک یا سب بچوں کو ساتھ لے کر تناول فرمایا کرتے تھے۔

سحری آپ ہمیشہ گھر میں ہی تناول فرمایا کرتے تھے اور ایک دو موجودہ آدمیوں کے ساتھ یا تنہا۔ سوائے گھر کے باہر جب کبھی آپ کھانا کھاتے تو آپ کسی کے ساتھ نہ کھاتے تھے۔ یہ آپ کا حکم نہ تھا مگر خدام آپ کی عزت کی وجہ سے ہمیشہ الگ برتن میں کھانا پیش کیا کرتے تھے اگرچہ اور مہمان بھی سوائے کسی خاص وقت کے الگ الگ ہی برتنوں میں کھایا کرتے تھے۔

کس طرح کھانا تناول فرماتے تھے :۔ جب کھانا آگے رکھ دیا جاتا یا دستر خوان بچھتا تو آپ اگر مجلس میں ہوتے تو یہ پوچھ لیا کرتے۔ کیوں جی شروع کریں؟ مطلب یہ کہ کوئی مہمان رہ تو نہیں گیا۔ یا سب کے آگے کھانا آ گیا۔ پھر آپ جواب ملنے پر کھانا شروع کرتے۔ اور تمام دوران میں نہایت آہستہ آہستہ چبا چبا کر کھاتے۔ کھانے میں کوئی جلدی آپ سے صادر نہ ہوتی۔ آپ کھانے کے دوران میں ہر قسم کی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ سالن آپ بہت کم کھاتے تھے اور اگر کسی خاص دعوت کے موقعہ پر دو تین قسم کی چیزیں سامنے ہوں تو اکثر صرف ایک پر ہی ہاتھ ڈالا کرتے تھے اور سالن کی جو رکابی آپ کے آگے سے اٹھتی تھی۔ وہ اکثر ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا اسے کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بہت بوٹیاں اور ترکاری آپ کو کھانے کی عادت نہ تھی بلکہ صرف لعاب سے اکثر چھوا کر ٹکڑا کھالیا کرتے تھے۔ لقمہ چھوٹا ہوتا تھا اور روٹی کے ٹکڑے آپ بہت سے

کرلیا کرتے تھے اور یہ آپ کی عادت تھی۔ دستر خوان سے اٹھنے کے بعد سب سے زیادہ ٹکڑے روٹی کے آپ کے آگے سے ملتے تھے اور لوگ بطور تبرک کے ان کو اٹھا کر کھالیا کرتے تھے۔ آپ اس قدر کم خور تھے کہ باوجودیکہ سب مہمانوں کے برابر آپ کے آگے کھانا رکھا جاتا تھا۔ مگر پھر بھی سب سے زیادہ آپ کے آگے سے بچتا تھا۔

بعض دفعہ تو دیکھا گیا کہ آپ صرف روکھی روٹی کا نوالہ منہ میں ڈال لیا کرتے تھے اور انگلی کا سرا شوربے میں تر کر کے زبان سے چھوا دیا کرتے تا کہ لقمہ نمکین ہو جائے۔ پچھلے دنوں میں جب آپ گھر میں کھانا کھاتے تھے تو آپ اکثر صبح کے وقت مکئی کی روٹی کھایا کرتے تھے اور اس کے ساتھ کوئی ساگ یا صرف لسی کا گلاس یا کچھ مکھن ہوا کرتا تھا یا کبھی اچار سے بھی کھالیا کرتے تھے۔ آپ کا کھانا صرف اپنے کام کے لیے قوت حاصل کرنے کے لیے ہوا کرتا تھا نہ کہ لذت نفس کے لیے۔ ہاں آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو کھانا کھا کر یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ کیا پکا تھا اور ہم نے کیا کھایا۔ ہڈیاں چوسنے اور بڑا نوالہ اٹھانے، زور زور سے چپڑ چپڑ کرنے، ڈکاریں مارنے یا رکابیاں چاٹنے یا کھانے کے مدح و ذم اور لذائذ کا تذکرہ کرنے کی آپ کو عادت نہ تھی بلکہ جو پکتا تھا وہ کھالیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ پانی کا گلاس یا چائے کی پیالی بائیں ہاتھ سے پکڑ کر پیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ابتدائی عمر میں دائیں ہاتھ سے ایسی چوٹ لگی تھی کہ اب تک بوجھل چیز اس ہاتھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ اکڑوں بیٹھ کر آپ کو کھانے کی عادت نہ تھی بلکہ آلتی پالتی بیٹھتے یا بائیں ٹانگ بٹھا دیتے اور دایاں گھٹنا کھڑا رکھتے۔

کیا کھاتے تھے :۔ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ مقصد آپ کے کھانے کو صرف قوت قائم رکھنا تھا نہ کہ لذت اور ذائقہ اٹھانا۔ اس لیے آپ صرف وہ چیزیں ہی کھاتے تھے جو آپ کی طبیعت کے موافق ہوتی تھیں اور جن سے دماغی قوت قائم رہتی تھی تا کہ آپ کے کام میں ہرج نہ ہو۔ علاوہ بریں آپ کو چند بیماریاں بھی تھیں جن کی وجہ سے آپ کو کچھ پرہیز بھی رکھنا پڑتا تھا مگر عام طور پر آپ سب طیبات ہی استعمال فرما لیتے تھے اور اگرچہ اکثر آپ سے یہ پوچھ لیا جاتا کہ آج آپ کیا کھائیں گے؟ مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہوا خواہ کچھ پکا ہو آپ اپنی ضرورت کے مطابق کھا ہی لیا کرتے تھے اور کبھی کھانے کے بدمزہ ہونے پر اپنی ذاتی وجہ سے کبھی خفگی نہیں فرمائی بلکہ اگر خراب پکے ہوئے کھانے اور سالن پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا تو صرف اس لئے اور یہ کہہ کر مہمانوں کو یہ کھانا پسند نہ آیا ہوگا۔

روٹی آپ تندوری اور چولھے کی دونوں قسم کی کھاتے تھے۔ ڈبل روٹی چائے کے ساتھ بسکٹ اور بکرم بھی استعمال فرمایا لیا کرتے تھے۔ بلکہ ولائتی بسکٹوں کو بھی جائز فرماتے تھے اس لیے کہ ہمیں کیا معلوم کہ اس میں چربی ہے کیونکہ بنانے والے کا ادعا تو مکھن ہے پھر ہم ناحق بدگمانی اور شکوک میں کیوں پڑیں۔ مکئی کی روٹی بہت مدت آپ نے آخری عمر میں استعمال فرمائی کیونکہ آخری سات آٹھ سال سے آپ کو دستوں کی بیماری ہوگئی تھی اور ہضم کی طاقت کم ہوگئی تھی۔ علاوہ ان روٹیوں کے آپ شیرمال کو بھی پسند فرماتے تھے اور باقر خانی قلچہ وغیرہ غرض جو جو اقسام روٹی کے سامنے آجایا کرتے تھے۔ آپ کسی کو رد نہ فرماتے تھے۔

سالن آپ بہت کم کھاتے تھے۔ گوشت آپ کے ہاں دو وقت پکتا تھا۔ مگر دال آپ کو گوشت سے زیادہ پسند تھی یہ دال ماش یا اُڑد کی ہوتی تھی جس کے لیے گورداسپور کا ضلع مشہور ہے۔ سالن ہر قسم کا اور ترکاری عام طور پر ہر طرح کی آپ کے دسترخوان پر دیکھی گئی ہے اور گوشت بھی ہر حلال اور طیب جانور کا آپ کھاتے تھے۔ پرندوں کا گوشت آپ کو مرغوب تھا۔ اس لئے بعض اوقات جب طبیعت کمزور ہوتی تو تیتر فاختہ وغیرہ کے لیے شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم کو ایسا گوشت مہیا کرنے کو فرمایا کرتے تھے۔ مرغ اور بٹیروں کا گوشت بھی آپ کو پسند تھا۔ مگر بٹیرے جب سے کہ پنجاب میں طاعون کا زور ہوا۔ کھانے چھوڑ دیئے تھے بلکہ منع کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے گوشت میں طاعون پیدا کرنے کی خاصیت ہے اور بنی اسرائیل میں ان کے کھانے سے سخت طاعون پڑی تھی۔ حضور کے سامنے دو ایک دفعہ گوہ کا گوشت پیش کیا گیا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ جائز ہے جس کا جی چاہے کھالے مگر رسول کریم ﷺ نے چونکہ اس سے کراہت فرمائی۔ اس لیے ہم کو بھی اس سے کراہت ہے اور جیسا کہ وہاں ہوا تھا۔ یہاں بھی مہمانخانہ بلکہ گھر میں بھی کچھ بچوں اور لوگوں نے گوہ کا گوشت کھایا مگر آپ نے اسے اپنے قریب نہ آنے دیا۔ مرغ کا گوشت ہر طرح کا آپ کھالیتے تھے۔ سالن ہو یا بھنا ہوا، کباب ہو یا پلاؤ مگر اکثر ایک ران پر ہی گزارہ کرلیتے تھے اور وہی آپ کو کافی ہوجاتی تھی بلکہ کبھی کچھ بچ بھی رہا کرتا تھا۔ پلاؤ بھی آپ کھاتے تھے مگر ہمیشہ نرم اور گداز اور گلے گلے ہوئے چاولوں کا اور میٹھے چاول تو کبھی خود کہہ کر پکوا لیا کرتے تھے مگر گُڑ کے اور وہی آپ کو پسند تھے۔ عمدہ کھانے یعنی کباب، مرغ، پلاؤ یا انڈے اور اسی طرح فیرینی میٹھے چاول وغیرہ تب ہی آپ کہہ کر پکوایا کرتے تھے۔ جب ضعیف معلوم ہوتا تھا۔ جن دنوں میں تصنیف کا کام کم ہوتا یا صحت اچھی ہوتی تو ان دنوں میں معمولی کھانا ہی کھایا کھاتے

تھے اور وہ بھی کبھی ایک وقت ہی صرف اور دوسرے وقت دودھ وغیرہ سے گزارہ کرلیتے۔ دودھ، بالائی، مکھن یہ اشیاء بلکہ بادام روغن تک صرف قوت کے قیام اور ضعف کے دور کرنے کو استعمال فرماتے تھے اور ہمیشہ معمولی مقدار میں۔ بعض لوگوں نے آپ کے کھانے پر اعتراض کئے ہیں مگر ان بے وقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ ایک شخص جو عمر میں بوڑھا ہے اور اسے کئی امراض لگے ہوئے ہیں اور باوجود اس کے وہ تمام جہاں سے مصروف پیکار ہے۔ ایک جماعت بنا رہا ہے جس کے فرد فرد پر اس کی نظر ہے۔ اصلاحِ بعث کے کام میں مشغول ہے۔ ہر مذہب سے الگ الگ قسم کی جنگ ٹھنی ہے۔ دن رات تصانیف میں مصروف ہے۔ جو نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور عربی میں اور پھر وہی اس کو لکھنا ہو وہی کاپی دیکھتا، وہی پروف درست کرتا اور وہی ان کی اشاعت کا انتظام کرتا ہے۔ پھر سینکڑوں مہمانوں کے ٹھہرنے، اترنے اور علی حسب مراتب کھلانے کا انتظام، مباحثات اور وفود کا اہتمام، نمازوں کی حاضری مسجد میں روزانہ مجلسیں اور تقریریں، ہر روز بیسیوں آدمیوں سے ملاقات اور پھر ان سے طرح طرح کی گفتگو، مقدمات کی پیروی، روزانہ سینکڑوں خطوط پڑھنے اور پھر ان میں سے بہتوں کے جواب لکھنے، پھر گھر میں اپنے بچوں اور اہل بیت کو بھی وقت دیتا اور باہر گھر میں بیعت کا سلسلہ اور نصیحتیں اور دعائیں۔ غرض جس قدر کام اور دماغی محنتیں اور تفکرات کے ہوتے ہوئے اور پھر تقاضائے عمر اور امراض کی وجہ سے اگر صرف اس عظیم الشان جہاد کے لیے قوت پیدا کرنے کو وہ شخص بادام روغن استعمال کرے کیا وہ نہیں جانتا کہ بادام روغن کوئی مزیدار چیز نہیں اور لوگ لذت کے لئے اس کا استعمال نہیں کرتے پھر اگر مزے کی چیز بھی استعمال کی تو ایسی نیت اور کام کرنے والے کے لیے تو وہ فرض ہے حالانکہ ہمارے جیسے کاہل الوجود انسانوں کے لیے وہی کھانے تعیش میں داخل ہیں۔

اور پھر جس وقت دیکھا جائے کہ وہ شخص ان مقوی غذاؤں کو صرف بطور قوت لا یموت اور سدِّ رمق کے طور پر استعمال کرتا ہے تو کون عقل کا اندھا ایسا ہوگا کہ اس خوراک کو لذائذ حیوانی اور حظوظ انسانی سے تعبیر کرے۔ خدا تعالیٰ ہر مومن کو بدظنی سے بچائے۔

دودھ کا استعمال آپ اکثر رکھتے تھے اور سوتے وقت تو ایک گلاس ضرور پیتے تھے اور دن کو بھی پچھلے دنوں میں زیادہ استعمال فرماتے تھے کیونکہ یہ معمول ہوگیا تھا کہ ادھر دودھ پیا اور ادھر دست آ گیا۔ اس لئے بہت ضعف ہوجاتا تھا۔ اس کے دور کرنے کے لیے دن میں تین چار مرتبہ تھوڑا تھوڑا دودھ طاقت قائم کرنے کو پی لیا کرتے تھے۔

دن کے کھانے کے وقت پانی کی جگہ گرمی کے موسم میں آپ لسی بھی پی لیا کرتے تھے۔ اور برف موجود ہو تو اس کو بھی استعمال فرمالیا کرتے تھے۔

ان چیزوں کے علاوہ شیرہ بادام بھی گرمی کے موسم میں جس میں چند دانہ مغز بادام اور چند چھوٹی الائچیاں اور کچھ پسی ہوئی مصری ڈال کر پی لیا کرتے ہیں اور اگرچہ معمولاً نہیں مگر کبھی کبھی رفع ضعف کے لیے آپ کچھ دن متواتر یخنی گوشت یا پاؤں کی پیا کرتے تھے۔ یہ یخنی بھی بہت بدمزہ چیز ہوتی تھی یعنی صرف گوشت کا ابلا ہوا رس ہوا کرتا تھا۔

میوہ جات آپ کو پسند تھے اور اکثر خدام بطور تحفہ کے لایا بھی کرتے تھے۔ گاہے گاہے خود بھی منگواتے تھے۔ پسندیدہ میووں میں سے آپ کو انگور، بمبئی کا کیلا، ناگپوری سنگترے، سیب، سردے، اور سرولی آم زیادہ پسند تھے۔ باقی میوے بھی گاہے گاہے جو آتے رہتے تھے کھالیا کرتے تھے۔ گنا بھی آپ کو پسند تھا۔

شہتوت بیدانہ کے موسم میں آپ بیدانہ اکثر اپنے باغ کی جنس سے منگوا کر کھاتے تھے اور کبھی کبھی ان دنوں سیر کے وقت باغ کی جانب تشریف لے جاتے اور مع سب رفیقوں کے اسی جگہ بیدانہ تڑوا کر سب کے ہمراہ ایک ٹوکرے میں نوش جان فرماتے اور خشک میووں میں سے صرف بادام کو ترجیح دیتے تھے۔

چائے کا میں پہلے اشارہ کر آیا ہوں۔ آپ جاڑوں میں صبح کو اکثر مہمانوں کے لیے روزانہ بنواتے تھے۔ اور خود بھی پی لیا کرتے تھے۔ مگر عادت نہ تھی۔ سبز چائے استعمال کرتے اور سیاہ کو ناپسند فرماتے تھے۔ اکثر دودھ والی میٹھی پیتے تھے۔

زمانہ موجودہ کے ایجادات مثلاً برف اور سوڈا لیمونیڈ، جنجر وغیرہ بھی گرمی کے دنوں میں پی لیا کرتے تھے بلکہ شدت گرمی میں برف بھی امرتسر، لاہور سے خود منگوا لیا کرتے تھے۔

بازاری مٹھائیوں سے بھی آپ کو کسی قسم کا پرہیز نہ تھا۔ نہ اس بات کی پرچول تھی کہ ہندو کی ساخت ہے یا مسلمانوں کی۔ لوگوں کی نذرانہ کے طور پر آوردہ مٹھائیوں میں سے بھی کھا لیتے تھے۔ اور خود بھی روپیہ دو روپیہ کی مٹھائی منگوا کر رکھا کرتے تھے۔ یہ مٹھائی بچوں کے لیے ہوتی تھی کیونکہ وہ اکثر حضور ہی کے پاس چیزیں یا پیسہ مانگنے دوڑے آتے تھے۔ میٹھے بھرے ہوئے سموسے یا بیدانہ عام طور پر دو ہی چیزیں آپ بچوں کے لئے منگوا رکھتے کیونکہ یہی قادیان میں ان دنوں میں اچھی بنتی تھیں۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آپ کو اپنے کھانے کی نسبت اپنے مہمانوں کے کھانے کا زیادہ فکر رہتا تھا اور آپ دریافت فرمالیا کرتے تھے کہ فلاں مہمان کو کیا کیا پسند ہے اور کس چیز کی اس کو عادت ہے چنانچہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے کا جب تک نکاح نہیں ہوا تب تک آپ کو ان کی دلداری کا اس قدر اہتمام تھا کہ وہ روز خود اپنی نگرانی میں ان کے لیے دودھ، چائے، بسکٹ، مٹھائی، انڈے وغیرہ برابر صبح کے وقت بھجا کرتے اور پھر لے جانے والے سے دریافت بھی کر لیتے تھے کہ انہوں نے اچھی طرح سے کھا بھی لیا۔ تب آپ کی تسلی ہوتی۔ اسی طرح خواجہ صاحب کا بڑا خیال رکھتے اور بار بار دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کوئی مہمان بھوکا تو نہیں رہ گیا۔ یا کسی کی طرف سے ملازمان لنگر خانہ نے تغافل تو نہیں کیا۔ بعض موقعہ پر ایسا ہوا کہ کسی مہمان کے لیے سالن نہیں بچا یا وقت پر ان کے لیے کھانا رکھنا بھول گیا تو اپنا سالن یا سب کھانا اس کے لیے اٹھوا کر بھجوا دیا۔

بارہا ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس تحفہ میں کوئی چیز کھانے کی آئی۔ یا خود کوئی چیز آپ نے ایک وقت منگوائی۔ پھر اس کا خیال نہ رہا اور وہ صندوق میں پڑی پڑی سڑ گئی یا خراب ہو گئی اور اسے سب کا سب پھینکنا پڑا۔ یہ دنیادار کا کام نہیں۔ ان اشیاء میں سے اکثر چیزیں تحفہ کے طور پر خدا کے وعدوں کے ماتحت آتی تھیں اور بارہا ایسا ہوا کہ حضرت صاحب نے ایک چیز کی خواہش کی اور وہ اسی وقت کسی نووارد یا مرید با خلاص نے لا کر حاضر کر دی۔

آپ کو کوئی عادت کسی چیز کی نہ تھی۔ پان البتہ کبھی کبھی دل کی تقویت یا کھانے کے بعد منہ کی صفائی کے لیے یا کبھی گھر میں سے پیش کر دیا گیا۔ تو کھا لیا کرتے تھے یا کبھی کھانسی نزلہ یا گلے کی خراش ہوئی تو بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حقہ تمباکو کو آپ ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ ایک موقعہ پر کچھ حقہ نوشوں کو نکال بھی دیا تھا۔ ہاں جن ضعیف العمر لوگوں کو مدت العمر سے عادت لگی ہوئی تھی ان کو آپ نے بسبب مجبوری کے اجازت دے دی تھی۔ کئی احمدیوں نے تو اس طرح پر حقہ چھوڑا کہ ان کو قادیان میں وارد ہونے کے وقت حقہ کی تلاش میں تکیوں میں یا مرزا نظام الدین وغیرہ کی ٹولی میں جانا پڑتا تھا۔ اس لیے باغیرت لوگوں نے ہمیشہ کے لیے حقہ کو الوداع کہی۔

ہاتھ دھونا وغیرہ: کھانے سے پہلے اور بعد میں ضرور ہاتھ دھویا کرتے تھے اور سردیوں میں اکثر گرم پانی استعمال فرماتے۔ صابن بہت ہی کم برتتے تھے۔ کپڑے یا تولئے سے ہاتھ پونچھا کرتے

تھے۔ کلی بھی کھانے کے بعد فرماتے تھے اور خلال بھی ضرور رکھتے تھے جو اکثر کھانے کے بعد کیا کرتے تھے۔

رمضان کی سحری کے لیے آپ کے لیے سالن یا مرغی کی ایک ران اور فرنی عام طور پر ہوا کرتے تھے اور سادہ روٹی کے بجائے ایک پراٹھا ہوا کرتا تھا اگرچہ آپ اس میں سے تھوڑا سا ہی کھاتے تھے۔

کھانے میں مجاہدہ:۔ اس جگہ یہ ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اوائل عمر میں گوشہ تنہائی میں بہت بہت مجاہدات کئے ہیں اور ایک موقعہ پر متواتر چھ ماہ کے روزے منشائے الٰہی سے رکھے اور گھر سے جو کھانا آتا وہ چھپا کر کسی مسکین کو دے دیا کرتے تھے تاکہ گھر والوں کو معلوم نہ ہو مگر اپنی جماعت کے لیے عام طور پر آپ نے ایسے مجاہدے پسند نہیں فرمائے بلکہ اس کی جگہ تبلیغ اور قلمی خدمات کو مخالفان اسلام کے برخلاف اس زمانہ کا جہاد قرار دیا۔ پس ایسے شخص کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ دنیاوی لذتوں کا خواہشمند ہے۔ سراسر ظلم نہیں تو کیا ہے؟

لنگر خانہ میں آپ کے زمانہ میں زیادہ تر دال اور خاص مہمانوں کے لیے گوشت پکا کرتا تھا مگر جلسوں یا عیدین کے موقعہ پر یا جب کبھی آپ کے بچوں کا عقیقہ یا کوئی اور خوشی کا موقعہ ہو تو عام طور پر اس دن پلاؤ یا زردہ کا حکم دے دیا کرتے تھے کہ غرباء کو بھی اس میں شریک ہونے کا موقعہ ملے۔

ادویات:۔ آپ خاندانی طبیب تھے۔ آپ کے والد ماجد اس علاقہ میں نامی گرامی طبیب گزر چکے ہیں اور آپ نے بھی طب سبقاً سبقاً پڑھی ہے مگر باقاعدہ مطب نہیں کیا۔ کچھ تو خود بیمار رہنے کی وجہ سے اور کچھ چونکہ لوگ علاج پوچھنے آجاتے تھے۔ آپ اکثر مفید اور مشہور ادویہ اپنے گھر میں موجود رکھتے تھے نہ صرف یونانی بلکہ انگریزی بھی اور آخر میں تو آپ کی ادویات کی الماری میں زیادہ تر انگریزی ادویہ ہی رہتی تھیں۔ مفصل ذکر طبابت کے نیچے آئے گا۔ یہاں اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ آپ کئی قسم کی مقوی دماغ ادویات کا استعمال فرمایا کرتے تھے مثلاً کوکا کولا۔ مچھلی کے تیل کا مرکب۔ ایسٹن سرپ۔ کونین۔ فولاد وغیرہ اور خواہ کیسی ہی تلخ یا بدمزہ دوا ہو۔ آپ اس کو بے تکلف پی لیا کرتے۔

سر کے دورے اور سردی کی تکلیف کے لیے سب سے زیادہ آپ مشک یا عنبر استعمال رمایا کرتے تھے اور ہمیشہ نہایت اعلیٰ قسم کا منگوایا کرتے رہتے تھے۔ یہ مشک خریدنے کی ڈیوٹی

آخری ایام میں حکیم محمد حسین صاحب لاہوری موجود مفرح عنبری کے سپرد تھی۔ عنبر اور مشک دونوں مدت تک سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی کی معرفت بھی آتے رہے۔ مشک کی تو آپ کو اس قدر ضرورت رہتی کہ بعض اوقات سامنے رومال میں رکھتے تھے کہ جس وقت ضرورت ہوئی فوراً نکال لیا۔

عادات و معمولات

آپ کے معمولات کا تو خلاصہ صرف ایک ہی فقرے میں سمویا جاسکتا ہے کہ آپ کی زندگی ہر لحظہ ہر لمحہ اور ہر آن دین کی خدمت اور اشاعت کے لیے وقف تھی اور آپ ان صلوتی و نسکی محیای و مماتی اللہ رب العالمین (بے شک میری نماز ہر، میری قربانی، میری زندگی اور میرے موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے) کی سچی تصویر تھے۔ ایک موقعہ پر فرمایا۔ ''میرا تو یہ حال ہے کہ پاخانہ، پیشاب پر بھی افسوس ہوتا ہے کہ اتنا وقت ضائع ہو جاتا ہے کہ یہ بھی کسی دینی کام میں لگ جائے۔ آپ کے معمولات سنت نبوی کے رنگ میں ڈھلے ہوتے تھے۔

1-نماز کے متعلق معمول:۔ حضرت مرزا صاحب کا معمول یہ تھا کہ آپ سنن اور نوافل گھر پر پڑھا کرتے تھے اور فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھاتے۔ یہ التزام آپ کا آخر وقت تک رہا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ بعض لوگ جماعت میں دیر سے شریک ہوتے۔ امام کی سلام کے بعد وہ کھڑے ہو کر اپنی بقیہ نماز ادا کرتے تو راستہ نہ ہونے کی وجہ سے سنن مسجد میں پڑھ لیتے۔

2-حضرت مولانا نورالدین کی شہادت:۔ حضرت مولانا نورالدین امیر جماعت احمدیہ نے 2 ذی الحجہ 1329 ہجری کے درس قرآن میں فرمایا ''حضرت صاحب (مرزا غلام احمد قادیانی) کی عادت تھی کہ آپ فرض پڑھنے کے فوراً بعد اندرون خانہ چلے جاتے تھے اور ایسا ہی اکثر میں بھی کرتا ہوں۔''

3-نماز کے بعد استراحت:۔ دور ماموریت سے قبل آپ نماز فجر کے بعد استراحت فرماتے تھے مگر دعویٰ ماموریت کے بعد جب دینی مصروفیت بڑھ گئیں تو یہ حالت بھی نہ رہی۔ کبھی استراحت فرما لیتے اور کبھی نہیں اور جب آپ مسجد میں فجر کی نماز کے بعد بیٹھ جاتے تو آپ کا معمول تھا کہ آپ اصحاب کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ کسی خواب یا الہام کا اظہار فرماتے اور اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو وہ سنتے اور اس کی تعبیر فرماتے۔

4-باوضو رہنا:۔ آپ کے معمولات اور عادات میں یہ بات داخل تھی کہ آپ ہمیشہ باوضو رہتے۔ مولوی محمد فضل صاحب جھنگوی نے نہج المصلی کے صفحہ 32 میں لکھا ہے کہ ''حضرت صاحب ہر وقت باوضو رہتے تھے۔''

5-رات کوتحریری کام کرنے کی عادت:۔ مرزا صاحب کی عادت تھی کہ آپ رات کو عموماً تحریر کا کام کیا کرتے تھے۔ یہ کام عموماً موم بتیوں کی روشنی میں کرتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں دیسی چراغ جلایا کرتے تھے۔ پھر بعثت کے بعد عموماً موم بتی ہی سے کام لیا ہے۔ مٹی کے تیل کو ناپسند کرتے تھے۔

6-اخبار بینی کی عادت:۔ آپ کو اخبار پڑھنے کی عادت تھی۔ دعویٰ مجددیت سے پہلے اخبار وکیل ہندوستان۔ سفیر ہند امروز۔ نورافشاں لودہانہ۔ برادر ہند لاہور۔ وزیر ہند سیالکوٹ۔ منشور محمدی بنگلور۔ ودیا پرکاش امرتسر۔ آفتاب پنجاب لاہور۔ ریاض ہند امرتسر اور اشاعۃ السنہ بٹالہ خرید کر پڑھا کرتے تھے۔

ان میں سے بعض اخبارات میں خود بھی مضامین لکھتے تھے۔ دعویٰ مجددیت کے بعد مختلف زبانوں کے اخبارات قادیان میں آنے لگے۔ غیر زبانوں کے اخبارات کا ترجمہ کروا کر سنتے۔ اگر کوئی مضمون اسلام کے خلاف ہوتا۔ فوراً اس کا جواب شائع کرواتے۔ آخری زمانہ میں اخبار عام پڑھا کرتے تھے۔ یہ اخبار تعصب سے خالی تھا۔ اس میں اپنا مضمون بھی بھیج دیا کرتے تھے۔

7- تصنیف وتالیف کے متعلق آپ کا معمول:۔ آپ نے جب سے قلمی جہاد شروع کیا۔ آپ کی عادت میں یہ بات داخل تھی کہ کاغذ لیتے۔ دونوں طرف شکن ڈال کر لکھنا شروع کر دیتے۔ جب کاغذ ختم ہو جاتا تو اس کو بغیر استعمال بلاٹنگ پیپر رکھ دیتے۔ اس کے بعد دوسرا لیتے۔ آپ آخر عمر میں ٹیڑھے نب استعمال کیا کرتے تھے۔ ایک زمانہ تک شمشیر قلم نب بھی آپ نے استعمال کیا۔

پروف خود پڑھتے۔ آخری پروف تک مضمون میں اضافہ کرتے رہتے۔ آپ کی یہ عجیب عادت تھی کہ آپ اکثر ٹہل کر لکھا کرتے تھے۔ اس مطلب کے لیے دو طرف قلم دوات رکھ لیا کرتے تھے۔ ٹہلتے بھی جاتے اور لکھتے بھی جاتے تھے۔ بعض لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مضامین چلتے پھرتے ہیں یعنی ان میں حسن اور زندگی ہے۔

یہ ایک مصدقہ بات ہے کہ آپ ٹہل کر تصنیف وتالیف کام کرتے۔ یہ ایک اعجازی کام ہی ہو سکتا ہے لیکن انسان کی سوچ سے باہر ہے کہ کس طرح اپنے مضمون میں تسلسل قائم رکھتے۔

8-خطوط نویسی کی عادت:۔ آپ اپنے اعزو اقارب، احباب اور مریدین کو خطوط تحریر فرماتے۔ آپ کی عادت میں یہ بات داخل تھی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور نحمدہ ونصلی سے ابتداء کرتے۔ مکتوب الیہ کی تکریم وتحریم ملحوظ رکھتے۔ آپ کے خط میں مختصر القاب عام طور پر جی فی اللہ اخویم اور مکرمی ہوا کرتے تھے۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ تعظیمی اور تکریمی لفظ کے ساتھ دوسرے کو پکارتے۔ یہ باتیں آپ کے مکتوبات کے ملاحظہ سے عیاں ہو جاتی ہیں۔ جن کی کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

9-سیر کی عادت:۔ حضرت مرزا صاحب کی عادت میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ آپ روزانہ سیر کو جایا کرتے تھے۔ پہلے اکیلے سیر کو جایا کرتے تھے پھر لالہ ملاوامل اور شرمپت رائے (قادیان کے دو ہند) آپ کی خدمت میں آنے جانے لگے تو یہ بھی آپ کے ساتھ سیر میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ سیر کا وقت سردی کے دنوں میں آٹھ یا نو بجے اور گرمیوں میں صبح ہی۔ جیسا کہ ملاوامل کہتے ہیں۔ سردیوں کے دنوں میں آٹھ یا نو بجے کے قریب اور گرمیوں میں صبح ہی سیر کو چلے جاتے تھے اور وہ اڑھائی میل تک ہوا خوری کے لئے جاتے تھے۔ اس عرصہ میں واقعات جاریہ اور مذہبی معاملات پر تبادلہ خیالات ہوتا تھا اور کبھی کبھی تفریح مگر نہایت ہی پاک اور بے ضرر تفریح کی باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں (حیات النبی صفحہ 48 مصنف یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم)

یہ سلسلہ سیر کا آخری عمر تک جاری رہا۔ سفر میں کبھی بند نہیں ہوا۔ دعویٰ مجددیت کے بعد جب لوگوں کی کثرت ہوئی تو آپ کی سیر کے وقت ایک جم غفیر آپ کے ساتھ ہو لیتا۔ سیر میں بھی تعلیم اسلام اور قرآنی حقائق اور معارف پر ہی باتیں ہوتیں۔

آپ کے معمولات سیر میں یہ بات داخل تھی کہ آپ مولوی نورالدین اور نواب محمد علی خان کے دروازہ پر تھوڑی دیر ٹھہر کر ان کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔

چلنا آپ کی عادت میں تھا۔ اگر کبھی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر کہیں گاڑی کے چلنے میں تاخیر ہے تو پلیٹ فارم پر لیٹے رہتے۔

کبھی سیر میں تنہا بھی نکل جاتے تھے اور کسی کے علم میں بھی نہیں ہوتا تھا۔ یہ اس وقت ہوتا جب آپ کا مقصد لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر جنگل میں چھپ کر دعا کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر خود آپ نے لکھا ہے جو نزول المسیح کے صفحہ 234 پیشگوئی نمبر 117 کے ضمن میں شائع ہوا کہ

''ایک دفعہ ہمیں اتفاقاً پچاس روپیہ کی ضرورت پیش آئی اور جب کہ اہل فقر اور توکل پر کبھی کبھی ایسی حالت گزرتی ہے اس وقت ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ سو جب ہم صبح کے وقت سیر کے واسطے گئے تو اس ضرورت کے خیال نے ہم کو یہ جوش دیا کہ اس جنگل میں دعا کریں۔ پس ہم نے ایک پوشیدہ جگہ میں جا کر اس نہر کے کنارے پر دعا کی جو قادیان سے تین میل کے فاصلہ پر بٹالہ کی طرف واقع ہے۔ جب ہم دعا کر چکے تو دعا کے ساتھ ہی ایک الہام ہوا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''دیکھو میں تیری دعاؤں کو کیسے جلد قبول کرتا ہوں۔'' تب ہم خوش ہو کر قادیان کی طرف واپس آئے اور بازار کا رخ کیا تا کہ ڈاک خانہ سے دریافت کریں کہ آج ہمارے نام کچھ روپیہ آیا ہے یا نہیں۔ چنانچہ ہمیں ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ پچاس روپیہ لودہانہ سے کسی نے روانہ کئے ہیں اور غالباً وہ روپیہ اسی دن یا دوسرے دن ہمیں مل گیا۔

جم غفیر کی وجہ سے گرد و غبار اٹھتا۔ جس سے آپ کے کپڑے خاک آلودہ ہو جاتے تھے۔ مگر آپ پروا نہ کرتے اور نہ کبھی ذکر کرتے۔ ایک دفعہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ آپ جب سیر کو تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ کو گرد و غبار کے اڑنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ آپ کا چہرہ اور کپڑے سب گرد و غبار ہو جاتے ہیں۔ آپ لوگوں کو منع کر دیں کہ ساتھ نہ چلا کریں۔ ایک دو آدمی ہمراہ لے لیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ ''مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ بہت بڑی خوشی ہے۔ ان کو اس بات سے روک نہیں سکتا۔ یہ خدا کا فعل ہے۔ خدا نے بھی یہی فرمایا ہے۔ وَلَا تَسئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی لوگوں کی ملاقات سے ہرگز نہ تھکنا۔

10- مطالعہ کتب کی عادت:۔ آپ کو بچپن سے ہی مطالعہ کتب کی عادت تھی۔ آپ کا خاندان ایک علمی خاندان تھا۔ ایک بڑا کتب خانہ بھی آپ کے ہاں تھا۔ اس میں ہر قسم کی کتب موجود تھیں۔ آپ اکثر گوشہ تنہائی میں رہتے اور مطالعہ میں مشغول رہتے۔ جب کبھی مطالعہ کے لیے کسی کمرہ میں داخل ہوتے تو ہمیشہ دروازہ بند کر کے زنجیر لگا دیتے۔ آپ مذہبی کتب کا مطالعہ فرماتے۔ قرآن مجید کی زیادہ تلاوت فرماتے۔ دیگر مذاہب کی کتب خصوصاً زیر مطالعہ رہتیں تا کہ کسی معترض کا جواب بروقت دیا جا سکے۔

دعویٰ مجددیت کے بعد مصروفیات بڑھ گئیں تو تالیف و تصنیف کے کاموں سے فرصت کم ملتی تھی۔ اس لیے اس دور میں پہلے کی نسبت مطالعہ کم ہو گیا۔ لیکن جب کوئی نئی کتاب شائع ہوتی تو اس کو منگوا کر مطالعہ فرماتے۔ اگر کوئی انگریزی کی کتاب ہوتی تو اس کے مخصوص موضوعات کا ترجمہ

کروا کر سن لیا کرتے تھے تا کہ اگر کسی موضوع کا جواب دینا مقصود ہو تو جواب دیا جا سکے۔

آپ کی نظر معترضین کے لٹریچر پر رہتی۔ ادھر کسی معترض کا اعتراض چھپا نہیں۔ ادھر فوری طور پر اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں قلم رواں ہو جاتا اور معارف کے دریا بہا دیتا اور کوئی جواب دلائل کے بغیر نہ ہوتا۔ آپ کی کتب کا مطالعہ کیجئے کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے نہیں۔

11- معمولات مجلس:۔ مجلس میں جب آپ تشریف رکھتے تھے تو عام طور پر آپ آلتی پالتی مار کر بیٹھتے۔ جب کہ آپ فرش پر ہوتے تھے۔ جب مسجد کے شہ نشین پر بیٹھتے تو ہمیشہ اس طریق سے نشست فرماتے تھے جس طرح کرسی پر بیٹھا کرتے ہیں۔ گرمی کے موسم میں دستار مبارک اتار کر رکھ لیا کرتے تھے۔

مجلس میں سوائے دینی امور کے اور کوئی بات نہ ہوتی۔ اگر کسی معترض کا جواب دے رہے ہوتے تو آپ کی آواز میں ایک خاص قسم کا جوش اور قوت اثر ہوتا تھا۔

مجلس میں کبھی لغو اور بیہودہ بات نہیں ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اپنا حال سنانے لگے یا کوئی مضمون نظم و نثر سنانے کے لیے اجازت مانگے تو آپ کبھی نہ روکتے۔ اور نہ درمیان میں بولتے۔ آپ سنتے ہی رہتے۔ خواہ مضمون کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے ناپسند کرتے ہوں مگر آپ کبھی بھی اشارۃً کنایۃً یا صراحتاً اس کی مذمت نہ کرتے۔ اگر کوئی دینی پہلو سے کوئی غلطی ہوتی تو اس کی اصلاح فرما دیتے۔

12- معمولات سفر:۔ آپ نے سفر بطور تفریح یا سیر کے نہیں کیا۔ خاص اغراض کے پیش نظر سفر اختیار کیا کرتے تھے۔ دعویٰ مجددیت سے قبل آپ نے جو سفر اختیار کئے وہ مقدمات کے سلسلہ میں والد صاحب کی اطاعت کے پیش نظر بٹالہ، گورداسپور، رامپوری اور لاہور تک محدود تھے۔ اس زمانے میں آپ نے سیالکوٹ اور جموں کے دو سفر بھی بغرض ملازمت کئے اسی حصہ عمر میں بعض صلحا کے پاس بھی آپ جایا کرتے تھے۔ دعویٰ کے بعد آپ کے سفروں کی غرض محض اعلائے کلمۃ اللہ اور تبلیغ اسلام تھی۔

والد صاحب کی حیات میں مقدمات کی پیروی میں جو سفر اختیار کئے ان میں اپنے ساتھ کسی قسم کا سامان نہیں لیتے تھے۔ صرف وہی لباس ہوتا تھا جو آپ پہنے ہوئے ہوتے تھے اور ایک مختصر سا بستر، ایک لوٹا اور گلاس بھی لیا کرتے تھے۔ دعویٰ کے بعد اسفار کی نوعیت بدل گئی۔ سفروں میں مریدین کی ایک جماعت بھی ساتھ ہوا کرتی تھی۔ اس لیے آپ کا معمول تھا کہ بہت سی موم

بتیاں مختلف قسم کی ضروری ادویات، دیا سلائی وغیرہ تک ساتھ رکھا کرتے تھے۔ قلم، کاغذ اور دوات یہ چیزیں بھی ساتھ رکھا کرتے تھے۔

لمبے اسفار میں اپنی زوجہ نصرت جہاں بیگم اور بچے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ ریلوے کے سفر میں سکنڈ کلاس کے ڈبے میں سفر کیا کرتے تھے۔ وہ بھی بیت الخلاء کی ضرورت کے پیش نظر آپ کو پیشاب کی تکلیف تھی۔ تھرڈ کلاس میں سفر کرلیا کرتے تھے۔

آپ نے جب رات کا سفر کرنا ہوتا تو پچھلی رات کو سفر اختیار کرتے تا کہ پہلی رات کو آرام کولیا جائے۔

باب پنجم

حسن معاشرت، اخلاق فاضلہ

بی بی سے حسن سلوک:۔

بی بی سے حسن سلوک کرنے کی اسلام نے بہت تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بالمَعْرُوفِ. ''اور ان سے (عورتوں) سے عمدہ سلوک کرو۔''

وَلَهُنَّ مثل اَلذِی عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورہ البقرہ 2:228) اور عورتوں کے لیے عام طور پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حقوق ہیں۔

ہر گھر میں عورت کو ایک راعیہ (حاکم) کی حیثیت حاصل ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ''تم میں سے ہر ایک حاکم ہے پھر ہر ایک اپنی اپنی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اور امیر (بادشاہ) رعایا پر حاکم ہے اور مرد اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کا بچوں پر حاکم ہے، سو ہر ایک تم میں سے حاکم ہے اور ہر ایک اپنی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (بخاری کتاب 67 النکاح باب 91 المراءۃ راعیۃ فی بیت زوجھا)

نبی کریم ﷺ نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے فرمایا۔ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ (مشکوۃ المصابیح کتاب النکاح فی عشرہ النکاح الفضل الثانی) تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے نیک سلوک کرے۔

ایک اور روایت ہے۔ خیار کم خیار کم نسائهم اتقوا الله فی النّساء (مسلم اور ابوداؤد احمد)

تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں سے بہتر سلوک کرے۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

مرزا صاحب اپنے اہل خانہ سے حسن معاشرت کے بارے میں اسلام ایک سچی تصویر

تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی جو سالہا سال مرزا صاحب کے مکان کے ایک حصہ میں فروکش تھے۔ اس کا اپنا چشم دید بیان نہایت معتبر اور دقیع ہے وہ اپنی کتاب ''سیرت مسیح موعود میں رقمطراز ہیں۔

''عرصہ قریب پندرہ برس کا گزرتا ہے جب سے حضرت نے بار دیگر خدا تعالیٰ کے امر سے معاشرت کے بھاری اور نازک فرض کو اٹھایا ہے (یعنی نکاح ثانی کیا ہے۔ناقل) اس اثنا میں کبھی ایسا موقعہ نہیں آیا کہ خانہ جنگی کی آگ مشتعل ہوئی ہو۔ کوئی بشر خیال کر سکتا ہے کہ ضعیف اور کم علم جنس کی طرف سے اتنے دراز عرصہ میں کوئی ایسی ادا یا حرکت خلاف طبع سرزد نہ ہوئی ہو گی؟ تجربہ اور عرف عام گواہ ہے کہ خانہ نشین ہم پہلو (یعنی بی بی ، ناقل) کج طبعی اور جہالت سے کیسے کیسے رنجیدہ امور کے مصدر ہوا کرتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ ٹھنڈا دل اور بہشتی قلب قابل غور ہے جسے اتنی مدت میں کسی قسم کی رنج اور تنغصِ عیش کی آگ کی آنچ تک نہ چھوئی ہو۔ وہ کڑوا گوشت کا ٹکڑا جو تمام زہروں کا مخزن اور ہر قسم کے غل اور حسد اور کینہ و عداوت کا منشاء ہے اور جو اس عالم میں دوزخ در بغل ہے اگر کسی شخص سے قطعاً مسلوب نہ ہو چکا ہو۔ اور خدائے قدوس کے دست خاص نے اس کا تزکیہ و تطہیر اور شرح صدر نہ کیا ہو تو خیال میں آ سکتا ہے کہ پر پیچ و تاب اور آتش ناک زندگی میں اسے سکون اور وقار اور جمعیت سے زندگی بسر کر سکے۔ ایک ہی خطرناک اور قابل اصلاح عیب ہے جو سارے اندرونی فتنوں کی جڑ ہے۔ وہ کیا؟ بات بات پر نکتہ چینی اور چڑ اور یہ عیب ایسے منقبض اور تنگ دل کی خبر دیتا ہے کہ جس کی نسبت بہ آسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ اس عالم میں دم نقد دوزخ میں ہے دس برس سے میں بڑی غور اور نکتہ چینی کی نگاہ سے ملاحظہ کرتا رہا ہوں اور پوری بصیرت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت اقدس کی جبلت پاک میں شیطان کے اس مسئلہ کا کوئی بھی حصہ نہیں۔ اس بات کو اندرون خانہ کی خدمتگار عورتیں جو عوام الناس سے ہیں اور فطری سادگی اور انسانی جامہ کے سوا کوئی تکلف اور تصنع کی زیرکی اور استنباطی قوت نہیں رکھتیں۔ بہت عمدہ طرح سے محسوس کرتی ہیں تعجب سے دیکھتی ہیں اور زمانہ اور اپنے اور اپنے گردوپیش کے عام عرف اور برتاؤ کے بالکل برخلاف دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتی ہیں۔ اور میں نے بارہا انہیں خود حیرت سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ''مرجا بیوی دی گل بڑی مندا ہے۔'' ایک دن خود حضرت فرماتے تھے کہ ''فحشاء کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں۔'' اور فرمایا کہ '' ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ ہم کو خدا

نے مرد بنایا اور یہ درحقیقت ہم پر اتمام نعمت ہے۔ اس کا شکریہ یہ ہے کہ عورتوں سے ہم لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔''

''ایک دفعہ ایک دوست کی درشت مزاجی اور بدزبانی کا ذکر ہوا کہ وہ اپنی بیوی سے سختی سے پیش آتا ہے۔ حضرت اس بات سے بہت کشیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا۔ ''ہمارے احباب کو ایسا نہ ہونا چاہیے۔''

''جن دنوں امرت سر میں ڈپٹی آتھم سے مباحثہ تھا ایک رات خان محمد شاہ مرحوم کے مکان پر بڑا مجمع تھا۔ اطراف سے بہت سے دوست مباحثہ دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ حضرت اس دن جس کی شام کا واقعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ معمولاً سردرد سے بیمار ہو گئے تھے۔ شام کو جب مشاقان زیارت ہمہ تن چشم انتظار ہو رہے تھے۔ حضرت مجمع میں تشریف لائے ۔ منشی عبدالحق صاحب لاہوری پنشنر نے کمال محبت اور رسم دوستی کی بنا پر بیماری کی تکلیف کی نسبت پوچھنا شروع کیا اور کہا کہ آپ کا کام بہت نازک اور آپ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے۔ آپ کو چاہیے کہ جسم کی صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں اور ایک خاص مقوی غذا لازماً آپ کے لیے ہر روز تیار ہونی چاہیے۔ حضرت نے فرمایا۔ ''ہاں بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کہا بھی ہے مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف ہوتی ہیں کہ اور باتوں کی چنداں پروا نہیں کرتیں۔'' اس پر ہمارے پرانے موحد خوش اخلاق نرم طبع مولوی عبداللہ غزنوی کے مرید منشی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں۔ ''اجی حضرت آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رعب پیدا نہیں کرتے۔ میرا یہ حال ہے کہ میں کھانے کے لیے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں اور ممکن ہے کہ میرا حکم کبھی ٹل جائے اور میرے کھانے کے لیے اہتمام خاص میں کوئی سرمو فرق آ جائے؟ ورنہ ہم دوسری طرح خبر لے لیں۔'' میں ایک طرف بیٹھا تھا منشی صاحب کی اس بات پر اس وقت خوش ہوا۔ اس لیے کہ یہ بات بظاہر میرے محبوب و آقا کے حق میں تھی اور میں خود فرط محبت سے اسی سوچ بچار میں رہتا تھا کہ معمولی غذا سے زیادہ عمدہ غذا آپ کے لیے ہونی چاہیے اور ایک دماغی محنت کرنے والے انسان کے حق میں لنگر کا معمولی کھانا بدل ما تحلل نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر میں نے منشی صاحب کو اپنا بڑا موید پایا اور بے سوچے سمجھے ، بوڑھے صوفی ۔۔۔۔۔ کی تائید میں بول اٹھا کہ ہاں حضرت منشی صاحب درست فرماتے ہیں حضور کو بھی چاہیے کہ درشتی سے یہ امر منوائیں۔ حضرت نے میری طرف دیکھا اور تبسم سے فرمایا۔ ''ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیے۔'' ۔۔۔ بس خدا ہی

خوب جانتا ہے کہ میں اُس مجمع میں کس قدر شرمندہ ہوا اور مجھے سخت افسوس ہوا کہ کیوں میں نے ایک لمحہ کے لیے بھی بوڑھے تجربہ کار زم خوصوفی کی پیروی کی۔۔۔۔۔اس بدمزاج دوست کا واقعہ سن کر آپ معاشرت نسوان کے بارے میں دیر تک گفتگو کرتے رہے اور آخر میں فرمایا۔ ''میرا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی پر آوازہ کسا تھا اور میں محسوس کرتا تھا کہ وہ بانگِ بلند دل کے رنج سے ہی ہوئی ہے اور بااینہمہ کوئی دلآزار اور درشت کلمہ منہ سے نہیں نکالا تھا۔اس کے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا اور بڑے خشوع وخضوع سے نفلیں پڑھیں اور کچھ صدقہ بھی دیا کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیت الٰہی کا نتیجہ ہے۔'' مجھے اس بات کے سننے سے اپنے حال اور معرفت اور عمل کا خیال کر کے کس قدر شرم اور ندامت حاصل ہوئی کہ یہ غیر معمولی تقویٰ اور خشیت اللہ اور دقائق تقویٰ کی رعایت معمولی انسان کا کام نہیں ۔ورنہ مَیں اور میرے امثال سینکڑوں اسلام اور اتباع سنت کے دعوے میں کم لاف زنی نہیں کیا کرتے اور اس میں شک نہیں کہ متعمد بے باک اور حدود الٰہیہ سے متکبرانہ تجاوز کرنے والے بھی نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہ قوت قدسیہ اور تیز شامّہ ہمیں نہیں ملی۔ یا اور عوارض کے سبب کمزور ہوگئی ہے۔ہم بڑی سی بڑی سعادت اور اتقااس میں سمجھتے ہیں کہ موٹے موٹے گناہوں اور معاصی سے بچے رہیں اور بڑے ہی بیّن اور مرئی گناہوں کے سوا دقائق معاصی اور مشتبہات کی طرف ہم التفات نہیں کرتے۔ یہ خوردبین کامل ایمان اور کامل عرفان اور کامل تقویٰ سے ملتی ہے جو حضرت اقدس امام الزمان علیہ السلام کو عطا ہوئی ہے اور میں نے اس وقت لسان اور جنان کے سچے اتفاق سے کہا اور تسلیم کیا کہ اگر اور ہزاروں باہرہ حجتیں آپ کے منجانب اللہ ہونے پر جو آفتاب سے زیادہ درخشاں ہیں نہ بھی ہوتیں جب بھی یہی ایک بات کہ غیر معمولی تقویٰ اور خشیت اللہ آپ میں ہے۔کافی دلیل تھی۔ بڑے بڑے مرتاض صوفیوں اور دنیا و مافیہا سے دل برداشتگی اور واسوختگی کے اشعار وردِ زبان رکھنے والے زاہدوں اور بڑے بڑے اتباع کے مدعیوں اور علمائے رسوم کو دیکھا گیا ہے کہ جلوت میں ابناء دنیا کے حضور گریہ مسکین کی طرح بیٹھتے ہیں اور ہر ایک دقیقہ کے بعد سر اٹھا کر اور سینہ ابھار کر ایک آہ سرد بھر دیتے ہیں اور مشتاقانِ سخن کے انتظار شدید کے بعد بھی زبان پاک کو کلام سے اگرچہ موزوں اور برمحل کیوں نہ ہو آلودہ نہیں کرتے۔گھر میں بدمزاج اور گرگ وپلنگ ہیں۔ ہندوستان میں ایک نامی گرامی سجادہ نشین ہیں۔لاکھ سے زیادہ ان کے مرید ہیں اور خدا کے قرب کا انہیں دعویٰ بھی بڑا ہے۔ان کے بہت ہی قریب متعلقین سے ایک نیک بخت عورت کو کچھ مدت سے ہمارے حضرت کے اندرون خانہ میں

رہنے کا شرف حاصل ہے۔وہ حضرت اقدس کا گھر میں فرشتوں کی طرح رہنا۔نہ کسی سے نوک ٹوک نہ چھیڑ چھاڑ جو کچھ کہا گیا اس طرح مانتے ہیں جیسے ایک واجب الاطاعت مطاع کے امر سے انحراف نہیں کیا جاتا۔ان باتوں کو دیکھ کر وہ حیران ہو ہو جاتیں۔اور بارہا تعجب سے کہہ چکی ہیں کہ ہمارے حضرت شاہ صاحب کا حال تو سراسر اس کے خلاف ہے۔ جب وہ باہر سے زنانہ میں آتے ہیں تو ایک ہنگامہ رستخیز برپا ہوجاتا ہے۔اس لڑکے کو گھور۔اس خادمہ سے خفا۔اس بچہ کو مار۔ بیوی سے تکرار ہو رہی ہے کہ نمک کھانے میں کیوں زیادہ یا کم ہوگیا۔ یہ برتن یہاں کیوں رکھا ہے اور وہ چیز وہاں کیوں دھری ہے تم کیسی پھوہڑ بدمذاق اور بے سلیقہ عورت ہو اور کبھی جو کھانا طبع عالی کے حسب پسند نہ ہوتو آگے کے برتن کو دیوار سے پٹخ دیتے ہیں اور بس ایک کہرام گھر میں مچ جاتا ہے۔عورتیں بلک بلک کر خدا سے دعا کرتی ہیں کہ شاہ صاحب باہر ہی رونق افروز رہیں۔''

(سیرت مسیح موعود مولفہ مولوی عبدالکریم صاحب صفحہ 12 تا 18)

پردہ شرعی :۔

مرزا صاحب کے عہد میں ہندو راجپوتوں کے زیر اثر عورتوں پر پردہ کی ناجائز قیود رائج ہوچکی تھیں۔آپ نے اپنے عملی نمونہ سے ان قیود کو ختم کیا۔اپنی زوجہ سے اتنا ہی پردہ کروایا جو شرعی جائز تھا۔ بے جا سختی کو ختم کیا۔آپ اپنی زوجہ کو باہر سیر کو بھی لے جایا کرتے تھے۔

بی بی صاحبہ دیگر مستورات کے ساتھ باہر سیر کو چلی جاتیں۔آپ نے کبھی اس سے نہیں روکا تھا۔

ایک دفعہ لدھیانہ کے اسٹیشن پر گاڑی آنے سے پہلے پہنچ گئے۔ گاڑی آنے میں دیر تھی۔ آپ بی بی صاحبہ کے ساتھ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنا شروع کردیا۔ایک طرف حضرت مولانا نورالدین اور حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی بیٹھے ہوئے تھے۔مولانا عبدالکریم صاحب نے حضرت مولانا نورالدین سے کہا کہ حضرت صاحب اپنی بی بی صاحبہ کے ساتھ چل پھر رہے ہیں۔اس طریقہ سے چلنا پھرنا یہاں کا دستور نہیں۔آپ حضرت صاحب سے کہئے کہ بی بی صاحبہ کو کسی الگ جگہ بٹھادیں۔ مولوی نورالدین صاحب فرمانے لگے کہ حضرت صاحب جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں۔ میں تو کہتا نہیں آپ کہہ دیجئے۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب حضرت صاحب کے پاس گئے ۔عرض کی۔ حضور لوگ اعتراض کریں گے اور ہدف تنقید بنالیں گے۔ بی بی صاحبہ کو کسی ایک طرف بٹھادیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ ''میں محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کی عزت نہیں سمجھتا۔ جب آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے صحابہ کی بیبیاں جنگوں میں بھی

شامل ہوتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور مرہم پٹی کرتی تھیں تو میں ان ... یادہ اپنی عزت اور شرافت نہیں سمجھتا بلکہ ان کی پیروی ہمارے لیے باعث عزت وشرف ہے۔

مولوی صاحب جواب سن کر واپس آ گئے اور اپنی جگہ بیٹھ گئے ... ت صاحب کی بی بی اپنے چہرہ پر نقاب رکھا کرتی تھیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب ہاتھوں کوا... چہرہ کی ٹکیا کو جس میں آنکھیں اور ناک اور منہ شامل ہے کھلا رکھنا شرعاً جائز سمجھتے تھے۔

بی بی پر اعتبار: حضرت مرزا صاحب کو گھریلو معاملات اور اخراجا... رنے پر بی بی صاحبہ پر مکمل اعتبار تھا۔ آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ بی بی صاحبہ سے کبھی حساب نہیں لی... کہ رقم کہاں خرچ ہوئی۔ کتنی خرچ کی۔ باقی کیا بچا ہے۔ زیادہ کیوں خرچ کیا ہے۔

آپ ایک وسیع قلب اور پر چشم شخص تھے۔ اس وجہ سے گھریلو معاملات میں کبھی تکرار نہیں ہوتی تھی۔ مولوی عبدالکریم صاحب اپنی کتاب سیرت مسیح موعود میں لکھتے ہیں۔ ''کبھی گھر میں حساب نہیں لیتے تھے کہ جتنا تم نے مانگا تھا۔ واقعی اتنا خرچ بھی ہوا۔ اور کہاں کہاں ہوا۔ اور اتنا زیادہ لیا گیا فلاں چیز اس اندازہ سے کم ہے۔ اور ان اخراجات اور آمدنیوں کے لئے کوئی حساب کتاب یا بہی کھاتہ نہیں۔ (صفحہ 26، 27)

گھریلو کام خود کر لیتے تھے: حضرت مرزا صاحب اپنے گھریلو کام کاج میں ہرگز کوئی عار نہیں سمجھتے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ وہ کہتے بھنگی نے پاخانہ میں فینائل نہیں ڈالی تو بجائے کسی کو حکم دینے کے خود اٹھ کر ڈال دیتے۔ چارپائیاں خود بچھا دیا کرتے۔ فرش کر لیتے تھے۔ بستر کر لیا کرتے تھے۔ اگر کسی وقت بارش آ جاتی۔ تو چارپائی کو خود ایک طرف سے پکڑا اور دوسری طرف کسی کو پکڑا کر اندر لے آتے۔

ایک دفعہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جو نئے مہمان خانہ کے ایک کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اپنے لڑکے کو حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجا کہ تھوڑے سے کوئلے درکار ہیں۔ حضرت صاحب نے بی بی صاحبہ کو فرمایا کہ انہیں کوئلے دے دو۔ ان کا ہاتھ خالی نہ تھا۔ اس لئے توجہ نہ کی باہر سخت بارش ہو رہی تھی۔ حضرت مرزا صاحب اپنا کام چھوڑ کر خود اٹھ کر کوئلہ کی کوٹھری میں گئے۔ اور اپنے ہاتھوں سے کوئلے نکال کر اس بچے کو دیئے۔

اہل خانہ کی تفریحات میں شمولیت اور اس میں وعظ و نصیحت: حضرت مرزا صاحب کے ہر فعل رسول کریم ﷺ کے فعل کے مطابق ہوتا تھا۔ رسول کریم ﷺ کی زندگی میں بے شمار ایسے

واقعات ہیں کہ آپ اہل خانہ کی تفریحات میں شامل ہو جاتے تھے۔ آپ بھی اپنے گھر میں ہنس مکھ زندگی بسر کرتے۔ تفریحات کا سامان پیدا کرتے۔ اور کبھی تفریحات سے منع نہیں فرمایا۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیرت مسیح موعود میں لکھتے ہیں۔

''دو سال کی بات ہے۔ تقاضائے سن اور عدم علم کی وجہ سے اندر کچھ دن کہانی کہنے اور سننے کا چسکا پڑ گیا۔ آدھی رات گئے تک سادہ اور معصوم کہانیاں اور پاک دل بہلانے والے قصے ہو رہے ہیں۔ اور اس میں عادتاً ایسا استغراق ہوا کہ گویا وہ بڑے کام کی باتیں ہیں۔ حضرت کو معلوم ہوا۔ منہ سے کسی کو کچھ نہ کیا۔ ایک شب میں سب کو جمع کر کے کہا آؤ آج ہم تمہیں اپنی کہانی سنائیں۔ ایسی خدا لگتی اور خوف خدا دلانے والی اور کام کی باتیں سنائیں۔ کہ سب عورتیں گویا سوتی تھیں۔ سب جاگ اٹھیں سب نے توبہ کی اور اقرار کیا کہ وہ صریح بھول میں تھیں۔ اور اس کے بعد سب داستانیں افسانہ خواب کی طرح یادوں سے مٹ گئیں۔ (صفحہ 30، 31)

خدّام پر اعتبار: حضرت مرزا صاحب گھر کے خدّام (مرد و زن) پر بھی اعتبار کرتے تھے۔ اگر کسی کو بازار سے سودا سلف یا کوئی اور چیز خرید کر لانے کو کہا۔ دام دیئے وہ خادم جب چیز خرید کر لے آتا تو کبھی دریافت نہ کرتے کہ کتنے کی آئی ہے باقی رقم کیا بچی ہے۔ خادم جو بچتا واپس کر دیتا آپ اپنے جیب میں ڈال لیتے۔ مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی اپنی عینی شہادت اس طرح پیش کرتے ہیں۔

''اتنے عرصہ دراز میں میں نے کبھی بھی نہیں سنا کہ اندر تکرار ہو رہی ہے کہ کسی سے لین دین کے متعلق باز پرس ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ کیا سکون زا دل اور پاک فطرت ہے جس میں سوء ظن کا شیطان نشیمن نہیں بنا سکا۔ اور کیا ہی قابل رشک بہشتی دل ہے۔ جسے یہ آرام بخشا گیا ہے اور پھر کوئی نقصان اور مضرت عائد حال نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ اغماض اور اعتماد و عام معاش اور مفاد کی میزان میں کم وزن ہے یعنی نظام عالم اور خدا کی نگاہ میں مکروہ ہو تو کارخانہ درہم برہم ہو جانا چاہیے۔ مگر دن رات چوگنی ترقی گواہ ہے۔ کہ خدا ایسے ہی دلوں کو پیار کرتا ہے۔'' (سیرت مسیح موعود صفحہ 29)

آپ اپنے خدام کا بہت احترام کرتے اور ان کا نام بڑے ادب سے لیتے۔ مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوئی اپنے چشم دید واقعات کی بناء پر مرتبہ اپنی کتاب ''سیرت مسیح موعود'' میں رقمطراز ہیں کہ آپ اپنے خدام کو بڑے ادب اور احترام سے پکارتے اور حاضر و غائب ہر ایک کا

نام ادب سے لیتے ہیں۔میں نے بارہا سنا ہے اندر اپنی زوجہ محترمہ سے آپ گفتگو کر رہے ہیں اور اس اثناء میں کسی خادم کا نام زبان پر آ گیا تو بڑے ادب سے لیا ہے۔ جیسے سامنے لیا کرتے ہیں کبھی تُو کر کے کسی کو خطاب نہیں کرتے ۔(صفحہ 42)

رفقاء پر اعتماد اور احترام :۔ جس طرح آپ نے اہل خانہ اور خدام سے کبھی حساب نہیں مانگا۔ کہ کتنا خرچ ہوا کیا بچا ہے۔اس طرح اپنے رفقاء پر بھی اعتماد کرتے اگر کسی کو کچھ رقم خرچ کرنے کے لیے دی ہے تو اس سے کبھی حساب نہیں مانگا۔سید غلام حسین صاحب نے ایک واقعہ الحکم 28 مئی ،7 جون 1939ء میں لکھا۔اس کا خلاصہ یہ ہے۔غالباً 1898ء کا ذکر ہے۔سید صاحب قادیان میں آئے تھے دل میں حضرت کی خدمت کرنے کا جوش موجزن تھا۔ بیٹھے ہوئے ہیں انتظار کر رہے ہیں کہ حضرت ان کے سپرد کوئی کام کرنے کو دیں۔اور وہ خاطر اور حصول سعادت دارین کے لئے وہ کام سر انجام دیں۔ ایک دن آرزو بر آئی۔آخر ایسا ہوا کہ ڈاک دیکھتے دیکھتے حضرت اقدس نے سید صاحب کی طرف دیکھ کر فرمایا۔کہ یہ ایک بلٹی ہے آپ بٹالہ سے جا کر لے آئیں۔بلٹی ان کے ہاتھ میں دے کر فرمایا۔ابھی ٹھہریئے آپ اندر تشریف لے گئے اور پانچ روپے لا کر سید کو دیئے۔کہ یہ راستہ اور بلٹی کے اخراجات کے لئے ہیں۔ان دنوں قادیان سے ایک دو یکہ ہی بٹالہ جایا کرتے تھے۔وہ اس وقت موجود نہ تھے۔اور بٹالہ جا چکے تھے۔سید صاحب اس وقت پندرہ سال کے نوجوان تھے۔جوش خدمت میں پیدل ہی بٹالہ کی طرف چل دیئے۔بٹالہ پہنچ کر معلوم یہ ہوا کہ پارسل آیا ہوا ہے۔رات سرائے میں رہے صبح پارسل چھڑانے گئے تو معلوم ہوا کہ پارسل محصول فریسندہ نے ادا کر دیا ہوا ہے۔پارسل لے کر واپس ہوئے۔تو یکہ والے کرایہ زیادہ مانگنے لگے۔انہوں نے کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے ایک کمار سے چار آنہ اجرت ٹھہرائی اور ٹوکری اس کی بہنگی میں رکھ دی۔اور خود پیدل چل پڑے قادیان پہنچ کر حضرت کی عطا کردہ رقم پانچ روپے میں سے چار آنے تو کمار کو دیئے اور باقی پونے پانچ روپے جیب میں رکھ کر ٹوکری ہاتھ میں لے کر مسجد مبارک کی سیڑھیوں سے چڑھ کر زنانہ خانہ کے دروازہ پر پہنچے اور اندر اطلاع کروائی۔حضرت فوراً باہر تشریف لائے۔اور انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمانے لگے آپ آ گئے۔ٹوکری دیکھتے ہی فرمایا کہ آپ ٹھہریں اندر جا کر ایک بڑا سا چاقو لے آئے۔اس ٹوکری کے اوپر جو ٹاٹ سلا ہوا تھا۔اس کو چاقو سے ایک طرف سے کاٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اس ٹاٹ کے اندر داخل کر کے باہر نکالتے ہی فرمایا۔کہ یہ آپ کا حصہ ہے۔انہوں نے دیکھا تو وہ سبزی مائل

انگور تھے۔سید صاحب نے جلدی میں وہ انگور اپنے کرتے کے دامن میں ڈالوا لئے۔اس کے بعد انہوں نے وہ پونے پانچ روپے حضرت کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور یہ بقایا رقم ہے صرف چار آنے خرچ ہوئے ہیں۔اس پر حضرت نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ ہم اپنے دوستوں سے حساب نہیں رکھا کرتے۔اتنا فرمایا اور ٹوکری اٹھا کر اندر تشریف لے گئے۔اور انگور ان کے کرتے میں اور پونے پانچ روپے ان کے ہاتھ میں رہ گئے۔

اس قسم کے کئی واقعات ہیں کہ اپنے رفقاء کو رقم دی۔واپسی کا حساب کتاب ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب مطہر کو جذبہ فیاضی سے بھرا ہوا تھا۔

آپ اپنے رفقاء کو ''تُو'' کے لفظ سے نہیں پکارتے تھے۔عزت اور احترام سے نام لیتے۔تحریروں میں عام رویہ یہ تھا۔'' حضرت اخویم مولوی صاحب اور اخویم حِبّی فی اللہ مولوی صاحب اور اسی طرح تقریر میں بھی فرماتے۔'' حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں۔حضرت مولانا عبد الکریم صاحب کہتے ہیں۔میں نے اتنے دراز عرصہ میں کبھی نہیں سنا کہ آپ نے مجلس میں کسی ایک کو بھی تُو کر کے پکارا ہو۔یا خطاب کیا ہو۔'' (صفحہ 42)

بچوں سے شفقت اور ڈانٹ ڈپٹ سے اجتناب :۔ حضرت مرزا صاحب رسول کریم ﷺ کے رنگ میں رنگین تھے ساری زندگی کا مطالعہ کیجئے۔آپ حضرت مرزا صاحب کو رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر ہی چلتے دیکھیں گے۔بچوں سے پیار رسول کریم ﷺ کا طریقہ تھا۔اسی سنت پر چلتے ہوئے آپ بچوں سے از حد پیار کرتے تھے۔کبھی سخت اور ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہیں لیا۔خواہ ان سے کتنا ہی نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے۔مولانا عبدالکریم سیالکوٹی'' سیرت مسیح موعود'' میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔محمود چار ایک برس کا تھا۔حضرت معمولاً اندر بیٹھے لکھ رہے تھے۔میاں محمود دیا سلائی لے کر وہاں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ بچوں کا ایک غول بھی تھا۔ پہلے کچھ دیر تک آپس میں کھیلتے جھگڑتے رہے۔پھر جو کچھ دل میں آئی ان مسودات کو آگ لگا دی۔اور آپ لگے خوش ہونے اور تالیاں بجانے اور حضرت لکھنے میں مصروف ہیں سر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں۔کہ کیا ہو رہا ہے۔اتنے میں آگ بجھ گئی اور قیمتی مسودے راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔اور بچوں کو کسی اور مشغلہ نے اپنی طرف کھینچ لیا۔حضرت کو سباق عبادت کے ملانے کے لئے کسی گذشتہ کاغذ دیکھنے کی ضرورت ہوئی اس سے پوچھتے ہیں خاموش اس سے پوچھتے میں دبکا جاتا ہے۔آخر کار ایک بچہ بول اٹھا کہ میاں صاحب نے کاغذ جلا دیئے عورتیں بچے اور گھر کے سب لوگ حیران اور انگشت بدنداں کہ

اب کیا ہوگا۔ اور درحقیقت عادتاً ان سب کو علیٰ قدر مراتب بری حالت اور مکروہ نظارہ کے پیش آنے کا گمان اور انتظار تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ مگر حضرت مسکرا کر فرماتے ہیں خوب ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔'' (صفحہ 20، 21)

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب بچوں کے ساتھ شفقت کا ایک اور واقعہ ''سیرت مسیح موعود'' میں لکھتے ہیں۔

''حضرت کا حوصلہ اور حلم یہ ہے کہ میں نے سینکڑوں مرتبہ دیکھا ہے کہ آپ اوپر دالان میں تنہا بیٹھے لکھ رہے ہیں۔ یا فکر کر رہے ہیں اور آپ کی قدیمی عادت ہے کہ دروازے بند کر کے بیٹھا کرتے ہیں۔ ایک لڑکے نے زور سے دستک بھی دی۔ اور منہ سے بھی کہا کہ ابا بوا (دروازہ) کھول۔ آپ وہیں اٹھے ہیں اور دروازہ کھولا۔ کم عقل بچہ اندر گھسا ہے اور ادھر ادھر جھانک تانک کر الٹے پاؤں نکل گیا ہے۔ حضرت نے پھر معمولاً دروازہ بند کر لیا۔ دو ہی منٹ گزرے ہوں گے وہ پھر موجود اور زور زور سے دھکے دے رہے ہیں۔ اور چلّا رہے ہیں ابا بوا کھول۔ آپ بڑے اطمینان اور جمعیت سے اٹھتے ہیں اور دروازہ کھول دیا ہے بچہ اب کی دفعہ بھی اندر نہیں گھستا ذرا سر ہی اندر کر کے منہ میں بڑ بڑا کے پھر الٹا بھاگ جاتا ہے۔ حضرت بڑے ہشاش بشاش بڑے استقلال سے دروازہ بند کر کے اپنے لازمی اور ضروری کام پر بیٹھ جاتے ہیں۔ کوئی پانچ منٹ ہی گزرتے ہیں تو پھر موجود پھر وہی گرما گرمی اور شورا شوری کہ ابا بوا کھول۔ اور آپ اٹھ کر اس وقار اور سکون سے دروازہ کھول دیتے ہیں اور منہ سے ایک حرف تک نہیں نکالتے۔ کہ تو کیوں آتا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اور آخر تیرا مطلب کیا ہے۔ جو بار بار ستاتا اور کام میں حرج ڈالتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ گنا کوئی بیس دفعہ ایسا کیا اور ساری دفعات میں ایک دفعہ بھی حضرت کے منہ سے زجر اور توبیخ کا کلمہ نہیں نکلا۔ (صفحہ 33، 34)

بار ہا میں نے دیکھا ہے اپنے اور دوسرے بچے آپ کی چارپائی پر بیٹھے ہیں اور آپ کو مضطر کر کے پائینتی پر بٹھا دیا اور اپنے بچپنے کی بولی میں مینڈک اور کوے اور چڑیا کی کہانیاں سنا رہے ہیں۔ اور گھنٹوں سنائے جا رہے ہیں اور حضرت ہیں کہ بڑے مزہ سے سنے جا رہے ہیں۔ گویا کوئی مثنوی ملائے روم سنا رہا ہے۔ حضرت بچوں کو مارنے اور ڈانٹنے کے سخت مخالف ہیں۔ بچے کیسے ہی بسوریں شوخی کریں سوال میں تنگ کریں اور بیجا سوال کریں۔ اور ایک موہوم اور غیر موجود شے کے

لئے حد سے زیادہ اصرار کریں۔ آپ نے نہ تو کبھی مارتے نہ جھڑکتے اور نہ کوئی خفگی کا نشان ظاہر کرتے۔ محمود کوئی تین برس کا ہوگا آپ لدھیانہ میں تھے۔ میں بھی وہیں تھا گرمی کا موسم تھا۔ مردانہ اور زنانہ میں ایک دیوار حائل تھی۔ آدھی رات کا وقت ہوگا جو میں جاگا اور مجھے محمود کے رونے اور حضرت کے ادھر ادھر کی باتوں میں بہلانے کی آواز آئی۔ حضرت اسے گود میں لئے پھرتے تھے۔ اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا۔ آخر آپ نے کہا دیکھ محمود وہ کیسا تارا ہے بچے نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا۔ اور ذرا چپ ہوا۔ پھر وہی رونا اور چلانا اور یہ کہنا شروع کر دیا۔ ''ابا تارے جانا'' کیا مجھے مزہ آیا اور پیارا معلوم ہوا۔ آپ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا ''یہ اچھا ہوا ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی۔ اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکالی۔ آخر بچہ روتا روتا خود ہی جب تھک گیا چپ ہو گیا۔ مگر اس سارے عرصہ میں ایک لفظ بھی سختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا۔ بات میں بات آ گئی۔ حضرت بچوں کو سزا دینے کے سخت مخالف ہیں۔ میں نے بارہا دیکھا ہے ایسی کسی چیز پر برہم نہیں ہوتے جیسے جب سن لیں کہ کسی نے بچہ کو مارا ہے یہاں ایک بزرگ نے ایک دفعہ اپنے لڑکے کو عادتاً مارا تھا۔ حضرت بہت متاثر ہوئے اور انہیں بلا کر بڑی درد انگیز تقریر فرمائی۔ فرمایا میرے نزدیک بچوں کو مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بد مزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔ (صفحہ 35، 36)

عیادت و تعزیت: ۔ حضرت مرزا صاحب عیادت میں دوست دشمن مومن اور کافر میں کوئی تمیز و تخصیص نہ کرتے تھے۔

لالہ شرمپت رائے کی عیادت: ۔ یعقوب علی ترابی اپنی تصنیف ''سیرت مسیح موعود'' حصہ دوم میں رقمطراز ہیں۔ (لالہ شرمپت رائے) کے شکم پر ایک پھوڑا سا ہوا۔ اور اس نے نہایت خطرناک شکل اختیار کی۔ حضرت اقدس کو اطلاع ہوئی۔ آپ خود لالہ شرمپت رائے کے مکان پر جو نہایت تنگ و تار تھا۔ تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ اکثر دوست تھے اور راقم الحروف (یعقوب علی ترابی) بھی تھا۔

لالہ شرمپت رائے صاحب کو آپ نے جا کر دیکھا وہ نہایت گھبرائے ہوئے تھے ان کو اپنی موت کا یقین ہو رہا تھا۔ بیقراری سے ایسی باتیں کر رہے تھے۔ جیسا کہ ایک پریشان انسان ہو حضرت صاحب نے اس کو بہت تسلی دی۔ اور فرمایا۔ کہ گھبراؤ نہیں میں ڈاکٹر عبداللہ کو مقرر کر دیتا ہوں وہ اچھی طرح علاج کریں گے۔ اس وقت قادیان میں ڈاکٹر صاحب ہی ڈاکٹری کے لحاظ

سے اکیلے اور بڑے ڈاکٹر صاحب تھے۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب کو ساتھ لے گئے۔ اور ان کو خصوصیت کے ساتھ لالہ شرمپت رائے کے علاج پر مامور کر دیا۔ اور اس علاج کا کوئی بار لالہ صاحب پر نہیں ڈالا اور آپ روزانہ بلا ناغہ ان کی عیادت کو جاتے اور جب زخم مندمل ہونے لگا۔ ان کی وہ نازک حالت عمدہ حالت میں تبدیل ہوگئی۔ تو آپ نے وقفہ سے جانا شروع کیا مگر اس کی عیادت کے سلسلہ کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ (صفحہ 162)

لالہ ملاوامل صاحب :۔ یعقوب علی ترابی کہتے ہیں جب ان (لالہ ملاوامل صاحب کی عمر بائیس سال کی تھی وہ بعارضہ عرق النساء (ریگن کا درد) بیمار ہو گئے۔ حضرت مرزا صاحب کا معمول تھا کہ صبح و شام ان کی خبر ایک خادم جمال کے ذریعہ منگوایا کرتے۔ اور دن میں ایک مرتبہ تشریف لے جا کر عیادت کرنے جاتے۔ ظاہر ہے کہ لالہ ملاوامل صاحب ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے آدمی تھے لیکن چونکہ وہ حضرت اقدس کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ اور اس طرح پر ان کو ایک تعلق مصاحبت کا تھا آپ کو انسانی ہمدردی اور رقابت کا اتنا خیال تھا کہ ان کی بیماری میں تو ان کے مکاں پر جا کر عیادت کرتے اور خود علاج بھی کرتے تھے۔ ایک دن لالہ ملاوامل صاحب بیان کرتے ہیں کہ چار ماشہ صبر ان کو کھانے کے لئے دے دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات بھر میں انیس مرتبہ لالہ صاحب کو اجابت ہوئی اور آخر میں خون آنے لگ گیا۔ اور ضعف بہت ہو گیا۔ علی الصباح معمول کے موافق حضرت کا خادم دریافت حال کے لئے آیا۔ تو انہوں نے اپنی رات کی حقیقت کہی اور کہا کہ وہ خود تشریف لاویں۔ حضرت اقدس فوراً ان کے مکان پر چلے گئے۔ اور لالہ ملاوامل صاحب کی حالت کو دیکھ کر تکلیف ہوئی۔ فرمایا کہ مقدار زیادہ ہی تھی مگر فوراً آپ نے اسپغول کا لعاب نکلوا کر لالہ ملاول صاحب کو دیا جس سے وہ سوزش اور خون کا آنا بھی بند ہو گیا۔ اور ان کے درد کو بھی آرام آ گیا۔ (سیرت مسیح موعود حصہ دوم صفحہ 165)

غیر از جماعت کی عیادت :۔ یعقوب علی ترابی لکھتے ہیں کہ ” اگست 1906ء میں ایک قریشی صاحب بیمار ہو کر دار الامان میں حضرت حکیم الامت خلیفہ المسیح الاول رضی اللہ عنہ (قادیانیوں کو اسلامی اصطلاحات بے باکانہ طور پر استعمال کرنے کی عادت تھی۔ اسی وجہ سے ترابی صاحب نے ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ یہ الفاظ قرآنی اصطلاح کے لحاظ سے علماء اسلام نے صحابہ کے لئے مخصوص کئے ہیں) سے علاج کرانے کے لئے آئے۔ انہوں نے متعدد

مرتبہ حضرت کے حضور دعا کے لئے تلقین کی۔ حضور نے دعا کا وعدہ فرمایا۔ 10 اگست 1902 کی شام کو اس سے حضرت اقدس کی خدمت میں بتوسط حضرت حکیم الامت (نور الدین ناقل) عرض کیا۔ کہ میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر پاؤں کے متورم ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں ہوسکتا۔ آپ نے خود اس کے مکان پر 11 اگست 1902ء کو جانے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ جب حسب معمول سیر کو نکلے تو خدام کے حلقہ میں وہ اس کے مکان پر پہنچے تا کہ عیادت بھی ہو جائے۔ اور جو وعدہ خود آنے کا کیا تھا وہ بھی پورا ہو جائے۔ قریشی صاحب اس وقت اس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے جہاں آج کل حضرت مرزا بشیر صاحب کی نشست گاہ سے اندر جانے کی ڈیوڑھی ہے۔ یہ مکان جیون جھیور کا کہلاتا تھے۔ ۔۔۔۔۔ حضرت اقدس اس مریض کے پاس تشریف لے گئے۔ اور بطور عیادت استفسار مرض و دیگر حالات کرتے رہے۔“ (سیرت مسیح موعود حصہ دوم صفحہ 166)

مہر حامد کی عیادت : مہر حامد کی عیادت کے بارے میں یعقوب علی ترابی لکھتے ہیں۔ ” مہر حامد علی نہایت غریب مزاج تھا۔ اس کا مکان فصیل قادیان سے باہر اس جگہ واقع تھا جہاں گاؤں کا کوڑا کرکٹ اور روڑیاں جمع ہوتی ہیں۔ سخت بدبو اور تعفن ہوتا تھا۔ اور زمیندار تھے خود اس کے مکان میں صفائی کا التزام نہ تھا۔ مویشیوں کا گوبر اور دوسری چیزیں اس قسم کی پڑی رہتی تھیں۔ اور سب جانتے ہیں زمیندار کی یہ قیمتی متاع ہوتی ہے جس کو وہ کھاد کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ بہر حال اس جگہ وہ رہتا تھا وہ بیمار ہوا۔ اور وہی بیماری اس کی موت کا موجب ہوئی۔ حضرت اقدس متعدد مرتبہ اپنی جماعت مقیم قادیان کو لے کر اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ جب عیادت کو جاتے تو قدرتی طور پر بعض لوگوں کو اس تعفن اور بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی اور حضرت مسیح موعود بھی اس تکلیف کو محسوس کرتے اور بہت کرتے۔ اس لیے کہ فطرتی طور پر بہ وجود نظافت اور نفاست پسند واقع ہوا تھا۔ مگر اشارۃً یا کنایۃً نہ تو اس کا اظہار کیا اور نہ اس تکلیف نے آپ کو عیادت اور خبر گیری کے لئے تشریف لے جانے سے کبھی روکا۔ آپ جب تو اس سے بہت محبت اور دلجوئی کی باتیں کرتے اور اس کی امرض اور اس کی تکلیف وغیرہ کے متعلق بہت دیر تک دریافت فرماتے۔ اور تسلی دیتے مناسب موقع ادویات بھی بتاتے اور توجہ الی اللہ کی بھی بہت ہدایت فرماتے۔ (صفحہ 167)

آپ نے مہر حامد کی عیادت کے لئے جانے سے نہ تو اپنی حیثیت اور رتبہ کا کبھی خیال کیا اور نہ اس بات نے آپ کو روکا کہ اس کا مکان ایسی جگہ اور ایسی حالت میں ہے وہاں تعفن اور بدبو

سے دماغ پھٹا پڑتا ہے اور نہ کسی اور چیز نے۔آپ بڑی ہی بشاشت کے ساتھ جاتے اور عیادت فرماتے۔

مولوی محمد الدین صاحب کی علالت کا واقعہ:۔ پہلے یعقوب علی ترابی نے مولوی محمد الدین کی علالت اور حضرت مرزا صاحب کی عیادت کا واقعہ رقم کیا پھر مولوی صاحب کی ذاتی شہادت انہی کے قلم سے بیان کی ہے۔ جو بہت ہی موثر اور موقر ہے۔ترابی صاحب لکھتے ہیں۔

''مولوی محمد دین صاحب بی۔اے (علیگ) احمدیہ مبلغ امریکہ کے نام سے سب آگاہ ہیں مولوی صاحب نے ایک عرصہ تک رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی ایڈیٹری کی اور سالہا سال تک تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر اور بعد میں مینجر رہے۔وہ قادیان میں انٹرنس پاس کر کے آئے تھے۔اور پھر قادیان ہی کی تربیت میں انہوں نے بی اے کی ڈگری علی گڑھ سے حاصل کی۔ قادیان میں گو بیماری ہی لائی تھی۔اور صرف بیماری ہی جو جسمانی تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی توجہ سے دور نہ ہوئی۔ بلکہ آپ کے اخلاق کریمانہ اور توجہ باطنی نے انہیں پھر یہاں ہی کا کر دیا۔اور واپس نہ جا سکے۔ جب اولاً آئے تھے تو ان کو ایک ناسور تھا۔جس کے علاج سے وہ تھک چکے تھے۔قادیان میں رہتے ہوئے ان کو ایک مرتبہ طاعون ہو گیا۔حضرت اقدس نے ان کی تیمارداری کی ایسا انتظام فرمایا کہ حقیقت میں وہ انتظام مولوی صاحب کے والدین اور اعزا بھی نہ کر سکتے۔آپ نے ان کے لئے ایک خیمہ کھلی ہوا میں بطور سیگریگیشن کیمپ کے لگوا دیا۔اور برادرم مکرم شیخ عبدالرحیم صاحب کو خصوصیت کے ساتھ ان کی تیمارداری کے لئے مقرر فرمایا۔جنہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل واطاعت کا وہ نمونہ دکھایا کہ باوجودیکہ طاعونی حملے کی اس شدت میں رشتے دار اور والدین تک طاعونی مریضوں سے بھاگنے لگے تھے۔اپنے ایک بھائی کی عیادت وخبر گیری میں وہ کمال ایثار وقربانی کا دکھایا کہ جب تک کوئی پاک روح کسی کے قلب کو ہر قسم کے خطرات ووسوسوں سے پاک، نہ کردے۔ یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ حضرت اقدس روزانہ دو تین مرتبہ خاص طور پر مولوی محمد الدین صاحب کی خبر منگواتے اور اپنے ہاتھ سے دوائی تیار کر کے بھیجتے۔یہ تو اسباب کے ماتحت آپ کی عملی توجہ تھی۔اس کے ساتھ آپ نے ان کے لئے جو دعائیں کی ہوں گی ان کا اندازہ مشکل سے ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ۔مولوی صاحب اس حملہ میں محفوظ رہے۔''

مولوی صاحب خود اپنے واقعہ کو نہایت مختصر الفاظ میں لکھا ہے۔یہ ذاتی شہادت ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے اس کو بھی یہاں درج کردیا جائے۔اور قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا

اور افروز ایمان بھی۔چنانچہ مولوی فرماتے ہیں۔

''1901ء میں سخت بیمار ہو گیا۔قریباً ایک سال سے زائد عرصہ تک مجھے ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کرنا پڑا۔لیکن مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ان دنوں میں حضرت مسیح موعود کی کتب کا مطالعہ کر رہا تھا مجھے میرے مکرم ومعظم محسن بزرگ منشی تاج الدین صاحب مرحوم پنیشنر اکاؤنٹنٹ نے قادیان آنے کا مشورہ دیا۔مجھے سٹیشن پر آ کر گاڑی میں خود سوار کر کے گئے۔ میں قادیان پہنچا اور پہلے پہل میں نے حضرت مسیح موعود کو جمعہ کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا میری طبیعت نے فیصلہ کرلیا کہ یہ منہ تو جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔بعد میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور اپنی بیماری کا حال سنایا آپ نے ناسور دیکھ کر حیرانگی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس کا رخ دل کی طرف ہو گیا ہے۔مجھے فرمایا۔کہ اس کے لئے دوا کی نسبت دعا کی ضرورت زیادہ ہے۔ مجھے بتلایا کہ مسجد مبارک میں ایک خاص جگہ بیٹھنا میں خود تمہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاؤں گا۔اور تمہارے متعلق دعا کے لئے عرض کروں گا میں اس دریچہ کے پاس بیٹھ گیا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔حضرت مولوی صاحب بڑھے اور مجھے پکڑ کر حضرت صاحب کے سامنے کر دیا۔میرے مرض کے متعلق صرف اتنا کہا کہ بہت خطرناک ہے میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود کا چہرہ ہمدردی سے بھرا ہوا تھا۔مجھ سے حضور نے دریافت کیا کہ یہ تکلیف آپ کو کب سے ہے۔میں تیرہ ماہ سے اس دکھ میں مبتلا تھا۔لوگ آرام کی نیند سویا کرتے تھے لیکن مجھے درد چین نہیں لینے دیتی تھی۔اس لئے میں اپنے مکان کے بالا خانے میں ٹہلا کرتا تھا۔اور میرے اردگرد سونے والے خواب راحت میں پڑے ہوتے تھے میں نے مہینوں راتیں رو کر اور ٹہل کر کاٹی ہوئی تھیں۔حضرت کے ان ہمدردانہ محبت آمیز کلمات نے چشم پُر آب کر دیا شکل تو دیکھ چکا تھا۔اتنے بڑے انسان کا مجھ ناچیز کو ''آپ'' کے لفظ محبت آمیز کمال ہمدردانہ لہجہ میں مخاطب کرنا ایک بجلی کا اثر رکھتا تھا۔ میں اپنی بساط کو جانتا تھا میری حالت یہ تھی کہ محض ایک لڑکا میلے اور پرانے دریدہ وضع کپڑے چھوٹے درجہ وچھوٹی قوم دیکھ کر سوال دہرایا۔ مجھے کہا کہ میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔انشاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے۔ مجھے اس وقت اطمینان ہو گیا کہ اب اچھا ہو جاؤں گا فکر مت کرو۔پھر میں حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں آیا۔تو صرف آپ نے ذرہ بھر خوراک جدوار کی میرے لئے تجویز فرمائی اور اتنی مقدار مجھے کہا کہ پتھر پر گھس کر اس ناسور پر لگا دیا کروں۔تھوڑے ہی عرصہ میں مجھے افاقہ ہو گیا۔اور ایک مہینہ

میں میں اچھا ہو گیا۔ یہ پہلا واقعہ ہے کہ مجھے حضرت سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور میری خوش قسمتی مجھے بیمار کر کے قادیان میں لے آئی۔ چنانچہ میں نے وطن کو خیر باد کہہ کر قادیان کی رہائش اختیار کر لی۔ اس کے بعد میری شامت اعمال مجھ پر سوار ہوئی۔ حضرت نے کہا کہ جو شخص سچے دل اور پورے اخلاص کے ساتھ تقوی کی راہ پر قدم مارتا ہے اور آپ کا سچا مرید ہے اس کو طاعون نہ چھوئے گی۔ لیکن میں ہی نابکار نکلا جو احمدیوں میں سے طاعون میں مبتلا ہوا۔ حالانکہ ہندوؤں اور غیر احمدیوں میں سے پچیس پچیس آدمی بھی روز مرے لیکن باوجود اس امر کے میرا وجود ''بدنام کنندہ نکو نامے چند'' تھا۔ تاہم حضرت کی خدمت میں مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ اس کا باپ بھی اس کو لینے آیا تھا لیکن اس نے قادیان کو چھوڑنا پسند نہیں کیا اور حضرت نے باوجود اس سخت کمزوری کے میرے لئے دعا کی اور دوا بھی خود ہی تجویز فرمائی چنانچہ مجھے معلوم ہوا حضور خود کمال مہربانی سے اپنے ہاتھوں روزانہ دوائی تیار کر کے بھیجتے۔ اور دو تین وقت روزانہ میری خبر منگواتے یہ کمال شفقت ایک گمنام شخص کے لئے جو نہ دنیوی اور دینی لیاقت رکھتا نہ کوئی دینی یا دنیوی وجاہت ایک ادنیٰ اور ذلیل خادموں میں سے تھا۔ میرا ایمان ہے کہ میں آپ کی دعاؤں سے بچ گیا ورنہ جن دنوں میں بیمار ہوا طاعونی مادہ ایسا زہریلا تھا کہ شاذ ہی لوگ بچتے تھے میرے لئے یہ اخلاق کریمانہ قولی اور فعلی ایسے تھے کہ نقش کالحجر مجھے یہ محبت و شفقت اپنے گھر میں ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملی تھی۔'' (صفحہ 170، 171، 171)

یہ ہے مرزا صاحب کی وہ شفقت اور محبت اپنے رفقاء اور مریدین کے ساتھ۔ جس میں اسلام کی سچی تصور جھلک رہی ہے۔ اور صادقوں کی صداقت کی نشانی ہے۔

پیرا پہاڑیا کی علالت : ۔مرزا صاحب کا ایک خادم پیرا پہاڑیا تھا۔ جو ضلع کانگڑہ کا باشندہ تھا۔ وہ آپ کے دعویٰ مجددیت سے قبل قادیان میں آیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں بحیثیت ملازم کے رہنے لگا۔ وہ ایک نیم وحشی قسم شخص تھا۔ اداب و اعراض سے ناواقف اور نابلد لیکن حضرت مرزا صاحب نے کبھی بھی اس کے غیر مہذبانہ فعل پر ناراضی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

''ایک دفعہ بیمار ہو گیا اور اسے طاعون ہوا۔ اس کو حسب دستور سگریگیشن کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ حضرت اقدس نے خاں صاحب اکبر خان صاحب سنوری کو خصوصیت سے اس کی تیمار داری اور ضروری انتظام متعلق علاج کے لئے مقرر کیا۔ حضرت اقدس کی خدمت میں ڈاکٹر قاضی محبوب عالم صاحب جے پور سے نہایت اعلیٰ درجہ کا عرق کیوڑہ بھیجا کرتے تھے۔ اور ایک

کافی مقدار حضرت کے پاس موجود تھی۔ یہ عرق نہایت قیمتی ہوتا تھا۔ آپ نے اس کی بوتلیں خان صاحب کے سپرد کیں اور چند ہدایات دیں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ اس کی گلٹی پر جونکیں لگوا دیں اس کے علاج میں کسی خرچ کا مضائقہ نہ کیا جاوے۔ بار بار اس کی خیریت دریافت کرتے تھے۔

خان صاحب نے جونکوں والے کو تلاش کیا۔ مگر وہ جونکیں مہیا نہ کر سکا۔ اور اس طرح پر اس حکم کی تعمیل نہ ہوئی۔ خان صاحب نے خیال کیا کہ دوسرے وقت انتظام ہو جائے گا۔ مگر نہ ہوا اور غفلت ہو گئی۔ پیرا کی موت مقدر تھی اور تقدیر مبرم تھی۔ وہ فوت ہو گیا۔ حضرت کو جب یہ معلوم ہوا کہ خان صاحب جونکیں نہیں لگوا سکے۔ اور قادیان سے باہر جونکیں منگوانے میں انہوں نے غفلت کی ہے تو آپ بہت ناراض ہوئے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا کہ اگر یہاں سے نہ ملی تھیں تو کیوں نہ بٹالہ یا کسی دوسری جگہ سے منگوا لی گئیں۔ خواہ کچھ بھی خرچ ہو جاتا۔'' (سیرت. مسیح موعود صفحہ 175، 176)

عیادت کا دوسرا طریقہ : ۔عیادت کا دوسرا طریقہ بذریعہ خط ہے۔ آپ اپنے مخلص رفقاء کی عیادت بذریعہ خط کو لیتے۔ چند ایک عیادت کے خطوط درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے مرزا صاحب کی دلی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ آپ اپنے رفقاء کے لئے کتنے ہمدرد و غمگسار۔ اور شفیق تھے۔

مرزا ایوب بیگ کی علالت پر ایک خط : ۔ایوب بیگ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کے بھائی تھے بیمار ہو گئے تو وہ اپنے بھائی کے پاس بمقام فاضلکا چلے گئے۔ بیماری کی شدت کی وجہ سے مرزا صاحب کے پاس آ تو آ نہیں سکتے تھے۔ فرط جوش محبت میں مرزا صاحب کی خدمت میں خط لکھا۔ وہ تو بیماری کی وجہ سے قادیان آ کر آپ کی زیارت نہیں کر سکتے آپ فاضلکا تشریف لائیں تا کہ آپ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ آپ نے اس خط کے جواب میں لکھا۔

محبی عزیزی مرزا ایوب بیگ صاحب و محبی عزیز مرزا یعقوب بیگ صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ علیہ وبرکاتہ اس وقت جو میں دردسر اور موسمی تپ سے ایک دفعہ بیمار ہو گیا ہوں مجھ کو تار ملی۔ جس قدر میں عزیزی مرزا ایوب بیگ کے لئے دعا میں مشغول ہوں اس کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ میں تو سخت بیماری میں آنے سے فرق نہ کرتا لیکن میں اس تکلیف کی حالت میں ایسے عزیز کو دیکھ نہیں سکتا۔ میرا دل جلد صدمہ قبول کرتا ہے یہی چاہتا ہوں کہ تندرستی اور صحت میں دیکھوں جہاں تک انسانی طاقت ہے اب میں اس سے زیادہ

کوشش کروں گا مجھے پاس اور نزدیک سمجھو نہ دور۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں اس درد دل کو بیان کروں۔ خدا کی رحمت سے ہرگز نا امید مت ہو۔ خدا بڑے فضل اور کرم کا مالک ہے اس کی قدرت اور فضل اور رحمت سے کیا دور ہے۔ کہ عزیزی ایوب بیگ کو تندرستی جلد تر دیکھوں۔ اس علالت کے وقت جو تار مجھ کو ملی میں ایسا سراسیمہ ہوں کہ قلم ہاتھ سے چلی جاتی ہے میرے گھر میں بھی ایوب بیگ کے لئے سخت بیقرار ہیں۔ اس وقت ان کو بھی اس تار کی خبر نہیں دے سکتا۔ کیونکہ کل سے وہ بھی مبتلا ہیں اور ایک عارضہ حلق میں ہو گیا ہے مشکل سے اندر کچھ جاتا ہے۔ اس کے جوش سے تپ بھی ہو گیا ہے وہ نیچے پڑی ہیں اور میں اوپر کے دالان میں ہوں۔ میری حالت تحریر کے لائق نہ تھی لیکن تار کے درد انگیز اثر نے مجھے اٹھا کر بٹھا دیا۔ آپ کا اس میں کیا حرج ہے۔ کہ اس کی ہر روز مجھ کو اطلاع دیں معلوم نہیں کہ جو میں نے ایک بوتل میں دوا روانہ کی تھی وہ پہنچی ہے یا نہیں۔ ریل کی معرفت روانہ کی گئی تھی۔ اور مالش معلوم نہیں ہر روز ہوتی ہے یا نہیں۔ آپ ذرہ ذرہ حال سے بھی اطلاع دیں اور خدا بہت قادر ہے تسلی دیتے رہیں۔ چوزہ کا شوربا یعنے بچہ خورد کا ہر روز دیا کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دستوں کی وجہ یہ ہے کہ کمزوری نہایت درجہ تک پہنچ گئی ہے والسلام۔ 25 اپریل 1900ء خاکسار مرزا غلام احمد۔

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی عیادت بذریعہ خط : ۔اسی طرح ایک مرتبہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹ میں بیمار ہو گئے۔ اور حضرت کو مخدومی حضرت میر حامد شاہ صاحب نے اطلاع دی آپ نے حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کو فوراً خط لکھا۔ اس واقعہ کو میں خود حضرت مخدوم الملت کے ہی الفاظ میں قلمبند کرتا ہوں فرماتے ہیں۔

میں گذشتہ اکتوبر (اکتوبر 1899ء) میں بیمار ہو گیا۔ اور اس وقت چند روز کے لئے سیالکوٹ گیا ہوا تھا۔ میری حالت بہت نازک ہو گئی۔ میرے عزیز مکرم دوست حامد شاہ صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع سیالکوٹ نے میری بیماری کے متعلق حضرت کو خط لکھا۔ آپ نے اس کے جواب میں جو خط لکھا میں اسے درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس لئے کہ میرے نزدیک وہ خط حضرت کے مظہر اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ و انما الاعمال بالنیات اور وہ یہ ہے کہ:

مکرمی اخویم مولوی عبدالکریم صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس وقت قریباً دو بجے کے قریب وہ خط پہنچا جو اخویم سید حامد شاہ صاحب نے آپ کے حالات علالت کے بارہ میں لکھا ہے خط پڑھتے ہی کوفت و غم سے وہ حالت ہوئی جو خدا تعالیٰ جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا خاص

رحم فرمائے۔ میں خاص توجہ سے دعا کروں گا۔ اصل بات یہ ہے کہ میری تمام جماعت میں آپ دو ہی آدمی ہیں جنہوں نے میرے لئے اپنی زندگی دین کی راہ میں وقف کر دی ہے ایک آپ ہیں۔ اور ایک حکیم مولوی نور الدین صاحب ابھی تک تیسرا آدمی پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے جس قدر قلق ہے اور جس قدر بے آرامی ہے بجز خدا تعالےٰ کے کون جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شفا بخشے اور رحم فرمائے اور آپ کی عمر دراز کرے۔ آمین ثم آمین۔ جلد کامل صحت سے اطلاع بخشیں خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان۔ 24 اکتوبر 1899ء۔"

مولوی عبد الکریم صاحب کی آخری علالت : ۔حضرت مولوی عبد الکریم صاحب اگست 1905ء کے تیسرے ہفتہ یکا یک بیمار ہوئے۔ اور ایک چھوٹی سی پھنسی بین الکتفین ظاہر ہوئی۔ جو بالآخر بنکل تشخیص ہوئی۔ اتفاق سے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تین ماہ کی رخصت لے کر آئے تھے۔ انہوں نے مکرمی ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی مدد سے آپریشن کیا۔ متعدد مرتبہ آپریشن کی ضرورت پیش آئی اور بعض اوقات سخت نازک حالت ہو گئی۔ اور ایسی نوبت آئی کہ اس سے جانبر ہونا طبی فتویٰ کے رو سے ناممکن تھا۔ مگر حضرت اقدس کی دعاؤں کے طفیل وہ جانبر ہو گئے۔ 4 ستمبر 1905ء کو یہی حالت تھی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے اس حالت کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

"آپریشن کے بعد قریباً شام تک مولوی صاحب کے پاس بیٹھا رہا۔ ہاتھ پاؤں بالکل سرد ہو گئے نبض بالکل کمزور تھی۔ اور باقاعدہ نہ چلتی تھی۔ کسی وقت ایک دو حرکتیں دل کی بالکل ساقط ہو جاتی تھیں۔ گویا کہ دل حرکت کرتے کرتے رک جاتا تھا۔ ہوش نہ تھا۔ اور اس کے علاوہ پیٹ میں نفخ بہت تھا۔"

اصل میں مولوی صاحب کو ذیابطیس کی وجہ سے عام کمزوری بہت تھی۔ اس کے علاوہ شدت درد و کرب کی وجہ سے کئی دن سے غذا اندر نہ گئی تھی۔ اس پر آپریشن بڑا بھاری ہوا بہت سا خون گیا۔ کلورافارم بہت سی مقدار میں سونگھنا پڑا۔ اس لئے ان کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔ ہم نے ہر قسم کا علاج کیا کہ دل اپنی اصلی حالت میں آ کر ہوش آئے مگر کوئی بات کارگر نہ ہوئی۔ اور ان کی عام حالت نیچے ہی نیچے جاتی تھی۔ ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اسسٹنٹ پروفیسر میڈیکل کالج لاہور بھی چار بجے کے قریب تشریف لائے وہ بھی ان کی حالت دیکھ کر سخت پریشان و حیران ہوئے اور انہوں نے کہا کہ بظاہر ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی۔"

حضرت اقدس گھڑی گھڑی مولوی صاحب کا حال دریافت کرتے تھے ۔ آپ کی خدمت میں ان کی نازک حالت کی اطلاع دی گئی تو اس کی خبر کے سننے سے جیسے کہ ایک حقیقی غم گسار اور سچے شفیق کو صدمہ ہوتا ہے آپ کو صدمہ محسوس ہوا اور جیسے کہ والدین کو اپنے عزیز بیٹے کے لئے ایک تڑپ اور اضطراب ہوتا ہے ۔ واللہ کہ ہم نے اس سے زیادہ اس مسیح میں اپنے روحانی فرزند کے لئے پایا ۔ پھر آپ اندر تشریف لے گئے کچھ مشک لائے ۔ فرمایا کہ مولوی صاحب کو دو ۔ پھر آپ دعا میں مشغول ہو گئے ۔ کہا کہ ہمارے پاس سب سے بڑا ہتھیار دعا ہی ہے ۔

اور فرمایا کہ خدا کے فضل سے نا امید نہ ہونا چاہیے ۔ وہ چاہے تو مردہ میں جان ڈال دے ۔ اس کو سب قدرت ہے مشک بھی دیا گیا ۔ پیشتر اس کے اس سے بہت زیادہ طاقتور ادویہ دی جا چکی تھیں ۔ بلکہ جلد میں بذریعہ ہائی پوڈرک سرنج (یعنی باریک پچکاری) دی جا چکی تھی ۔ کچھ اثر نہ ہوا تھا ۔ مگر میں اس بات کا شاہد ہوں اور ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب گواہ ہیں کہ ادھر حضرت مسیح موعود نے دعا کے لیے سجدہ میں سر رکھا ۔ اور ادھر مولوی صاحب کی حالت جو نہایت خطرناک تھی اصلاح پکڑنے لگی ۔ اور ابھی حضرت دعا سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ نبض بالکل درست اور طاقتور ہو گئی ۔ جیسے کہ کبھی کوئی ضعف نہ تھا ۔ اس وقت ڈاکٹر محمد حسین صاحب کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکلا کہ: ان کی نبض کا درست ہونا ایک معجزہ ہے ۔

میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اس حالت کے بعد اس ضعف کی حالت میں اور دل کے بالکل رہ جانے کے بعد کسی کا دل قوی ہو گیا ۔ اور حالت درست ہو گئی ۔

یہ صرف ایک دن کی حالت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے ۔ ورنہ حضرت اقدس کی حالت ان ایام میں جو کچھ تھی میں الحکم میں اس کی تفصیل لکھ چکا ہوں ۔

''اس دن مولوی صاحب پر عمل جراحی کیا گیا ۔ رات کا سونا قریباً حرام ہو گیا باوصفیکہ چوٹ لگنے اور بہت سا خون نکل جانے کی وجہ سے حضرت اقدس کو تکلیف تھی ۔ اور دوران سر کی بیماری کی شکایت تھی لیکن یہ کریم النفس وجود ساری رات رب رحیم کے حضور مولینا مولوی عبدالکریم صاحب کے لئے دعاؤں میں لگا رہا ۔''

یہ ہمدردی اور یہ ایثار ہر شخص میں نہیں ہو سکتا ۔ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور ماموروں کی ہی یہ شان ہے کہ اپنی تکلیف کو بھی دوسروں کی خاطر بھول جاتے ہیں بلکہ قریب موت پہنچ جاتے ہیں ۔ حضرت اقدس نصف شب سے آخر شب تک مصروف دعا رہے اس عرصہ میں

مولوی صاحب ممدوح کے دروازہ پر آن کر حال بھی پوچھا ساری دنیا سوتی تھی مگر یہ خدا کا جری جاگتا تھا ۔ اپنے لئے نہیں اپنی اولاد کے لئے نہیں اپنے کسی ذاتی مقصد اور اغراض کے لئے نہیں ۔ صرف اس لئے کہ تارحیم وکریم مولے کے حضور اپنے ایک مخلص کی شفا کے لئے دعا کرے ۔''

غرض حضرت کئی رات بالکل نہیں سوئے ۔ جس سے طبیعت کو بہت مضمحل ہو گئی اگر اس اضمحلال نے آپ کو تھکایا نہیں ۔ ایک دن فرماتے تھے میں نے بہت دعا کی ہے ۔ اس قدر دعا کی ہے اگر تقدیر مبرم نہیں تو انشاء اللہ بہت مفید ہو گی ۔ پھر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کبھی اس قسم کا اضطراب اور فکر میں نے اپنی اولاد کے لئے بھی نہیں کیا ۔ نہ خود دعاؤں میں مصروف رہے ۔ بلکہ بعض خدام کو بلا کر کہا کہ تم ساری رات دعائیں کرو اور اس طرح پر اپنے بھائی کی مدد کرو ۔ میں الفاظ نہیں لا سکتا ۔ جو اس نقشہ کو دکھاؤں اور کیونکر دکھاؤں ۔ مصور کا قلم بھی نہیں دکھا سکتا کہ آپ دعاؤں کی قبولیت پر کیسا ایمان رکھتے ہیں اور اس کو کیسی اکسیر اپنے تجربہ سے مانتے ہیں ۔

فرمایا میں نے ہر چند چاہا کہ وہ چار منٹ کے لئے ہی سو جاؤں مگر میں نہیں جانتا کہ نیند کہاں چلی گئی ۔ یہ باتیں ایک روز آپ نے صبح کو بیان فرمائیں ۔ بعض خدام نے عرض کی حضور اس وقت جا کر آرام کر لیں ۔

فرمایا ۔ اپنے اختیار میں تو نہیں میں کیونکر آرام کر سکتا ہوں ۔ جبکہ میرے دروازہ پر ہائے کی آواز آتی ہے میں تو اس قلق اور کرب کو جو مولوی صاحب کو ہوا دیکھ بھی نہیں سکتا ۔ (اللہ رے رقت قلب ایڈیٹر) اس لئے میں اوپر نہیں گیا ۔ غرض آپ کو بہت درد کرب ہے ۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت مخدوم الملت کو تو جو درد اور تکلیف ہے وہ ہے ہی لیکن حضرت خلیفۃ اللہ کو اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بڑھ کر اس کا درد ہے ۔ اس سے پہلے کئی مرتبہ فرمایا کہ:

دعا ہو نہیں سکتی جب تک دوسرے کے دکھ اور درد کو میں اپنے اوپر نہ لے لوں ۔ وہ نظارہ اب دیکھا گیا ۔

غرض مولوی عبدالکریم صاحب کی علالت کے ایام میں جہاں بہت سے نشانات اعجازی احیاء کے کرشمے ہم نے دیکھے وہاں اس رقت قلب کا بھی مشاہدہ کیا جو حضرت مسیح موعود میں تھی ۔ باوجود یکہ حضرت صاحب نچلی منزل میں رہتے تھے ۔ اور مولوی صاحب مرحوم بالا خانہ پر رہا کرتے تھے ۔ آپ نے بار ہا فرمایا کہ

میں نے کئی مرتبہ شام کی نماز کے لئے وضو اس نیت سے کیا ہے کہ اوپر جا کر نماز پڑھوں گا (موسم گرما میں جیسا کہ آج کل معمول ہے مغرب اور عشاء اور فجر کی نمازیں چھت پر پڑھی جاتی تھیں۔ اور یہ چھت مولوی صاحب کے کمرہ سے ملحق تھی۔ عرفانی) اور نیز مولوی صاحب کو دیکھوں گا مگر میں ضعیف دل کی وجہ سے سیڑھیاں نہیں چڑھ سکا۔

حضرت اقدس کا سلوک ایام علالت میں اجمالی نظر:۔ اب میں اس حصہ کو ختم کرنے کے لیے حضرت اقدس کے اس سلوک کا اجمالی ذکر کر دیتا ہوں جو آپ نے حضرت مخدوم الملت سے ایام علالت میں کیا اور اسے میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے الفاظ درج کرتا ہوں۔

''جس روز سے کہ مولوی صاحب علیل ہوئے اس گھڑی تک کہ انہوں نے اس جہان سے اپنے تعلقات کا انقطاع کیا مجھے مولوی صاحب مرحوم و مغفور کی خدمت میں رہ کر سعادت حاصل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے موقعہ دیا اور چونکہ حضرت اقدس اپنے خاص کرم اور مہربانی سے مولوی صاحب مرحوم کے متعلق ہر ایک علاج میں اور ان کے کھانے پینے کی ہر ایک چیز کے متعلق خاکسار سے مشورہ لیتے تھے اور مولوی صاحب کی طبیعت بعض اوقات رات کو بگڑ جاتی تھی۔ اس لئے مجھے اس وقت حضرت صاحب کی خدمت میں اطلاع دینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ اور دن میں کئی دفعہ ایسا موقعہ ہوا کہ جب مولوی محمد علی صاحب یا ایک دو احباب کے سوائے کوئی نہ ہوتا تھا۔ حضرت اقدس کو مولوی صاحب کی بیماری میں جو تبدیلیاں ہوتی تھیں ان کو ان سے اطلاع دی جاتی تھی۔ ہر ایک دفعہ جب ہم اطلاع دیتے حضرت اقدس خود تشریف لاتے اور حال دریافت کرتے۔ اور بعض اوقات خود بخود تشریف لاتے اور مولوی صاحب کا حال معلوم کرتے اس لئے خاکسار کو خدا کے فضل سے مولوی صاحب کی اس علالت میں حضرت اقدس کے اخلاق اور ان کے محبت اور ایثار جو ان کے اپنے خدام کے لئے ہے۔ اس کے مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا ہے بعض اوقات ہم نے حضرت اقدس کو سخت کرب اور گھبراہٹ اور ابتلاء کی گھڑیوں میں مولوی صاحب کی نازک حالت کی اطلاع دی ہے جبکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارا وہ پیارا رفیق جس نے اپنی ہر ایک خواہش پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خدمت دین کو مقدم کیا ہوا تھا اور ہمارا حبیب جس نے کہ اپنے وجود کے ایک ایک ذرہ کو امام معصوم اور ہادی برحق کی راہ میں ایک بار نہیں بلکہ صد ہزار بار نثار کیا ہوا تھا اور جو اپنے دل سے ہر ایک دوست کا قدر دان تھا۔ جس کو کہ وہ دیکھتا کہ اسے اعلائے کلمۃ اللہ و اشاعت دین کے لئے ادنیٰ سا بھی جوش ہے۔ اس وقت ہم دیکھتے تھے کہ وہ نوجوان جو اپنے شہر کا

اور اپنے ملک کا اور اپنی قوم کا اور اسلام کا فخر تھا کہ اس کی کشتی عمر ایسی سخت بیماری کے طوفان میں تلاطم میں پڑی ہے۔

اصل میں یہ وقت ہوتا ہے کہ کسی کی سچی محبت اور اخلاص کو پرکھنے کا اور نیز اس بات کا کہ اسے خدا تعالیٰ کی قوت پر کیسا ایمان ہے۔ اور اس کا تعلق خدا کے ساتھ کیسا ہے ۔ کیونکہ ایسی نازک حالت میں خصوصاً جبکہ معالج اور ڈاکٹر طبیب بھی یاس کے عالم میں ہوں سوائے ایسے لوگوں کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہو کوئی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ اور حضرت اقدس نے مولوی صاحب کی بیماری میں اپنی کمال محبت اور ایثار کا اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور توکل کا نمونہ دکھایا وہ ایک اہل بصیرت کے لئے کافی ثبوت ہے۔ حضرت اقدس کے من جانب اللہ ہونے کا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ان کا سچا تعلق ہونے کا اور اس بات کا اگر کوئی رسول ﷺ کا نمونہ آج امت میں دیکھنا چاہے تو حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے بڑھ کر اور کوئی نہیں۔ چاہے کوئی تمام دنیا میں ڈھونڈھے اور میں بعض امور کو پیش کرتا ہوں۔ اگرچہ میں نے حضرت اقدس کے کمال اخلاق اور محبت اور مہربانی کا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ میں بیان کرسکوں۔ اور حضرت اقدس نے اپنے ایک عزیز مخلص دوست کو بے آرامی میں پا کر جو اپنے نفس پر باوجود اس قدر ضعیف اور بڑھاپے اور کمزوری کے ہر ایک قسم کا آرام حرام کر دیا تھا۔ اور ان کو اس عزیز کے لئے جو تڑپ اور دلی توجہ اور اضطراب تھا میں نہیں جانتا کہ مین اس طرح بیان کروں۔ اور کن الفاظ میں ظاہر کروں۔ البتہ ہمارے دلوں پر اس کا ایک نقشہ ہے۔ اور ہماری روح اور ایمان کو اس سے ایک تر و تازگی پہنچتی ہے۔ جو خدا کے فضل سے قیامت تک مٹنے والی نہیں۔ اور اگر کوئی اہل دل دلوں پر نظر ڈال کر دلوں کے حقائق معلوم کر سکتا ہے۔ تو ہم حاضر ہیں۔ اگر باور نہ ہو تو ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھ لے۔ ماسوائے اس کے حضرت اقدس کو خدا تعالیٰ کی جناب میں تضرع اور نیاز اور خشوع خضوع نہایت درجہ کا تھا۔ دن اور رات میں حضرت صاحب کا بہت کم حصہ ایسا گزرتا ہوگا جو حضرت احدیت کے حضور میں دعا سے خالی ہو۔ اور بعض دفعہ کئی کئی گھنٹہ دعا میں مصروف رہتے۔ اور سجدہ سے سر نہ اٹھاتے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ نقشہ کس طرح سے پبلک کے سامنے پیش کروں کہ وہ حضرت اقدس کے تبتل الی اللہ اور ان کے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقات کو سمجھ سکیں۔''

مولانا نورالدین کے بیٹوں کے تعزیت نامے:۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب ابھی

جموں میں ملازم تھے اور حضرت مرزا صاحب نے بیعت کا اعلان بھی نہیں کیا تھا۔ مولوی صاحب کو اسی زمانہ سے آپ کے ساتھ اخلاص وارادت کا بے نظیر تعلق تھا۔ اگست 1885ء میں حضرت مولوی صاحب کے دو بچے یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے ۔ اور تیسرا بیمار ہو گیا۔ آپ نے اس موقعہ پر حضرت مولوی صاحب کو تعزیت کا خط لکھا۔ یہ خط قبولیت دعا کا ایک نمونہ بھی ہے ۔ اور اس میں دعا کے قبول ہونے کا ایک گر بھی بتایا گیا ہے۔ میں اس خط کو جو یہاں درج کر رہا ہوں وہ آپ کا نمونہ تعزیت دکھانے کے مقصد سے درج کر رہا ہوں ۔آپ تحریر فرماتے ہیں ۔

بسم الله الرحمن الرحيم . نحمد و نصلى على رسوله الكريم

از عایذ باللہ الصمد غلام احمد ۔ بخدمت اخویم مکرم ومخدوم حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ حال صدمہ وفات دولخت جگر ان مخدوم وعلالت طبیعت پسر سوم سن کر موجب حزن واندوہ ہوا ۔ اللہ تعالیٰ جلشانہ آپ کو صدمہ گزشتہ کی نسبت صبر عطا فرما دے ۔ اور آپ کے قرۃ العین فرزند سوم کو جلد تر شفا بخشے ۔ انشاء اللہ القدیر یہ عاجز آپ کے فرزند کی شفا کے لئے دعا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے فضل وکرم سے ایسی دعا کی توفیق بخشے جو اپنے جمیع شرائط کی جامع ہو یہ امر کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے ۔صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ۔ اسی کی مرضیات حاصل کرنے کے لئے اگر آپ خفیہ طور پر اپنے فرزند دلبند کی شفا حاصل کرنے پر کچھ نذر مقرر کر رکھیں ۔ تو عجب نہیں کہ وہ نکتہ نواز جو خود اپنی ذات میں رحیم و کریم ہے آپ کی اس صدق دلی کو قبول فرما کر ورطۂ غموم سے آپ کو مخلصی عطا فرما دے ۔ وہ اپنے مخلص بندوں پر ان کے ماں باپ سے زیادرحم کرتے ہیں ۔ اس کو نذروں کی کچھ حاجت نہیں ۔ مگر بعض اوقات اخلاص آدمی کا اسی راہ سے متحقق ہوتا ہے ۔ استغفار اور تضرع اور توبہ بہت عمدہ چیز ہے اور بغیر اس کے سب نذریں ہیچ اور بے سود ہیں ۔ اپنے مولی پر قوی امید رکھو اور اس کی ذات کو سب سے زیادہ پیارا بناؤ کہ وہ اپنے قوی الیقین بندوں کو ضائع نہیں کرتا ۔ اور سچے رجوع لانے والوں کو ورطہ غموم میں نہیں چھوڑتا ۔ رات کے آخری پہر میں اٹھو اور وضو کرو اور چند دوگانہ اخلاص سے بجا لاؤ ۔ اور دردمندی اور عاجزی سے یہ دعا کرو کہ ۔

"اے میرے محسن اور میرے خدا میں ایک ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں ۔ تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا ۔ اور انعام پر انعام کیا ۔ اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا ۔ تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا ۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر

گناہ پر رحم کر اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما ۔ اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے کوئی اور چارہ گر نہیں ۔ آمین ۔ ثم آمین ۔

مگر مناسب ہے کہ بروقت اس دعا کے فی الحقیقت دل کامل جوش سے اپنے گناہ کا اقرار اور اپنے مولے کے انعام واکرام کا اعتراف کرے کیونکہ صرف زبان سے پڑھنا کچھ چیز نہیں ۔ جوش دلی چاہیے ۔ اور رقت اور گریہ بھی ۔ یہ دعا معمولات اس عاجز سے ہیں اور در حقیقت اسی عاجز کے مطابق حال ہے ۔ والسلام خاکسار غلام احمد عفی 2 اگست 1885ء ۔

حضرت حکیم الامت نے اس خط پر یہ نوٹ فرمایا ہے ۔

یہ لڑکا اس وقت اس مرض سے بچ گیا تھا پھر دوبارہ سعال وام الصبیان میں انتقال کر گیا ۔ ان بفراقه لمحزون و ادعو الله اليه ۔ نور الدین ۔

ایک اور تعزیت نامہ : ۔ ایسا ہی ستمبر 1886ء میں حضرت حکیم الامت کا ایک بچہ فوت ہو گیا ۔ 20 ستمبر 1886ء کو آپ نے مندرجہ ذیل تعزیت نامہ تحریر فرمایا ۔

"بسم الله الرحمن الزحيم نحمده نصلى ۔ مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ بعد السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۔ عنایت نامہ پہنچا ۔ استماع واقعہ وفات فرزند دلبند آں مخدوم سے حزن واندوہ ہوا ۔ ان للہ وانا الیہ راجعون ۔ خداوند کریم بہت جلد آپ کو نعم البدل عطا فرمائے ۔ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ انسان کے لئے اس کے گوشہ جگر موت کا صدمہ بڑا بھاری زخم ہے ۔ اس لئے اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے ۔ اللہ جلشانہ آپ کو جلد خوش کرے ۔ آمین ثم آمین ۔

چودھری رستم علی صاحب کے نام تعزیت نامہ : ۔ چودھری رستم علی صاحب سلسلہ کے اول الخادمین اور مخلصین میں سے ایک تھے ۔ اپنی ساری عمر ساری کمائی کو وہ اس راہ میں خرچ کر دینا ایک معمولی بات سمجھتے تھے ۔ ان کے گھر میں ایک ہی بیٹا تھا ۔ اور وہ فوت ہو گیا ۔ آپ نے ان کو مندرجہ ذیل تعزیت نامہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ محبی اخویم چودھری رستم علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۔ عنایت نامہ پہنچا چونکہ وفات پسر مرحوم کی خدا تعالیٰ کا فعل ہے ۔ اور صبر پر وہ اجر ہے جس کا کوئی انتہا نہیں ۔ اس لئے آپ جہاں تک ممکن ہو اس غم کو غلط کریں ۔ خدا تعالیٰ نعم البدل اجر عطا کر دے گا ۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ خدا تعالیٰ کے خزانوں میں

بیٹوں کی کمی نہیں ۔غم کو انتہا تک لے جانا اسلام کے خلاف ہے ۔میری نصیحت محض للہ ہے ۔جس میں سراسر آپ کی بھلائی ہے ۔اگر آپ کو اولاد اور لڑکوں کی خواہش ہے تو آپ کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں ۔علاوہ اس کے شریعت کے رو سے دوسری شادی بھی سنت ہے ۔میرے نزدیک مناسب ہے کہ آپ اور دوسری شادی کریں ۔جو پاکیزہ ہو ۔اور حُسن ظاہری اور پوری تندرستی رکھتی ہو ۔اور نیک خاندان سے ہو ۔اس سے آپ کی جان کو بہت آرام ملے گا ۔اور تقویٰ تعدد ازدواج کو چاہتا ہے ۔اچھی بیوی جو نیک اور موافق اور خوبصورت ہو ۔تمام غموں کو فراموش کر دیتی ہے ۔قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ اچھی بیوی بہشت کی نعمت ہے ۔اس کی تلاش ضرور رکھیں ۔ابھی آپ نوجوان ہیں ۔خدا تعالیٰ اولاد بہت دے گا ۔اس کے فضل پر قوی امید رکھیں ۔والسلام

خاکسار غلام احمد عفی عنہ (سیرت مسیح موعود حصہ دوم مصنفہ یعقوب علی ترابی)

گو یہ عنوان طوالت اختیار کر گیا ہے لیکن قاری کو بتانا مقصود ہے کہ مرزا صاحب کے قلب صافی میں انسانوں کی محبت کا ایک سمندر موجزن تھا ۔ہر حیثیت کے آدمی کے لئے اپنے پہلو میں ایک غمگسار دل لئے ہوئے تھے ۔ہر آدمی کی کیفیت دیکھ کر آستانہ الوہیت پر سجدہ ریز ہو جاتے تھے ۔تضرع اور ابتہال سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تا کہ اس کی تکلیف دور ہو ۔

اس طرح مجھے امید ہے کہ جب ایک قاری تعزیت ناموں کو پڑھے گا اس پر ایک پُر کیف وجد ضروری طاری ہو گا ۔اور حضرت کی عظیم شخصیت اس کی آنکھوں کے سامنے آ جائے گی اور آپ کی صداقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی ۔

مساوات :۔ آپ روحانیت کے جس ارفع مقام پر فائز ہے ۔اس سے زیادہ آپ مخلوق خدا سے قرب اور محبت کا تعلق استوار رکھتے تھے کیونکہ خدا سے محبت کرنے والا ہوتا ہی وہ شخص ہے جس کو انسانوں سے محبت ہو ۔کیونکہ اہل اللہ دو قسم کی آگوں میں جل رہے ہوتے ہیں ۔خدا کی محبت اور انسانوں کی محبت ۔انسانوں سے محبت کا سب سے بڑا مرتبہ مساوات کا ہے ۔خدا سے محبت کرنے والا خواہ کسی حیثیت کا آدمی ہو ۔اس کو اپنی ذات سے جدا سمجھتا ہی نہیں ۔مولوی عبدالکریم صاحب اپنی کتاب ''سیرت مسیح موعود'' میں رقمطراز ہیں ۔

''باہر مسجد مبارک میں آپ کی نشست کی کوئی خاص وضع نہیں ہوتی ۔ایک اجنبی آدمی آپ کو کسی خاص امتیاز کی معرفت پہچان نہیں سکتا ۔آپ ہمیشہ دائیں صف میں ایک کونے میں مسجد کے اس طرح مجتمع ہو کر بیٹھتے ہیں جیسے کوئی فکر کے دریا میں خوب سمٹ کر تیرتا ہے ۔میں جو آ کر محراب میں بیٹھتا ہوں اور اس لئے داخلی دروازہ کے عین محاذ میں ہوتا ہوں ۔بسا اوقات ایک اجنبی جو مارے شوق کے سرزدہ اندر داخل ہوا ہے تو سیدھا میری طرف ہی آیا ہے ۔اور پھر خود ہی اپنی غلطی پر متنبہ ہوا ہے یا حاضرین میں سے کسی نے اسی حقدار کی طرف اشارہ کر دیا ہے ۔آپ کی مجلس میں احتشام اور وقار اور آزادی اور بے تکلفی دونوں ایک ہی وقت میں جمع رہتے ہیں ۔ہر ایک خادم ایسا یقین کرتا ہے ۔کہ آپ کو خصوصاً مجھ سے ہی پیار ہے ۔جو جو کچھ چاہتا ہے بے تکلفی سے عرض کر لیتا ہے ۔گھنٹوں کوئی اپنی داستان شروع رکھے اور وہ کیسی ہی بے سروپا کیوں نہ ہو ۔آپ پوری توجہ سے سنے جاتے ہیں ۔بسا اوقات حاضرین اپنی بساط قلب اور وسعت حوصلہ کے موافق سنتے سنتے اکتا گئے ہیں انگڑائیاں اور جمائیاں لینے لگ گئے ہیں ۔مگر حضرت کی کسی حرکت نے ایک لحظہ کے لئے بھی کوئی ملال کا نشان ظاہر نہیں کیا ۔آپ کی مجلس کا یہ رنگ نہیں کہ سرنگوں اور متفکر بیٹھے ہوں اور حاضرین سامنے حلقہ کئے جوں ہی بیٹھے ہوں جیسے دیواروں کی تصویریں ۔بلکہ وقت کے مناسب آپ تقریر کرتے اور کبھی کبھی مذاہب باطلہ کی تردید میں بڑے زور و شور سے تقریر فرماتے ہیں ۔گویا اس وقت آپ ایک عظیم الشان لشکر پر حملہ کر رہے ہیں ۔اور ایک اجنبی ایسا خیال کرتا کہ ایک جنگ ہو رہی ہے ۔ایک دفعہ ایک شخص جو دنیا کے فقیروں اور سجادہ نشینوں کا شیفتہ اور خوکردہ تھا ۔ہماری مسجد میں آیا ۔لوگوں کو آزادی سے آپ سے گفتگو کرتے دیکھ کر حیران ہو گیا ۔آپ سے کہا کہ آپ کی مسجد میں ادب نہیں ۔لوگ بے محابہ بات چیت آپ سے کرتے ہیں ۔آپ نے فرمایا ۔میرا یہ مسلک نہیں کہ میں ایسا تندخو اور بھیانک بن کر بیٹھوں کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں ۔اور میں بت بننے سے نفرت رکھتا ہوں ۔میں تو بت پرستی کو رد کرنے آیا ہوں ۔نہ یہ کہ میں خود بت بنوں ۔اور لوگ میری پوجا کریں ۔اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرا ترجیح نہیں دیتا ۔میرے نزدیک متکبر سے زیادہ کوئی بت پرست اور خبیث نہیں متکبر کسی خدا کی پرستش نہیں کرتا ۔بلکہ وہ اپنی پرستش کرتا ہے ۔'' (سیرت مسیح موعود صفحہ 40-47)

خدام کا احترام اور عزت کے ساتھ نام لینا

انکساری و فروتنی :۔ آپ کی طبیعت میں انکساری اور عاجزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔آپ اپنے نفس کو دوسروں پر کسی قسم کی بھی برتری اور فوقیت نہیں دیتے تھے ۔انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے خدام کو بڑے ادب اور احترام سے پکارتے ۔حاضر و غائب ہر ایک کا نام ادب سے لیتے ہیں

۔مولینا عبدالکریم صاحب لکھتے ہیں کہ ”میں نے بارہا سنا ہے کہ اندر اپنی زوجہ محترمہ سے آپ گفتگو کر رہے ہیں اور اس اثناء میں کسی خادم کا نام زبان پر آ گیا ہے تو بڑے ادب سے لیا ہے۔ جیسے سامنے لیا کرتے ہیں کبھی تؤ کر کے کسی کو خطاب نہیں کرتے۔ تحریروں میں جیسا کہ آپ کا عام رویہ ہے ”حضرت اخویم مولوی صاحب“ اور اخویم حبی فی اللہ مولوی صاحب اسی طرح تقریر میں بھی فرماتے ہیں حضرت مولوی صاحب یوں فرماتے ہیں۔ (سیرت مسیح موعود صفحہ 42)

ایک مرتبہ گھر میں ایک بڑھیا گنوار عورت آئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ صراحی میں ٹھنڈا پانی تھا۔ اوپر ابخورہ ڈھنکا ہوا تھا۔ بڑھیا بغیر اجازت لئے اس ابخورہ میں صراحی سے پانی ڈال کر پی لیا۔ اس میلی کچیلی بڑھیا کو اس طرح پانی پیتے ہوئے دیکھ کر کسی نفیس طبع خاتون نے حکم دیا کہ اس ابخورے کو توڑ دو۔ حضرت اقدس نے سنا تو فرمایا۔ ”کہ توڑنے کے کیا معنی؟ اس ابخورے میں مجھے پانی دو میں پیوں گا۔ میرے گھر میں تو ایسے لوگ اب کثرت سے آئیں گے۔ چاہیے تمہارے گھر کے لوگ اپنی طبائع کو غریبوں سے میل جول کا عادی بنائیں۔“ (مجدد اعظم حصہ دوم صفحہ 1295)

ستاری اور چشم پوشی :۔ آپ کو ستاری اور چشم پوشی کی بہت عادت تھی۔ آپ کبھی نہ پسند نہ کرتے تھے کہ کوئی آپ کے سامنے اپنے کسی دینی بھائی کی شکایت کرے۔ اگر کوئی کرتا تو اس سے فرماتے کہ تم نے اپنے اس بھائی کے لئے چالیس روز رو رو کر خدا سے دعا کی ہے۔ وہ عرض کرتا کہ نہیں تو فرماتے ”پھر تمہیں اس کی شکایت کرنے کا کیا حق ہے۔ پہلے اس بھائی کی اصلاح کے لئے رو رو کر چالیس دن خدا سے دعا کرو۔ پھر اگر اصلاح نہ ہو تو شکایت کرو۔“ یہی وجہ ہے کہ کسی کو حضرت اقدس کے سامنے کسی کی شکایت کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کسی دوست کے عیب کا پتہ بھی لگ جاتا۔ تو چشم پوشی فرماتے اور اسے کسی ایسے طریق سے سمجھاتے کہ اسے یہ گمان نہ ہو۔ کہ اس بات کا آپ کو علم ہو گیا ہے۔ قاعدہ یہ تھا کہ اسے مخاطب فرما کر کچھ نہ فرماتے۔ مختلف انداز میں گفتگو فرماتے۔ عیب کی طرف توجہ دلاتے۔ زیادہ تر زور دعاؤں پر دیتے۔ آپ کی ستاری اور چشم پوشی صرف دوستوں تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ اس کا فیض عام تھا۔ مولانا عبدالکریم ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

”ایک عورت نے اندر سے کچھ چاول چرائے۔ چور کا دل نہیں ہوتا اور اس لئے اس کے اعضا میں غیر معمولی قسم کی بے تابی اور اس کا ادھر ادھر دیکھنا بھی خاص وضع کا ہوتا ہے۔ کسی دوسرے، تیز نظر نے تاڑ لیا۔ اور پکڑ لیا۔ شور پڑ گیا اس کی بغل سے کوئی پندرہ سیر کی گھٹڑی

چاولوں کی نکلی۔ ادھر سے ملامت ادھر سے پھٹکار ہو رہی تھی۔ جو حضرت کسی تقریب سے ادھر آ نکلے۔ پوچھنے پر کسی نے واقعہ کہہ سنایا۔ فرمایا۔ محتاج ہے کچھ تھوڑے سے اسے دے دو۔ اور فضیحت نہ کرو اور خدا کی ستاری کا شیوہ اختیار کرو۔ (سیرت مسیح موعود صفحہ 25)

عفو و درگزر :۔ اس خلق عظیم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو الہام کے ذریعہ تاکید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ تلطف بالناس و ترحم علیھم یعنی یا احمد لوگوں کے ساتھ الطاف و مہربانی کے ساتھ پیش آیئے۔ پھر فرمایا۔ فاضت الرحمتہ علی شفتیک۔ اے احمد تیرے لبوں پر رحمت جاری کی گئی ہے۔ آپ کا عفو و درگزر صرف دوستوں سے ہی نہیں تھا۔ بلکہ اپنے مخالفین سے بھی عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔

محمد اکبر خان صاحب سنوری کا واقعہ :۔ حضرت مرزا صاحب کا پرانے خدام میں سے ایک محمد اکبر سنوری صاحب تھے۔ وہ قادیان میں ہجرت کر کے آئے اور آپ کے خادم تھے۔ اور آپ کے مکان میں رہائش پذیر تھے۔ خادم ہی ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کا زیادہ واسطہ اپنے آقا کے ساتھ پڑتا ہے۔ اور خادم سے کئی بار ایسے افعال بھی سرزد ہو سکتے ہیں۔ جو آقا کی طبیعت کے منافی ہوتے ہیں۔ آقا کے اخلاق کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب خادم سے کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے۔ جو بہت نقصان کا باعث ہو۔ پھر آقا ضبط نفس سے کام لے۔ چنانچہ محمد اکبر صاحب بیان کرتے ہیں۔

”جب ہم وطن چھوڑ کر قادیان آ گئے۔ تو ہم کو حضرت اقدس نے اپنے مکان میں ٹھہرایا۔ حضرت اقدس کا قاعدہ تھا کہ رات کو عموماً موم بتی جلایا کرتے تھے۔ اور بہت سی موم بتیاں اکٹھی روشن کر دیا کرتے تھے۔ جن دنوں میں میں آیا میری لڑکی بہت چھوٹی تھی ایک دفعہ حضرت اقدس کے کمرہ میں بتی جلا کر رکھ دی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ بتی گر پڑی اور تمام مسودات جل گئے۔ علاوہ ازیں اور بھی چند چیزوں کا نقصان ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب معلوم ہوا کہ حضرت اقدس کے کئی مسودات ضائع ہو گئے ہیں۔ تو تمام گھر میں گھبراہٹ۔ میری بیوی اور لڑکی کو بہت پریشانی۔ کیونکہ حضرت اقدس کتابوں کے مسودات بڑے احتیاط سے رکھا کرتے تھے۔ لیکن جب حضور کو معلوم ہوا تو حضور نے اس واقعہ کو یہ کہہ کر رفت گذشت کر دیا کہ خدا کا بہت ہی شکر ادا کرنا چاہیے کہ کوئی اس سے زیادہ نقصان نہیں ہوا۔

ایک مصنف ہی یہ جان سکتا ہے کہ مسودہ جل جانے پر مصنف کا عفو اور درگزر سے کام لینا کتنا عظیم خلق ہے۔ ایک مسودہ دن رات کی محنت اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اتنے عظیم

نقصان پر ڈانٹ ڈپٹ اور ناراضگی اور غصے کا ایک لفظ زبان پر نہ لانا وہ شخص کر سکتا ہے جس کی تربیت خدا کے ہاتھ سے ہوئی ہو۔

ایک اور واقعہ:۔ اس طرح خان صاحب اکبر خان صاحب نے بتایا کہ مسجد مبارک کے اوپر کی چھت پر سے حضرت اقدس کے مکان پر جانے کے لئے پہلے بھی اسی طرح کا ایک راستہ ہوتا تھا جیسا کہ اب ہے۔ اور اس میں نیچے اترنے کے لئے ایک دیار کی سیڑھی لگی ہوئی تھی۔

ایک دفعہ میں لالٹین اٹھا کر حضرت اقدس کو راستہ دکھانے لگا۔ اتفاق سے لالٹین ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ لکڑی پر تیل پڑا اوپر سے نیچے تک آگ لگ گئی۔ میں بہت پریشان ہوا بعض لوگ بھی بولنے لگے لیکن حضرت اقدس نے فرمایا۔ ''خیر! ایسے واقعات ہو ہی جاتے ہیں مکان بچ گیا۔''

مولوی نور الدین صاحب کا واقعہ:۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالکریم لکھتے ہیں کہ ایسا ہی ایک واقعہ اتفاق ہوا۔ جن دنوں حضرت تبلیغ لکھا کرتے تھے مولوی نور الدین صاحب تشریف لائے حضرت نے ایک بڑا بھاری دو ورقہ مضمون لکھا۔ اور اس کی فصاحت و بلاغت خدا داد پر حضرت کو بڑا ناز تھا۔ اور وہ مجھے فارسی ترجمہ کر کے دینا تھا۔ مگر یاد نہ رہا۔ اور جیب میں رکھ لیا اور باہر سیر کو چل دیئے۔ مولوی صاحب اور جماعت بھی ساتھ تھی۔ واپسی پر کہ ہنوز راستہ ہی میں تھے مولوی صاحب کے ہاتھ میں کاغذ دے دیا۔ کہ وہ پڑھ کر عاجز راقم کو دے دیں مولوی صاحب کے ہاتھ سے وہ مضمون گر گیا۔ واپس ڈیڑہ میں آئے۔ اور بیٹھ گئے حضرت معمولاً اندر چلے گئے۔ میں نے کسی سے کہا آج حضرت نے مضمون نہیں بھیجا۔ اور کاتب سر پر کھڑا ہے اور ابھی مجھے ترجمہ کرنا ہے۔ مولوی صاحب کو دیکھتا ہوں تو رنگ فق ہو رہا ہے۔ آپ نے بے تابی سے لوگوں کو دوڑایا کہ لجیو۔ پکڑیو! لپکیو! کاغذ راہ ہی میں گر گیا۔ مولوی صاحب اپنی جگہ بڑے خجل اور حیران تھے کہ بڑی خفت کی بات ہے؟ حضرت کیا کہیں گے یہ عجیب ہوشیار آدمی ہے ایک کاغذ اور ایسا ضروری کاغذ بھی سنبھال نہیں سکا۔ حضرت کو خبر ہوئی۔ معمولی ہشاش بشاش چہرہ تبسم زیر لب تشریف لائے۔ اور بڑا عذر کیا۔ کہ مولوی صاحب کو کاغذ کے گم ہونے سے اس قدر تشویش ہوئی تھی افسوس ہے کہ اس کی جستجو میں اس قدر دور دور اور تگا پو کیوں کیا گیا۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر ہمیں عطا فرمائے گا۔ (سیرت مسیح موعود حصہ اول مصنفہ عبدالکریم صفحہ 21)

اس واقعہ کو نظر امعان سے دیکھو۔ اگر کوئی اور شخص ہوتا تو اس کی خفگی اور خشونت کا انداز

ہ بھی نہ ہو سکتا۔ آپے سے باہر ہو جاتا مگر یہ عفو و رحم کی زندہ تصویر بجائے اس کے کہ افسوس کرے بجائے اس کے کہ کوئی ذرا بھی اثر یا حرکت خفگی کی ظاہر کرے الٹا اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ مولوی صاحب کو اس کے گم ہو جانے سے تشویش ہوئی۔ مولوی صاحب کی تکلیف کا اسے احساس ہے اور اپنے ہرج اور تکلیف کو بھول ہی گیا ہے۔

دنیا کے مصنفین میں اس کی نظیر بتاؤ کبھی نہیں ملے گی۔

''ان سب باتوں کی جڑ خدائے زندہ اور قادر کی ہستی پر ایمان ہے۔ یہ ایمان ہر وقت خون کو زندہ اور تازہ رکھتا ہے اور ہر چشم کی پژمردگی اور افسردگی سے بچاتا رہتا ہے۔ جو دنیا داروں کو بسا اوقات بڑے بڑے شرم ناک حرکات پر مجبور کرتی ہے۔''

اپنے مخالف احمد حسین شوکت میرٹھی کے متعلق:۔ میرٹھ سے احمد حسین شوکت نے ایک اخبار شحنہ ہند جاری کیا ہوا تھا۔ مرزا صاحب کی مخالفت میں اس نے اپنے اخبار کا ایک ضمیمہ جاری کیا۔ جس میں ہر قسم کے گندے مضامین شائع کرتا۔ اور اس طرح جماعت کی دل آزاری کرتا میرٹھ کی جماعت کو خصوصیت سے تکلیف ہوتی۔ کیونکہ وہاں ہی سے وہ گندہ پرچہ نکلتا تھا۔

16 اکتوبر 1906ء کا واقعہ ہے۔ کہ میرٹھ کی جماعت کے پریزیڈینٹ جناب شیخ عبدالرشید صاحب جو ایک معزز زمیندار اور تاجر ہیں تشریف فرما تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ضمیمہ شحنہ ہند کے توہین آمیز مضامین پر عدالت میں نالش کر دوں۔ حضرت حجتہ اللہ نے فرمایا۔ ''ہمارے لئے خدا کی عدالت کافی ہے۔ یہ گناہ میں داخل ہو گا اگر ہم خدا کی تجویز پر تقدم کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اور برداشت سے کام لیں۔ (سیرت مسیح موعود مصنفہ یعقوب علی ترابی حصہ اول صفحہ 106)

ڈاکٹر کلارک ہنری نے آپ کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت مرزا صاحب اس مقدمہ میں بری ہو گئے۔ تو کپتان ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے حضرت اقدس کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں۔ کہ ڈاکٹر کلارک پر مقدمہ چلائیں اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کو حق ہے۔

مرزا صاحب نے فرمایا۔

''میں کوئی مقدمہ کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے۔

اکرام ضیف:۔ یہ خلق ان اخلاق عالیہ میں سے ہے۔ جو تہذیب و تمدن کی روح ہے۔ جس سے.

معاشرتی زندگی میں اخوت کا جذبہ پیدا ہوتی ہے۔ایک دوسرے سے قلبی لگاؤ کا رشتہ استوار ہوتا ہے۔عداوت دوستی میں بدل جاتی ہے۔اس وجہ سے اسلام نے تکریم ضیف پر بہت زور دیا ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

من کان یومن باللہ و الیوم الاخر فلیکرم ضیفہ ۔جو شخص خدا تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی تکریم کرے۔تکریم ضیف انبیاء و اولیاء کرام کی صفت ہے۔یہ صفت حضرت مرزا صاحب کی ذات میں اتم موجود تھی۔اور مہمانوں کی مہمان نوازی کے لئے ایک تڑپ رکھتے تھے۔باوجودیکہ گھر میں خدام تھے۔لیکن مہمان نوازی ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔کسی مہمان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے۔اور ہر مہمان کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قبل ازیں اطلاع دے دی تھی۔کہ لوگ دور دور سے آپ کے پاس آئیں گے۔ان سے خوش روئی سے پیش آنا۔آپ کو الہام ہوا۔ لا تصعر لخلق اللہ و لا تسئم من الناس ۔اللہ کی مخلوق سے تکبر سے پیش آنا اور نہ لوگوں سے اکتاہٹ کا اظہار کرنا۔

حضرت مولوی حسن علی کا واقعہ اور اعتراف مہمان نوازی :۔مولوی حسن علی بھاگلپوری ایک مسلم مشنری ہونے کی وجہ سے تمام ہندوستان میں مشہور تھے۔انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسوں میں شریک ہوتے۔اور تقاریر کیا کرتے تھے۔اس دور میں وہ عوام الناس اور خواص کی آنکھوں کا تارا تھے۔اسلام سے محبت اور لگاؤ اس قدر تھا کہ 1886ء میں پٹنہ کے سکول کی ہیڈ ماسٹری سے استعفیٰ دے کر تبلیغ اسلام کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔1887ء میں اپنے ایک دو دوست کے ساتھ قادیان میں تشریف لائے۔مولوی صاحب نے اپنے واقعہ کا خود اپنے قلم سے ذکر کیا ہے جو ان کی کتاب تائید حق میں چھپا ہے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”جب میں امرتسر گیا تو ایک بزرگ کا نام سنا جو مرزا غلام احمد کہلاتے تھے ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان نامی میں رہتے ہیں۔اور عیسائیوں اور برہموں اور آریہ سماج والوں سے خوب مقابلہ کرتے۔چنانچہ انہوں نے ایک کتاب براہین احمدیہ نام بنائی ہے۔جس کا بڑا شہرہ ہے۔ان کا بہت بڑا دعویٰ یہ ہے ان کو الہام ہوتا ہے مجھ کو یہ دعویٰ معلوم کر کے تعجب نہ ہوا۔گو میں ابھی تک اس الہام سے محروم ہوں۔جو نبی کے بعد محدث کو ہوتا رہا ہے۔لیکن میں اس بات کو بہت ہی عجیب نہیں سمجھتا تھا مجھ کو معلوم تھا کہ علاوہ نبی کے بہت سے بندگان خدا ایسے

گزرے ہیں جو شرف مکالمہ الٰہیہ کے ممتاز ہوا کئے ہیں۔غرض میرے دل میں جناب مرزا غلام احمد صاحب سے ملنے کی خواہش ہوئی امرتسر کے دو ایک دوست میرے ساتھ چلنے کو مستعد ہوئے۔ریل پر سوار ہوا۔بٹالہ پہنچا۔ایک دن بٹالہ میں رہا پھر بٹالہ سے یکہ کی سواری ملتی ہے اس پر سوار ہو کر قادیان پہنچا۔مرزا صاحب مجھ سے بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔جناب مرزا صاحب کے مکان پر میرا وعظ ہوا۔انجمن حمایت اسلام لاہور کے لئے چندہ بھی ہوا۔میرے ساتھ جو صاحب تشریف لے گئے وہ مرزا صاحب کے دعوے الہام کی وجہ سے سخت مخالف تھے۔اور مرزا صاحب کو مکار اور فریبی سمجھتے تھے۔لیکن مرزا صاحب سے مل کر ان کے سارے خیالات بدل گئے۔اور میرے سامنے انہوں نے جناب مرزا صاحب سے اپنی سابق بدگمانی کے لئے معذرت کی۔مرزا صاحب کی مہمان نوازی کو دیکھ کر مجھ کو بہت سا تعجب گذرا۔ایک چھوٹی سی بات لکھتا ہوں۔جس سے سامعین ان کی مہمان نوازی کا اندازہ کر سکتے ہیں مجھ کو پان کھانے کی بری عادت تھی۔امرتسر تک تو مجھے پان ملا۔لیکن بٹالہ میں مجھ کو کہیں پان نہ ملا۔ناچار الائچی وغیر کھا کر صبر کیا۔میرے امرتسر کے دوست نے کمال کیا۔کہ حضرت مرزا صاحب سے نہ معلوم کس وقت میری بری عادت کا تذکرہ کر دیا۔جناب مرزا صاحب نے گورداسپور ایک آدمی کو روانہ کیا دوسرے دن گیارہ بجے دن کے جب کھانا کھا چکا تو پان موجود پائے سولہ کوس سے پان میرے لئے منگوائے گئے تھے۔“

منشی عبدالحق نو مسلم کا واقعہ :۔ منشی عبدالحق بی اے جو مولوی چراغ الدین صاحب قصوری مدرس مشن سکول لاہور کے فرزند رشید ہیں۔وہ ایک زمانہ میں دائرہ نصرانیت میں چلے گئے تھے۔لاہور مشن کالج میں بی اے کلاس میں پڑھتے تھے انہوں نے الحکم اور مرزا صاحب کی بعض تحریرات کو پڑھ کر آپ کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ وہ اسلام کی حقانیت اور صداقت کو عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔اس پر مرزا صاحب نے ان کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ کم از کم دو ماہ کے لئے قادیان آئیں۔چنانچہ وہ 23 دسمبر 1901ء کو بعد دوپہر قادیان پہنچے۔حضرت مرزا صاحب کی طبیعت ناساز تھی۔مگر باوجود ناسازی طبیعت کے باہر تشریف لے آئے۔اور سیر کو تشریف لے گئے اور تمام راستہ میں آتی اور جاتی دفعہ تبلیغ کرتے رہے۔اس تبلیغ کا یہ اثر ہوا۔کہ وہ شخص دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔اور برہان الحق ایک رسالہ بھی تالیف کیا اور بھی چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے۔

منشی عبدالحق کے قیام کے دوران مرزا صاحب نے فرمایا۔کہ

”آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان وہی آرام میں رہتا ہے جو بے تکلف ہو۔بس

آپ کو چاہیے کہ جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے بلا تکلف کہہ دیں۔''

پھر جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''دیکھو یہ ہمارے مہمان ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو مناسب ہے کہ ان سے پورے اخلاق سے پیش آوے۔ اور کوشش کرتا رہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوا۔''

جب وہ قادیان سے رخصت ہوا۔ تو اس کو چھوڑنے کے لئے تین میل تک چلے گئے۔ (تلخیص سیرت مسیح موعود صفحہ یعقوب علی ترابی)

مولانا ابوالکلام آزاد کے بڑے بھائی ابونصر مرحوم کا واقعہ:۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے بھائی ابونصر مرحوم 3 مئی 1905ء کو قادیان تشریف لائے تھے۔ قادیان سے واپس جا کر امرتسر کے اخبار وکیل میں اپنے سفر قادیان کا حال شائع کیا تھا۔ اس کا وہ حصہ جو اس موضوع سے تعلق رکھتا ہے درج کیا جاتا ہے لکھتے ہیں۔

''میں نے اور کیا دیکھا۔ قادیان دیکھا۔ مرزا صاحب سے ملاقات کی مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ میرے منہ میں حرارت کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے اور میں شور غذائیں نہیں کھا سکتا تھا۔ مرزا صاحب نے (جبکہ دفعتاً گھر سے باہر تشریف لے آئے تھے) دودھ اور پاؤ روٹی تجویز فرمائی۔

آج کل مرزا صاحب قادیان سے باہر ایک وسیع اور مناسب باغ (جو خود ان ہی کی ملکیت ہے) میں قیام پذیر ہیں۔ بزرگان ملت بھی وہیں ہیں۔ قادیان کی آبادی قریباً تین ہزار آدمیوں کی ہے۔ مگر رونق اور چہل پہل بہت ہے۔ نواب صاحب مالیر کوٹلہ کی شاندار اور بلند عمارت تمام بستی میں صرف ایک ہی عمارت ہے۔ راستہ کچے اور ناہموار ہیں بالخصوص وہ سڑک جو بٹالہ سے قادیان تک آتی ہے اپنی نوعیت میں سب پر فوق لے گئی ہے۔ آتے ہوئے یکہ میں مجھے تکلیف ہوئی تھی۔ نواب صاحب کی رتھ نے لوٹتے وقت نصف کی تخفیف کر دی۔

اگر مرزا صاحب کی ملاقات کا اشتیاق میرے دل میں موجزن نہ ہوتا۔ تو شاید آٹھ میل تو کیا آٹھ قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتا۔ اکرام ضیف کی صفت خاص اشخاص تک محدود نہ تھی۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر ایک نے بھائی کا سلوک کیا اور مولانا حاجی حکیم نور الدین صاحب جن کے اسم گرامی سے تمام انڈیا واقف ہے اور مولانا عبدالکریم صاحب جن کی تقریر کی پنجاب میں دھوم ہے۔ مولوی مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر جن کی تحریروں سے کتنے انگریز یورپ میں مسلمان

ہو گئے ہیں۔ جناب میر ناصر نواب صاحب دہلوی جو مرزا صاحب کے خسر ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل بی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجز مولوی یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم جناب شاہ سراج الحق صاحب وغیرہ وغیرہ پرلے درجہ کی شفقت اور نہایت محبت سے پیش آئے۔ افسوس مجھے اور اشخاص کا نام یاد نہیں ورنہ میں ان کی مہربانیوں کا بھی شکریہ ادا کرتا۔ مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت قوی ہوتا ہے۔ آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے۔ اور باتوں میں ملائمت ہے طبیعت منکسر مگر حکومت خیز مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا اور بردباری شان نے انکساری کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا متبسم ہیں رنگ گورا ہے بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں۔ جسم مضبوط اور محنتی ہے۔ سر پر پنجابی وضع کی سپید پگڑی باندھتے ہیں۔ سیاہ یا خاکی لمبا کوٹ زیب تن فرماتے ہیں۔ پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے۔ عمر قریباً چھیاسٹھ سال کی ہے۔

مرزا صاحب کے مریدوں میں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں خوش اعتقاد پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے۔ جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی۔ اور بڑے عقیدت مند تھے۔

مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقعہ دیا۔ ''ہم آپ کو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں۔ کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتہ قیام کریں۔'' (اس وقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے۔)

میں جس شوق کو لے کے گیا تھا۔ ساتھ لایا۔ اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے۔ حسن خلقک و لو مع الکفار میں نے اور کیا دیکھا بہت کچھ دیکھا۔ مگر قلمبند کرنے کا موقعہ نہیں۔ سٹیشن جانے کا وقت سر پر آ چکا ہے۔ پھر کبھی بتاؤں گا۔ کہ میں نے کیا دیکھا۔ راقم آہ دہلوی۔'' (بحوالہ سیرت مسیح موعود مصنفہ یعقوب علی ترابی)

آپ کی مہمان نوازی کی خصوصیات یہ تھیں۔

1۔ آپ مہمان کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے۔ جس علاقے اور مذاق کا مہمان ہوتا اسی کے مطابق مہمان نوازی کرتے۔

ایک مرتبہ سعید احمد رضوی صاحب وکیل ہائی کورٹ حیدر آباد دکن حیدر آباد سے ایک جماعت لے کر آئے۔ حیدر آبادی لوگ عموماً ترش سالن کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ آپ نے خاص طور پر حکم دیا کہ ان کے لئے مختلف کھٹے سالن تیار ہوا کریں۔ تا کہ ان کو تکلیف نہ ہو۔

ایسا ہی سیٹھ اسماعیل آدم بمبئی سے آئے۔ تو ان کے لئے بلا ناغہ دونوں وقت پلاؤ اور مختلف قسم کے چاول تیار ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ عموماً چاول کھانے کے عادی تھے۔ مخدومی حضرت سیٹھ عبد الرحمان مدراسی بھی ان ایام میں قادیان میں ہی تھے۔ غرض آپ اس امر کا التزام کیا کرتے تھے کہ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف کھانے پینے میں نہ ہو۔

2۔ آپ مہمان کو موسم کے لحاظ سے چائے یا لسی یا شربت سے تواضع فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد کھانے کا فوری انتظام ہو جاتا تھا۔ اگر جلد تیار نہ ہو سکتا ہو۔ یا موجود نہ ہو تو دودھ ڈبل روٹی یا اور نرم غذا پھل وغیرہ جو کچھ موجود ہوتا۔ پیش کرتے۔ جناب قاضی امیر حسین صاحب بھیروی جو عرصہ دراز سے ہجرت کر کے قادیان بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک زمانہ میں امرتسر کے مدرستہ المسلمین میں ملازم تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امرتسر سے قادیان آیا۔ اور حضرت صاحب کو اطلاع دی آپ فوراً تشریف لائے۔ اور شیخ حامد علی صاحب کو بلا کر حکم دیا کہ قاضی صاحب کے لئے جلد چائے لاؤ۔ یہ ایک واقعہ نہیں علی العموم ایسا ہی ہوتا تھا۔

3۔ آپ مہمان کے جلدی واپس جانے سے خوش نہ ہوتے تھے۔ بلکہ آپ کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک رہے۔ تا کہ پورے طور پر اس کے سفر کا مقصد پورا اور آپ کی دعوت کی تبلیغ ہو سکے۔

ایک مرتبہ حضرت منشی ظفر صاحب کپور تھلوی یہاں آئے وہ ان دنوں میں مجسٹریٹی کے ریڈر تھے۔ وہ ایک دو دن کے لئے یونہی موقع نکال کر آئے تھے۔ مگر اجازت مانگیں تو یہی ہوتا رہا۔ کہ چلے جانا ابھی کونسی جلدی ہے۔ اور اس طرح پر ان کو ایک لمبا عرصہ یہاں ہی رکھا۔

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ حضرت کی اس سیرت سے کہ بہت چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس رہیں۔ یہ نتیجہ نکالا کرتا ہوں۔ کہ یہ آپ کی صداقت کی بڑی بھاری دلیل ہے۔ اور آپ کی روح کو کامل شعور ہے کہ آپ من جانب اللہ اور راست باز ہیں۔ عموماً آدمی ایک دن میں گھبرا جاتا ہے۔ اور وہ دوسروں کو دھکے دے کر نکالتا ہے۔ کہ ایسا نہ ہو کہ اس کا پول کھل جائے۔

4۔ مہمان کے ساتھ تکلف کا برتاؤ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ آپ بالکل بے تکلفانہ برتاؤ کرتے تھے اور اس طرح وہ تکلف کی تکلیف سے آزاد ہو جاتا۔ جیسا کہ منشی عبد الحق نو مسلم کے واقعہ کے تحت بیان کیا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے منشی عبد الحق صاحب کو فرمایا۔ ''کہ آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان وہی آرام میں رہتا ہے جو بے تکلف ہو۔ پس آپ کو چاہیے کہ جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے بلا تکلف کہہ دیں۔''

5۔ آپ مہمانوں کے آرام کے لئے نہ صرف ہر قسم کی قربانی کرتے تھے اور بلکہ ہر ممکن خدمت سے کبھی مضائقہ نہ فرماتے تھے۔

حضرت مولوی عبد اکریم صاحب نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ اور اسے شائع کیا ہے کہ چار برس کا عرصہ گزرتا ہے۔ آپ کے گھر کے لوگ لودھانہ گئے ہوئے تھے۔ جون کا مہینہ تھا۔ مکان نیا نیا بنا تھا۔ میں دو پہر کے وقت وہاں چار پائی بچھی ہوئی تھی اس پر لیٹ گیا۔ حضرت ٹہل رہے تھے۔ میں ایک دفعہ جاگا تو آپ فرش پر میری چار پائی کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ میں ادب سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ آپ نے بڑی محبت سے پوچھا۔ آپ کیوں اٹھے میں نے عرض کیا کہ آپ نیچے لیٹے ہوئے ہیں میں اوپر کیسے سو رہوں۔ مسکرا کر فرمایا۔

میں تو آپ کا پہرہ دے رہا تھا۔ لڑکے شور کرتے تھے انہیں روکتا تھا۔ کہ آپ کی نیند میں خلل نہ آوے۔

یہ محبت یہ دلسوزی اور خیر خواہی ماں باپ میں بھی کم پائی جاتی ہے۔

6۔ آپ سب مہمانوں کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کرتے تھے۔ یعقوب علی ترابی نے اپنی تصنیف ''سیرت مسیح موعود'' میں لکھا ہے۔ کہ 1905ء کے سالانہ جلسہ پر کھانے کا انتظام ان کے سپرد تھا۔ مولوی غلام حسین پشاوری (مرزا بشیر احمد کے سسر) اور ان کے ہمراہیوں کے لئے خاص طور پر چند کھانوں کا انتظام کرنا چاہا۔ حضرت اقدس تھوڑی دیر کے بعد کیفیت طلب فرماتے تھے۔ کہ کھانے کا کیا انتظام ہے۔ کس قدر تیار ہو گیا کہ کس قدر باقی ہے۔ کیا پکایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی میں نے عرض کیا کہ ان (غلام حسین پشاوری) کے لئے خاص طور پر انتظام کر رہے ہیں فرمایا۔ کہ ''میرے لئے سب برابر ہیں۔ اس موضع پر امتیاز اور تفریق نہیں ہو سکتی۔ سب کے لیے ایک ہی قسم کا کھانا ہونا چاہیے یہاں کوئی چھوٹا بڑا نہیں مولوی صاحب کے لئے الگ انتظام ان کی لڑکی (مرزا صاحب کی بہو۔ غلام حسین پشاوری کی بیٹی) کی طرف سے ہو سکتا ہے۔

اور وہ اس وقت میرے مہمان ہیں اور سب مہمانوں کے ساتھ ہیں اس لئے سب کے لئے ایک ہی قسم کا کھانا تیار کیا جائے۔ خبردار کوئی امتیاز کھانے میں نہ ہو۔ (سیرت مسیح موعود صفحہ 154-155)

7۔ مرزا صاحب کی یہ دلی خواہش ہوتی تھی کہ دوست کثرت سے ان کے پاس آئیں۔ اور دیر تک ٹھہریں رہیں زیادہ دیر تک ٹھہرنا وہ سب کا پسند کرتے تھے۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب نے آپ کی اس خصوصیت کے متعلق لکھا ہے کہ ''حضرت کبھی پسند نہیں کرتے کہ خدام ان کے پاس سے جائیں آنے پر بڑے خوش ہوتے اور جانے پر کرہ سے رخصت دیتے ہیں۔ اور کثرت سے آنے جانے والوں کو بہت ہی پسند فرماتے ہیں۔ اب کی دفعہ دسمبر میں (1899 کا واقعہ ہے) بہت کم لوگ آئے اس پر بہت اظہار افسوس کیا اور فرمایا ہنوز لوگ ہمارے اغراض سے واقف نہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں کہ وہ کیا بن جائیں۔ وہ غرض جو ہم چاہتے ہیں اور جس کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ وہ پوری نہیں ہوسکتی۔ جب تک لوگ یہاں بار بار نہ آئیں اور آنے سے ذرا بھی نہ اکتائیں۔ اور فرمایا جو شخص ایسا خیال کرتا ہے۔ کہ آنے میں اس پر بوجھ پڑتا ہے۔ یا ایسا سمجھتا ہے کہ یہاں ٹھہرنے میں ہم پر بوجھ ہوگا۔ اسے ڈرنا چاہیے کہ وہ شرک میں مبتلا ہے۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر سارا جہاں ہمارا عیال ہو جائے تو ہمارے مہمات کا متکفل خدا ہے ہم پر ذرا بھی بوجھ نہیں۔ تو دوستوں کے وجود سے بڑی راحت پہنچتی ہے یہ وسوسہ ہے جسے دلوں سے نکال دینا چاہیے۔ میں نے بعض کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر کیوں حضرت کو تکلیف دیں۔ ہم تو نکمے ہیں یونہی بیٹھ کر روٹی کیوں توڑا کریں۔ وہ یاد رکھیں۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ جو شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالا ہے۔ کہ ان کے پیر یہاں جمنے نہ پائیں۔ ایک روز حکیم فضل الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور میں یہاں نکما بیٹھا کیا کرتا ہوں۔ مجھے حکم ہو تو بھیرہ چلا جاؤں۔ وہاں درس قرآن ہی کروں گا۔ یہاں مجھے بڑی شرم آتی ہے۔ کہ میں حضور کے کسی کام نہیں آتا۔ اور شاید بیکار بیٹھنے میں کوئی معصیت ہو۔ فرمایا آپ کا یہاں بیٹھنا ہی جہاد ہے۔ اور یہ بیکاری بڑا کام ہے غرض بڑے دردناک اور افسوس بھرے لفظوں میں نہ آنے والوں کی شکایت کی اور فرمایا۔ یہ عذر کرنے والے وہی ہیں جنہوں نے رسول کریم ﷺ کے حضور میں عذر کیا تھا۔ ان بیوتنا عورۃ اور خدا تعالیٰ نے ان کی تکذیب کردی۔ ان یریدون الا فراراً۔ (تلخیص سیرت مسیح موعود مصنفہ یعقوب علی ترابی صفحہ 148-156)

جود و عطا:۔ قرآن مجید میں جہاں قیام صلوۃ کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کیا

ہے۔ گویا انسان صرف عبادت کے ساتھ ہی معراج حاصل نہیں کرسکتا۔ جب تک اس کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کو اس خلق عظیم سے وافر حصہ دیا تھا۔ یہ خلق دعوی مجددیت سے قبل بھی آپ کی طبیعت کا ایک جزو تھا۔ اور دعوی مجددیت کے بعد آپ نے کبھی کسی سائل کو رد نہیں کیا۔ آپ کی زندگی اما السائل فلا تنھر کی ایک عملی تفسیر تھی۔ حضرت مولانا عبدالکریم فرماتے ہیں کہ:

''ایک دن ایسا ہوا کہ نماز عصر کے بعد آپ معمولاً اٹھے اور مسجد کی کھڑکی میں اندر جانے کے لئے پاؤں رکھا۔ اتنے میں ایک سائل نے آہستہ سے کہا میں سوالی ہوں حضرت کو اس وقت ضروری کام تھا اور کچھ اس کی آواز بھی دوسرے لوگوں میں مل جل گئی تھی۔ جو بعد نماز اٹھے اور آپس میں عادتاً کوئی نہ کوئی بات کرتے تھے۔ غرض حضرت سرزدہ اندر چلے گئے۔ اور التفات نہ کیا مگر جب پہنچے گئے۔ وہی دھیمی آواز جو کان میں پڑی تھی۔ اب اس نے اپنا نمایاں اثر آپ کے قلب پر کیا۔ جلد واپس تشریف لاتے۔ اور خلیفہ نور الدین صاحب کو آواز دی کہ ایک سائل تھا۔ اس کو دیکھو کہاں ہے؟ وہ سائل آپ کے بعد چلا گیا۔ خلیفہ صاحب نے ہر چند ڈھونڈا پتہ نہ ملا۔ شام کو حسب عادت نماز پڑھ کر بیٹھے وہی سائل آ گیا۔ حضرت نے بہت جلدی جیب سے کچھ نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیا اور اب ایسا معلوم ہوا کہ آپ ایسے خوش ہوئے ہیں کہ گویا کوئی بوجھ آپ کے اوپر سے اتر گیا ہے۔ چند روز کے بعد ایک تقریب سے ذکر کیا کہ اس دن جو سائل نہ ملا میرے دل پر ایسا بوجھ تھا کہ سخت بے قرار کر رکھا تھا۔ اور مجھے ڈر تھا کہ مجھ سے معصیت سرزد ہوئی ہے کہ میں نے سائل کی طرف دھیان نہیں کیا۔ اور یوں جلدی اندر چلا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ شام کو واپس آ گیا۔ اور نہ خدا جانے میں کس اضطراب میں پڑا رہتا۔ اور میں نے دعا بھی کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو واپس لائے۔

نہال چند (نہالا) بہار وراج کے ساتھ سلوک:۔ یعقوب علی ترابی اپنی کتاب ''سیرت مسیح موعود'' میں لکھتے ہیں۔ قادیان میں ایک شخص نہال چند (نہالا) بہار وراج ایک برہمن تھا۔ اپنی جوانی کے آیام میں وہ ایک مشہور مقدمہ باز تھا۔ آخر عمر تقریباً اس کی ایسی ہی حالت رہی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت اقدس کے خاندان کے ساتھ عموماً مقابلہ اور شرارتیں کرتے رہتے تھے پھر سلسلہ کے دشمنوں کے ساتھ بھی وہ رہتا۔ آخر عمر میں اس کی مالی حالت نہایت خراب ہوگئی اور یہاں تک کہ بعض اوقات اس کو روزانہ ضروریات کے لئے بھی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس نے

ایک مرتبہ حضرت اقدس کے دروازے پر آ کر ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ اور اطلاع کرائی۔ حضرت اقدس نے نہ صرف تسلی دی بلکہ پچیس روپے کی رقم لا کر اس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور فرمایا کہ فی الحال اس سے کام چلاؤ۔ پھر جب ضرورت ہو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ اس کے بعد اس شخص کا معمول ہو گیا کہ وہ مہینے دو مہینے کے بعد آتا اور ایک معقول رقم آپ سے اپنی ضروریات کے لئے لے جاتا۔ وہ نہ صرف حضرت اقدس سے لیتا تھا بلکہ حضرت خلیفہ اول سے بھی اس نے بطور قرض ایک معقول رقم ایک خاص وعدہ پر لی تھی۔ (صفحہ 278-279)

صاحبزادہ سراج الحق کا بیان :۔ صاحبزادہ سراج الحق کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے پاس ایک خوب صورت ٹوپی بھیجی۔ جب یہ پارسل حضرت کی خدمت میں پہنچا تو اتفاق سے ایک ہندو صاحب بھی پاس موجود تھے۔ آپ نے پارسل کو کھولا تو وہ ٹوپی نکلی۔ اس ہندو نے اس ٹوپی کی بہت تعریف کی۔ آپ نے جب اس کے منہ سے ٹوپی کی تعریف سنی تو جھٹ وہ ٹوپی اس کو دے دی۔ (سیرت مسیح موعود صفحہ 280)

ایک سکھ کو جو دشمن تھا قیمتی مشک دے دیا :۔ قادیان میں نہال سنگھ نامی ایک جٹ رہتا تھا۔ وہ سلسلہ کا بہت دشمن تھا۔ حکیم مولوی نور الدین اور بعض دوسرے اصحاب پر ایک خطرناک فوجداری مقدمہ بھی دائر کر رکھا ہوا تھا۔ عین ان ایام میں جب کہ مقدمات دائر تھے۔ اس کے بھتیجے سنتا سنگھ کی بیوی کے لئے مشک کی ضرورت پڑی۔ اور کسی دوسری جگہ سے بھی یہی نہیں کہ مشک ملنا نہ تھا بلکہ یہ بہت قیمتی چیز تھی وہ اس حالت میں حضرت مرزا صاحب کے دروازہ پر گیا۔ اور مشک کا سوال کیا حضرت اقدس اس کے پکارنے پر فوراً ہی تشریف لے آئے تھے۔ اور اسے ذرا بھی انتظار میں نہ رکھا۔ اس کا سوال سنتے ہی فوراً اندر تشریف لے گئے۔ اور کہہ گئے کہ ٹھہرو میں ابھی لاتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے کوئی نصف تولہ کے قریب مشک لا کر اس کے حوالہ کر دی۔ (تلخیص سیرت مسیح موعود مصنفہ یعقوب علی ترابی صفحہ 287)

عہد دوستی کی رعایت (اخوت اور خلت) :۔ اخوت اور خلت اسلام کا ایک اہم معاشرتی خلق ہے۔ اسلامی معاشرہ کی بنیاد اسی خلق پر رکھی گئی ہے۔ یہی وہ خلق ہے جو تمام لونی۔ لسانی۔ قومی تعصبات کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے معاشرتی تفریقات کو ختم کر کے اسی خلق کا رائج کیا۔ اور صحابہ کرام نے اس خلق میں اپنے تئیں اس قدر رنگیں کیا۔ خونی اخوت بھی اس کے سامنے مات ہو گئی۔ حضرت مرزا صاحب اس صفت سے بدرجہ اتم متصف تھے۔ اور آپ کے وجود

سے اس خلق کی نورانی شعاعیں جلوہ گر ہوتی تھیں۔ ایک دن آپ نے عہد دوستی کے متعلق فرمایا کہ "میرا مذہب یہ ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مجھ سے عہد دوستی باندھے مجھے اس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ میں اس سے قطع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ خود قطع تعلق کر دے تو ہم لاچار ہیں ورنہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں میں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہو اور کتے اس کا منہ چاٹ رہے ہوں۔ تو بلا خوف اور لومتہ لائم اسے اٹھا کے لے آئیں گے۔

فرمایا عہد دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے۔ اس کو آسانی سے ضائع کر دینا نہ چاہیے۔ اور دوستوں میں کیسے ہی ناگوار بات پیش آوے اسے اغماض اور تحمل کے محل میں اتارنا چاہیے۔

مرحوم محمد افضل کا واقعہ :۔ بابو محمد افضل افریقہ میں ملازم تھے۔ بہت خوش حال اور فارغ البال تھے۔ موصوف کی دو بیویاں تھیں۔ وہ قادیان میں رہتی تھیں۔ 1899ء میں انہوں نے حضرت مولانا نور الدین کو ایک خط لکھا اور کچھ روپیہ بھیجا۔ اور اپنی ایک بیوی کو افریقہ بلایا اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو بیوی آنے سے انکار کرے اس کو طلاق دے دی جاوے۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ خط حضرت اقدس کے حضور پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو جب طلاق دے گا مگر اسے لکھ دو کہ ایسے شخص کا ہمارے ساتھ تعلق نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ وہ اتنے عزیز رشتہ دار کو ذرا سی بات پر قطع کر سکتا ہے۔ وہ ہمارے تعلقات میں وفاداری سے کیا کام لے گا۔ جب محمد افضل صاحب کو حضور کی ناراضی کا علم ہوا تو اس کے اندر ایک عجیب تبدیلی پیدا ہوئی۔ آخر کار وہ افریقہ کو خیر باد کہہ کر قادیان میں رہائش پذیر ہو گیا۔ (تلخیص سیرت مسیح موعود)

حضرت مولوی نور الدین کا واقعہ :۔ ایک مرتبہ مولانا نور الدین صاحب نے حضرت مرزا صاحب سے چار سو روپیہ قرض لیا۔ اور جب مولوی صاحب کے اپنے خیال اور وعدہ کے موافق ادائیگی کا وقت آیا تو انہوں نے وہ روپیہ حضرت کی خدمت میں واپس کیا تو حضرت اقدس نے وہ روپیہ مولوی صاحب کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ آپ نے میرے روپیہ کو اپنے روپیہ سے الگ سمجھا ہے۔ اور یہ ایسے طور پر فرمایا کہ مولوی صاحب گویا بیدار ہو گئے۔ یہ محبت اور خدمت کی انتہا ہے کہ حضرت مرزا صاحب مومنوں کو قرض دے کر واپس ادائیگی کو ناپسند فرماتے ہیں۔

صبر اور رضا بالقضا :۔ صبر اور رضا بالقضا ایک عالی مقام خلق ہے جو ہر شخص کو میسر نہیں۔ رو پیٹ کر جزع اور فزع کی انتہا کو پہنچ کر صبر اختیار کرنا خلق میں شامل نہیں۔ نہ اس پر کوئی اجر مرتب ہوتا ہے۔

صبر اور رضا بالقضا یہ ہے کہ جب انسان پر ابتلا اور مصائب کے رنگ میں خوف کے رنگ میں بھوک کے رنگ میں نقصان جان و مال کے رنگ میں اور کبھی نقصان ثمرات کے رنگ میں آزمائش آئے۔ تو خدا کی رضا سمجھ کر کوئی شکایت منہ پر نہ لائے اور یہ کہے کہ ہم خدا کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ اور اس کی رضا کے ساتھ راضی ہیں۔

حضرت مرزا صاحب میں یہ خلق اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ مخالفین نے ایذا پہنچانے کی کوئی ایسی صورت نہ تھی۔ جو انہوں نے چھوڑی ہو۔ جھوٹے مقدمات دائر کئے۔ کفر کا فتوی لگایا۔ تمسخر اڑایا گیا۔ اس کے ساتھ آپ کی اولادیں صاحبزادی عصمت۔ بشر اول۔ صاحبزادہ مبارک مرزا افضل احمد نے وفات پائی۔ آپ نے نہایت صبر اور رضا بالقضا کے ساتھ ان صدمات کو برداشت کیا۔

مرزا افضل احمد (خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب پینشنر ڈپٹی کمشنر کے چھوٹے بھائی تھے۔) عین عنفوان شباب میں فوت ہوئے۔ ان کی لاش قادیان میں لائی گئی۔ اور اپنے خاندانی قبرستان میں وہ مدفون ہوئے۔ مغرب کی نماز کے بعد آپ اپنی جماعت کے ساتھ مسجد مبارک کی چھت پر حسب معمول تشریف فرما تھے۔ ایک خادم نے عرض کیا کہ مرزا افضل احمد صاحب فوت ہو گئے۔ اور ان کی لاش لا کر دفن کر دی گئی۔ یہ خبر اس وقت حضرت نے نہ سنی تھی بلکہ اس سے پہلے بھی سن چکے تھے۔ آپ نے سن کر یہی فرمایا۔

''ہم سب مرنے والے ہیں بلکہ جس قدر انسان زمین پر چلتے پھرتے ہیں یہ چلتی پھرتی قبریں ہی ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (تمام وفات کی تفصیل اور حضرت اقدس کا نمونہ صبر اور رضا بالقضا سیرت مسیح موعود مصنفہ یعقوب علی ترابی میں ملاحظہ کریں۔)

دیانت و امانت:۔ دیانت و امانت بھی وہ خلق ہے جس پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ اور رسول کریم ﷺ نے اس خلق سے متصف ہونے کی وجہ سے امین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس خلق کے باریک سے باریک تقاضوں پر اگاہ تھے اور اس خلق کی باریک راہوں پر چلتے تھے۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مجدد اعظم حصہ دوم میں رقمطراز ہیں۔

ایک دفعہ سیر میں کسی دوست نے چند مسواکیں پیش کیں۔ بہت خوش ہوئے لیکن دریافت فرمایا کہ کہاں سے لیں۔ معلوم ہوا کہ وہ درخت آپ کی زمین میں نہ تھا۔ کسی اور زمین دار کی زمین میں تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ مالک کی اجازت سے کاٹی تھیں۔ اس نے کہا کہ نہیں

آپ نے وہ مسواکیں واپس کر دیں۔ اور فرمایا۔ ''کہ یہ فعل جائز نہ تھا۔ اس سے ان مسواکوں کا استعمال بھی درست نہیں۔'' اس طرح ایک دفعہ حضرت اقدس سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ میاں عبداللہ سنوری ساتھ تھے راستہ پر ایک کھیت کے کنارے ایک چھوٹی سی بیری تھی اور اسے بیر لگے ہوئے تھے اور ایک عمدہ پکا ہوا لال بیر راستہ میں گرا ہوا تھا۔ میاں عبداللہ صاحب نے چلتے چلتے اسے اٹھا لیا۔ اور کھانے لگے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ ''نہ کھاؤ اور وہیں رکھ دو۔ آخر یہ کسی کی ملکیت ہے۔'' میاں عبداللہ صاحب سنوری بیان کرتے تھے کہ اس دن کے بعد میں نے کسی بیری کے بیر بغیر اجازت مالک اراضی کے نہیں کھائے۔ یہ زبان کی تاثیر تھی۔

توکل علی اللہ:۔ آپ کی تمام زندگی توکل علی اللہ سے بھری پڑی ہے۔ ایک ایک لمحہ ایک ایک دن آپ کے توکل کی گواہی دے رہا ہے۔ حقیقت میں آپ کی سچائی اور صداقت اس خلق سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ توکل علی اللہ سے بھری ہوئی زندگی یا تو آج سے چودہ سو سال قبل حضرت محمد مصطفے ﷺ کی تھی۔ دشمن نے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ اللہ پر بھروسہ کر کے گھر میں سے نکل کر حضرت ابو بکر کے گھر گئے۔ اور ساتھ لے کر مدینہ کا رخ کیا۔ غار حرا میں پناہ لی۔ دشمن غار کے منہ تک پہنچ گیا۔ اس وقت اپنے رفیق غار حضرت ابو بکر کو تسلی دیتے ہیں۔ لا تحزن ان اللہ معنا. غم نہ کیجئے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ دشمن کی فوج میں گر گئے۔ لیکن توکل علی اللہ نے قدموں میں لغزش نہ آنے دی۔ جب ہم ان تاریخی واقعات کو پڑھتے ہیں تو پھر اسی خلق کو آپ کے خادم مرزا صاحب کے وجود سے خارق عادت کے دیکھتے ہیں تو ایک انسان وجد میں آ جاتا ہے۔

آپ کا ہمیشہ یہی قول تھا کہ کوئی معاملہ زمین پر واقع نہیں ہوتا۔ جب تک پہلے آسمان پر طے نہ ہو جائے۔ اور خدا تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ جن دنوں مولوی کرم دین ساکن بھیں سے مقدمہ تھا۔ اور مقدمہ نے بہت طول پکڑا۔ اور گورداسپور کے اکثر مجسٹریٹ یہ چاہتے تھے کہ آپ کو سزا ہو جائے۔ اور مقدمہ سے کوئی مخلصی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ تو خواجہ کمال الدین صاحب وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان تمام مشکلات کا ذکر کرتے تو حضرت اقدس ہنستے ہوئے فرماتے کہ:

''خواجہ صاحب کوئی خانہ خدا کے لئے بھی خالی چھوڑ دو۔ اگر مقدمہ ہمارے خلاف کمزور ہوتا تو اس میں خدا کی طرف سے نشان نمائی ہی کیا ہوتی۔ لوگ کہتے کہ مقدمہ کمزور تھا۔ مریدوں میں وکیل موجود تھے۔ جیتنا کونسی خارق عادت بات ہوئی۔ پس خدا کا ہاتھ تو جب ہی نظر آئے گا

کہ دنیوی اسباب کی طرف سے مایوسی ہو اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بریت کر کے دکھا دے۔
'خواجہ صاحب روتے ہوئے آئے تھے۔اور ہنستے ہوئے گئے تھے۔ابتلاؤں میں
[ط]مانیت قلب اور استقامت سوائے مقربین الٰہی کے جو نفس مطمئنہ کے وارث ہوتے ہیں اور کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔

آپ 1891ء میں جب دہلی تشریف لے گئے جامع مسجد کی بیچ کی محراب میں آپ تشریف رکھتے تھے۔آپ کے ساتھ صرف چند احباب تھے۔جامع مسجد کا صحن دشمنوں سے بھرا پڑا تھا۔مولویوں نے اپنی اشتعال انگیز تقریروں سے ہزارہا آدمیوں کو اس قدر برافروختہ کر رکھا تھا۔ کہ ان کی آنکھوں سے خون برستا تھا۔قریب آ آ کر گالیاں دیتے اور آوازے کستے۔اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر ارادہ کرتے کہ داڑھی سے پکڑ لیں۔مگر کچھ خدا ہی کی طرف سے تھا۔جو جرات نہ ہوتی تھی اس حالت کو دیکھ کر مولوی عبدالکریم صاحب کی زبان سے یہ نکلا۔کہ حضرت اشتعال بہت بڑھ گیا ہے۔حضرت صاحب نے مولوی عبدالکریم کی طرف دیکھا اور نہایت طمانیت کے لہجہ میں فرمایا کہ "مولوی صاحب مردے زندہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

[د]شمنوں سے سلوک :۔ آپ نے اپنے دشمنوں سے ہمیشہ نیک سلوک کیا۔اور کبھی بھی اپنی مجلس [م]یں ان کے برے سلوک کا ذکر نہ کیا۔اور نہ ان کو کسی برے الفاظ میں یاد کیا۔مولوی عبدالکریم صاحب "سیرت مسیح موعود" میں لکھتے ہیں۔

"مجلس میں آپ کسی دشمن کا ذکر نہیں کرتے۔اور جو کسی تحریک سے ذکر آ جائے تو برے نام سے یاد نہیں کرتے۔یہ ایک بین ثبوت ہے کہ آپ کے دل میں کوئی جلانے والی آگ [نہ]یں ورنہ جس طرح کی ایذا قوم نے دی ہے۔اور جو سلوک مولویوں نے کیا ہے۔اگر آپ اسے واقعی دنیا دار کی طرح محسوس کرتے تو رات دن کڑھتے رہتے اور ایر پھیر کر ان ہی کا مذکور درمیان میں لاتے اور یوں حواس پریشان ہو جاتے اور کاروبار میں خلل آ جاتا۔زٹلی جیسا گالیاں دینے والا عرب کے مشرک بھی حضور سرور عالم کے مقابل نہ لا سکے ۔مگر میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ ناپاک پرچہ اوقات گرامی میں کوئی بھی خلل کبھی بھی ڈال نہیں سکا۔تحریر میں ان موذیوں کا [ا]گر ذکر کوئی دیکھے تو یہ شاید خیال کرے کہ رات دن انہی مفسدین آپ کا ذکر کرتے ہوں گے۔ [مگ]ر ایک مجسٹریٹ کی طرح جو اپنی مفوضہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر پھر کسی کی ڈگری یا ڈسمس یا سزا سے [کو]ئی تعلق نہیں رکھتا۔اور نہ اسے درحقیقت کسی سے ذاتی لگاؤ یا اشتعال ہوتا۔اس طرح حضرت

تحریر میں ابطال باطل اور احقاق حق کے لئے لوجہ اللہ لکھتے ہیں آپ کے نفس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ایک روز فرمایا میں اپنے نفس پر اتنا قابو رکھتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے میرے نفس کو ایسا مسلمان بنایا ہے۔کہ اگر کوئی شخص ایک سال بھر میرے سامنے بیٹھ کر میرے نفس کو گندی سے گندی گالی دیتا رہے آخر وہی شرمندہ ہوگا اور اسے اقرار کرنا پڑے گا۔کہ وہ میرے پاؤں جگہ سے اکھاڑ نہ سکا۔(صفحہ 51-52)

پھر آگے چل کر مولوی عبدالکریم لکھتے ہیں۔

"آپ ہمیشہ فرماتے ہیں کہ کوئی معاملہ زمین پر واقع نہیں ہوتا۔جب تک پہلے آسمان پر طے نہ ہو جائے اور خدا تعالیٰ کا ارادہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔اور وہ اپنے بندہ کو ذلیل اور ضائع نہیں کرے گا۔یہ ایک ایسا رکن شدید ہے جو ہر مصیبت میں آپ کا حصن حصین ہے میں مختلف شہروں اور ناگوار نظاروں میں آپ کے ساتھ رہا ہوں۔دہلی کی ناشکر گزار اور جلد باز مخلوق پٹیالہ اور جالندھر۔کپورتھلہ امرتسر لاہور اور سیالکوٹ کے مخالفوں کی متفق اور منفرد دل آزار کوششوں کے مقابل میں آپ کی حیرت انگیز صبر اور حلم اور ثبات دیکھا ہے۔کبھی آپ نے خلوت میں یا جلوت میں ذکر تک نہیں کیا۔کہ فلاں شخص یا فلاں قوم نے ہمارے خلاف یہ ناشائستہ حرکت کی۔ اور فلاں نے زباں سے یہ نکالا۔میں صاف دیکھتا تھا کہ آپ ایک پہاڑ ہیں کہ ناتواں پست ہمت چوہے اس میں سرنگ کھود نہیں سکتے۔ایک دفعہ آپ نے جالندھر کے مقام میں فرمایا۔ابتدا کے وقت میں ہمیں اندیشہ اپنی جماعت کے بعض ضعیف دلوں کا ہوتا ہے۔میرا تو یہ حال ہے کہ اگر مجھے صاف آواز آوے کہ تو مخذول ہے اور تیری کوئی مراد ہم پوری نہ کریں گے۔تو مجھے خدا کی قسم ہے اس عشق و محبت الٰہی اور خدمت دیں میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔اس لئے کہ میں تو اسے دیکھ چکا ہوں۔پھر یہ پڑھا ھل تعلم له سمياً۔(صفحہ 53)

تصنع اور ریا کاری سے نفرت :۔ آپ کو تصنع و ریا کاری سے سخت نفرت تھی۔یونہی اپنی اہلیت اور قرب الٰہیہ ظاہر کرنے کے لئے مجلس میں کوئی بات نہ کرتے تھے۔اگر کوئی مسئلہ چھڑ جاتا۔یا کوئی سوال کرتا۔تو آپ قرآن مجید کی روشنی میں اس پر سیر حاصل بحث کرتے۔ایک دفعہ آپ کی مجلس میں دو صوفی آئے۔آپ دوستوں کے احوال پوچھتے رہے۔لیکن کوئی ایسی بات نہ چلی جس سے آپ کی اہلیت ظاہر ہوتی ہو۔مولوی عبدالکریم صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے۔تو آپ نے حضرت مرزا صاحب کو خاموشی سے کہا کہ مجلس میں دو صوفی آئے ہوئے ہیں۔کوئی ایسا نکتہ بیان فرمائیں۔

جس سے یہ لوگ متاثر ہوں۔ یہ کلمہ سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ فرمایا۔ مولوی صاحب میں اسے پرلے درجہ کی ریا کاری سمجھتا ہوں۔ پھر مرزا صاحب نے ریا کاری کی باریکیوں پر بحث شروع کی۔ تو دیر تک علمی معارف اور حقائق کا ایک دریا بہتا رہا۔ وہ دونوں صوفی ریا کاری کی باریکیوں کو سن کر تڑپ اٹھے۔ اور تقریر کر کے آپ اندر تشریف لے گئے۔

اقارب سے قطع تعلق:۔ آپ کے چچا زاد بھائی مرزا امام الدین صاحب کی مجلس میں اسلام سے ہنسی ہوتی تھی۔ وہ خود بھی ایسے الفاظ اور کلمات اپنی زبان سے نکال دیتے تھے جس سے تحقیر دین ہو۔ ان باتوں کو دیکھ کر آپ نے ان لوگوں سے تعلقات منقطع کر لئے۔ آخری وقت تک اس پر قائم دائم رہے۔

یہ آپ کی دشمنی ذاتی نہ تھی۔ اگر کسی موقعہ پر ان کو مالی ضرورت پڑتی تو ان کی بطیب خاطر مدد فرماتے۔

پنڈت لیکھرام کا واقعہ:۔ پنڈت لیکھرام کا ذکر احمدیہ لٹریچر میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو مرزا صاحب کی پیشگوئی کے تحت مارا گیا۔ اور اسلام کی سچائی ظاہر ہوئی۔ یہ شخص سخت بدزبان تھا۔ اسلام کے خلاف زہر اگلتا تھا۔ ایک دفعہ لاہور کے پلیٹ فارم کے قریب نماز عصر پڑھنے کے لئے وضو کر رہے تھے۔ پنڈت لیکھرام کو علم ہوا تو وہ بھاگا ہوا مرزا صاحب کی طرف گیا۔ سلام کی لیکن مرزا صاحب نے جواب نہ دیا۔ لیکھرام نے سمجھا کہ شاید مرزا صاحب نے سنا نہیں پھر سلام کی۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ آپ بدستور اپنے استغراق میں رہے وہ کچھ دیر ٹھہر کر چلا گیا۔ کسی نے کہا لیکھرام سلام کرتا تھا۔ فرمایا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی بڑی توہین کی ہے۔ میرے ایمان کے خلاف ہے کہ میں اس کا سلام لوں آنحضرت ﷺ کی پاک ذات پر تو حملے کرتا ہے اور مجھ سے سلام کرنے آیا ہے۔

جنگ مقدس میں اس خلق کا اظہار:۔ 1893ء میں امرتسر کے مقام پر عیسائیوں سے مباحثہ ہوا۔ جس کا نام جنگ مقدس رکھا گیا۔ ڈاکٹر پادری مارٹن کلارک نے چائے کی دعوت پر آپ کو اور آپ کے خدام کو بلانا چاہا۔ آپ نے محض اس بنا پر صاف انکار کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی تو بے ادبی کرتے ہیں اور نعوذ باللہ آپ کو جھوٹا کہتے ہیں۔ اور مجھے چائے کی دعوت دیتے ہیں میں نہیں پسند کرتا۔ ہماری غیرت تقاضا ہی نہیں کرتی کہ ان کے ساتھ مل کر بیٹھیں۔ سوائے اس کے کہ ہم ان کے غلط عقائد کی تردید کریں۔

لاہور آریہ سماج کا واقعہ:۔ 1907ء میں لاہور میں آریہ سماج کا جلسہ تھا۔ اس جلسہ میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون بھی پڑھا گیا تھا۔ اس جلسہ میں جس وفد نے شمولیت کی تھی اس کے قائد مولانا نور الدین تھے۔ اس جلسہ میں آریوں نے رسول کریم ﷺ کی شان میں دل آزار کلمات بولے۔ آپ نے جب یہ سنا کہ ہماری جماعت کے لوگ ان کلمات کو سن کر بیٹھے رہے تو آپ نے اظہار ناراضگی فرمایا۔ کہ کیوں جماعت کے لوگ وہاں بیٹھے رہے۔

صاحبزادہ مبارک احمد کا واقعہ:۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ بچوں کو مارنے ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے سخت مخالف تھے۔ ایک مرتبہ صاحبزادہ مبارک احمد سے سہواً قرآن مجید کی بے ادبی ہو گئی۔ قرآن مجید ہاتھ سے گر گیا۔ مرزا صاحب نے جب دیکھا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا تو صاحبزادہ کو ایک تھپڑ مارا جس سے گال پر نشان پڑ گیا۔ اور اظہار رنج میں فرمایا کہ قرآن مجید کی بے ادبی"

صاحبزادہ مبارک ابھی بچہ ہے وہ قرآن مجید کے آداب سے ناواقف ہے لیکن پھر بھی اس بے ادبی کو برداشت نہ کر سکے۔

خدمت خلق:۔ حضرت مرزا صاحب کو جتنی لگن اور قلب و روح کا تعلق اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تھا۔ اتنا ہی آپ خدمت خلق میں کمربستہ رہتے تھے۔ مولوی عبد الکریم صاحب اپنی کتاب سیرت مسیح موعود میں خدمت خلق کا بہت ہی پیارا واقع بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ بہت سی گنواری عورتیں بچوں کو لے کر دکھانے آئیں۔ اتنے میں اندر سے بھی چند خدمت گار عورتیں شربت شیرہ کے لئے برتن ہاتھ میں لئے آ نکلیں اور آپ کو دینی ضرورت کے لئے ایک بڑا اہم مضمون لکھنا تھا اور جلد لکھنا تھا۔ میں بھی اتفاقاً جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں حضرت کمربستہ اور مستعد کھڑے ہیں جیسے کوئی یورپین اپنی ڈیوٹی پر چست اور ہوشیار کھڑا ہوتا ہے۔ اور پانچ چھ صندوق کھول رکھے ہیں اور چھوٹی چھوٹی شیشیوں اور بوتلوں میں سے کسی کو کچھ اور کسی کو کوئی عرق دے رہے ہیں اور کوئی تین گھنٹے تک یہی بازار لگا رہا۔ اور ہسپتال جاری رہا۔ فراغت کے بعد میں نے عرض کیا حضرت یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے۔ اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت ضائع جاتا ہے۔ اللہ اللہ! کس نشاط اور طمانیت سے جواب دیتے ہیں کہ یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے یہ مسکین لوگ ہیں۔ یہاں کوئی ہسپتال نہیں میں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یونانی دوائیں منگوا کر رکھا کرتا ہوں۔ جو وقت پر کام آ جاتی ہیں اور فرمایا یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ مومن کو ان کاموں میں سست اور بے پرواہ نہ ہونا چاہیے۔ (صفحہ 24-25)

باب ششم

مرزا صاحب کے دعاوی

(مجددیت ۔ محدثیت ۔ مہدویت ۔ مسیح موعودیت) پر بحث

قانون قدرت :۔ اس مادی دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ایک مقررہ قانون ہے ۔ کہ زمانہ تغیر کا شکار ہے ۔ کبھی بھی ایک جیسے حالات نہیں رہتے ۔ جب انتہا درجہ کی خشک سالی ہو ۔ زمین مردہ ہو چکی ہو ۔ پانی گہرائیوں میں چلا گیا ہو ۔ زمین کے چہرہ سے سبزہ خشک ہو چکا ہو ۔ درخت مرجھا گئے ہوں ۔ پھلدار درخت اپنے پھلوں سے محروم ہو چکے ہوں ۔ لوگ بارش کی ایک ایک بوند کے لئے ترس رہے ہوں ۔ اور مخلوقات خدا بڑے بڑے دکھوں اور آلام جوع و عطش میں مبتلا ہو گئی ہو ۔ تو اللہ تعالیٰ آسمان سے باران رحمت برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے ۔ وہی زمین جو پانی نہ ہونے کی وجہ سے چٹیل میدان نظر آتی ہے وہی باراں رحمت سے یک لخت نو عروسی کا لباس اوڑھ لیتی ہے ۔ حسین اور خوش نما نظر آتی ہے ۔ درخت سبزے کا لباس پہن لیتے ہیں ۔ پھل دار درخت پھلوں سے لدے نظر آتے ہیں ۔ پھول دار پودے مختلف رنگوں کے پھولوں سے بھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ فضا خوشبو سے بھر جاتی ہے ۔ انسان کی روح اور بصارت ایک تازگی محسوس کرتی ہے ۔

اس طرح قدرت کا یہ بھی ایک نظارہ دکھائی دیتا ہے ۔ کہ جب دنیا شب دیجور کی تاریکی میں ڈوب جاتی ہے ۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی ہوتی ہے ۔ تو اچانک آفتاب عالمتاب کے پُر انوار شعاعوں سے تاریکی کے بادل چھٹ جاتے ہیں ۔ اور دنیا کا چہرہ چمکتا دمکتا نظر آتا ہے ۔

اس طرح دنیا میں اس قانون قدرت کی ہزاروں مثالیں ملیں گی ۔ کہ عسر کے بعد یسر نمودار ہوتا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک اٹل قانون ہے ۔ اس قانون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔ ارشاد الٰہی ہے ۔ فطال علیھم الا مد فقست قلو بھم و کثیر منھم فسقون . اعلمو ا ان اللہ یحیی الارض بعد موتھا .قد بینا لکم الایات لعلکم تعقلون (الحدید 57. 16، 17) جب ان پر ایک لمبی مدت گزر جاتی ہے ۔ تو دلوں میں سختی آ جاتی ہے ۔ اور نتیجہ یہ نکلتا ہے لوگ کثرت سے نافرمان ہو جاتے ہیں جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ زمین کو

اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے ۔ یقیناً اللہ اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو ۔

اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو قرآن مجید میں مختلف انداز اور پیرالوں میں بیان کیا ہے اور یہی قانون روحانی نظام میں چلتا نظر آتا ہے ۔ تاریخ عالم میں دیکھتے ہیں جب زمین معاصی اور معائب کی بدبو سے بھر جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا چہرہ مخلوق کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے اور انسان شیطانی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے ۔ بحر و بر میں ایک فساد برپا ہوتا ہے ۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت جوش میں آتی ہے تو انسانوں کو راہ ہدایت پر چلانے کے لئے کسی پاک روح کو نبوت اور رسالت کا لباس پہنا کر اپنا نمائندہ منتخب کرتی ہے ۔ تو اس کو لوگوں کی ہدایت کے لئے جبرائیل کی معرفت پیغام پہنچاتی ہے ۔ وہ عطر ربانی سے ممسوح ہو کر لوگوں کو ہدایت کا راستہ بتاتی ہے ۔ جب سے دنیا شروع ہوئی ہے خدا کا یہ قانون لاگو ہے ۔ ارشاد الٰہی ہے ۔ لکل قوم ھاد ۔ ہر قوم کی طرف ہادی کرتے ہیں ۔

پھر دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے ۔ ان من امة الا خَلا فیھا نذیر یعنی امت میں نذیر دوڑانے والے) گزر چکے ہیں ۔

غرض کہ دنیا کا کوئی ایسا خطہ نہیں جہاں مذکورہ قانون کے تحت اللہ تعالیٰ نے نبی نہ بھیجے ہوں ۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو آخری شریعت دے کر آخری رسول کے لباس میں بھیجا ۔ قرآن مجید میں آتا ہے ما محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیّن ۔ محمد تمہارے آدمیوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں ۔

(مسئلہ ختم نبوت پر الگ بحث ہو گی)

سنت اللہ کے مطابق رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل روحانی احیا کے لئے انبیاء علیھم السلام کا سلسلہ نظر آتا ہے جن کے ذریعہ قلوب کی مردہ زمین زندہ ہوئی ۔ جب رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو تمام دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے آپ پر نبوت کے تمام مدارج مکمل ہو گئے ۔ شریعت اپنے اختتام کو پہنچ گئی ۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے ۔ اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین

پسند کیا ہے۔

جب دین مکمل شکل میں نازل ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک حتمی وعدہ فرمایا ہے کہ اسلام کی تجدید اور تر و تازگی کے لئے اور روحانی مردوں کو زندہ کرنے کے لئے امت مسلمہ میں سے ایسے لوگ وقتاً فوقتاً بھیجتا رہے گا جو آپ کے کمالات اور علم و حکمت کے وارث ہوں گے اگر امتداد زمانہ سے اسلام میں کوئی غلط عقیدہ داخل ہو جائے گا تو وہ اس کا رد کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے اشخاص کے ذریعہ باغ اسلام میں خشک اور ناپاک ٹہنیوں کو کاٹ کر باہر پھینک دے گا۔ پژمردہ اور مرجھائے ہوئے پودوں کو اپنے لباس قدسی سے از سر نو تازہ کریں گے ارشاد الٰہی ہے۔

وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت یستخلفنّهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ویمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدّلنهم من بعد خوفهم امناً. (محمد 24-55)

اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں۔ کہ خدا انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو جو انہیں پسندیدہ ہے مضبوط کرے گا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خلافت سے نوازے گا۔ یعنی ان میں اپنے خلیفے چنتا رہے گا۔ ان خلفاء کے دو کام ہوں گے تمکین دین اور خوف کی جگہ امن قائم کرنا۔

آیت کریمہ میں خلافت سے مراد جسمانی اور روحانی دونوں خلافتیں ہیں۔ یعنی رسول کریم ﷺ کی امت مادی حکومت سے محروم نہیں ہوگی۔ اس طرح مادی حکومت کے ساتھ روحانی خلافت بھی جاری رہے گی۔ رسول کریم ﷺ نے یہی تفسیر فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی و انه لا نبی بعدی و سیکون خلفاء۔ یعنی بنی اسرائیل کی رہنمائی نبی کرتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا اور میرے بعد کوئی نہیں نبی اور خلفاء ہوں گے۔ گویا بنی اسرائیل میں بادشاہت او رنبوت تھی۔ اور امت محمدیہ میں بادشاہت (حکومت) اور ولایت ہوگی۔ کیونکہ بادشاہت (حکومت) کی ضرورت تو ہمیشہ ہے۔ اور نبوت کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر کامل کر

کے اس کی جگہ ولایت کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔

خلافت روحانی اور بعثت مجددین:۔ جب حدیث کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین کی تر و تازگی اور رد عقائد باطلہ کے لئے رسول کریم ﷺ نے ہر صدی کے آخر پر بعثت مجددین کی خوش خبری دی ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد و مستدرک حاکم و سنن بیہقی میں بروایت حضرت ابو ہریرہ یہ حدیث آئی ہے۔

ان اللہ یبعث لهذه الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لها دینها یعنی ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ اس امت میں ایک ایسا شخص بھیجا کرے گا جو دین کی تجدید کرے (تر و تازہ کرے) کنز العمال جلد 6 صفحہ 238۔ ابو داؤد مطبوعہ مجتبائی صفحہ 241)

حدیث مجددین پر علماء امت کا اتفاق:۔ اس حدیث کی صحت پر تمام علماء امت کا اتفاق ہے۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی نے۔

شرح سنن ابی داؤد میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے۔ فاقول هذا الحدیث اتفق الحفاظ علی الصحیح منهم الحاکم فی المستدرک و البیهقی فی مرقاة الصعود المدخل. میں کہتا ہوں کہ حفاظ حدیث مجدد کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ ان میں سے حاکم نے المستدرک ہیں اور بیہقی نے مدخل میں صحت کا اقرار کیا ہے۔ اسی طرح اپنے رسالہ تنبیہ میں لکھا ہے۔ اتفق الحفاظ علی صحته یعنی تمام حفاظ نے اس حدیث کی صحیح ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ امام نووی، ملا علی قاری اور علی متقی نے بھی اس کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

متاخرین میں ابو الفضل عراقی اور ابن عساکر نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم کر کے لکھا ہے کہ اس سے ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء کے صفحہ 41 پر لکھتے ہیں۔ ”خبر دار از انکہ بر راس ہر زمانا مجدد پیدا خواہد شد ہمچناں واقعہ شُد۔ پھر تفہیمات الٰہیہ میں اس حدیث کی صحت کو قبول کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

و قال جماعة من العلماء رضی اللہ عنهم منهم الشیخ الامام الحافظ ابن العساکر فی الحدیث الوارد عن النبی صلی اللہ علیه و آله وسلم فی ان اللہ تعالیٰ یبعث لهذه الامه من یجدد لها دینها علی راس کل مائة سنته ۔(صفحہ 51)

اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے جن میں سے ایک شیخ امام حافظ ابن عساکر ہیں۔ کہ نبی ﷺ سے یہ حدیث وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر اس امت کے لئے کسی ایسے شخص کو مبعوث کیا کرے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔

اسی طرح حجج الکرامہ فی اثار القیمتہ کے صفحہ 133 پر نواب صدیق حسن صاحب رقمطراز ہیں۔ و قد اتفق الحفاظ علی الصحیح هذا الحدیث یعنی حفاظ حدیث نے اس حدیث کی صحت پر اتفاق کیا ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر ہدایت النہایۃ میں لکھتے ہیں۔و قد ذکر کل طائفة من العلماء فی راس کل مائة سنه عالما من علما ئهم یعنی علماء کے ہر گروہ نے ذکر کیا ہے کہ ہر صدی کے سر پر علماء میں سے ایک عالم مجدد ہوا کرے گا۔

.حافظ عزیز الدین ابن کثیر لکھتے ہیں۔ فالا حسن و الاجد ر ان یکون ذاک اشارة الی حدیث و جماعته من الاکابر المشهودین علی راس کل مائة سنته یجددون للناس دینهم و یحفظون دینهم فی اقطار الارض ۔عمدہ اور مضبوط بات یہ ہے کہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ مشہور اکابر علماء کی جماعت میں سے ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ ہوا کریں گے جو لوگوں کے دین کی تجدید اور اطراف عالم میں ان کے دین کی حفاظت کیا کریں گے۔(حجج الکرامہ صفحہ 133)۔حضرت عیسیٰ لکھتے ہیں۔و ان تجدید الدین متناول بجمیع انواعه یعنی تجدید دین ہر قسم کی ہوگی۔

حضرت امام غزالیؒ کا دعویٰ مجددیت :۔ امام غزالی کی عظمت اور مرتبہ اسلامی دنیا میں مسلم ہے۔ آپ اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں عزلت یا گوشہ نشینی کو ترک کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فشاورت فی ذالک جماعة من ارباب القلوب و المشا هدات فاتفقو علی الاشآرة ترک العزلة و الخروج من الزاوية و انصاف الی ذالک منامات من الصالحین کثیره متواتر تشهد بان هذ ه الحر کة بعده خیر و رشد قدر ها الله سبحا نه علی راس هذه المائته و قد وعد الله سبحانه با حیاء دینه علی راس کل مائة فاستحکم الرجا وغلب حسن الظن بسبب هذه الشهادات یسره الله تعالیٰ الحر کته الی نیشاپور للقیام هذه المهم فی ذی القعدة سنة تسع و تسعین و اربعما ئة و کان الخروج من بغداد فی ذی القعده سنته ثمان ثمانین و اربعمائته ۔یعنی میں نے اس (گوشہ نشینی کو چھوڑنے) کے بارے میں چند اہل دل اور ارباب مشاہدہ سے مشورہ کیا۔انہوں نے

ترک عزلت اور زاویہ سے خروج کا مشورہ دیا۔اور اس امر کی طرف صالحین کی کثیر حوالوں نے بھی دلالت کی۔ کہ یہ حرکت موجب خیر و برکت ہوگی۔اور اس کا منبع ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے سر پر مقدر کیا ہوا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے کہ ہر صدی کے شروع پر اپنے دین کو زندہ کرے گا۔ان وجوہات سے میرا عزم ترک خلوت پر مستحکم ہوگیا اور ان شہادتوں پر مجھے حسن ظن حاصل ہوگیا۔پس حکم الٰہی سے مجھے ماہ ذی قعدہ 499ھ میں نیشاپور کی طرف سوار ہونا نصیب ہوا۔اور بغداد سے نکلنے تاریخ ماہ ذی قعدہ 488 (المنقذ من الضلال صفحہ 95-96)

امام ابن تیمیہؒ کا دعوی مجددیت :۔امام ابن تیمیہؒ دنیائے اسلام کے ایک جید عالم مجتھد ہو گزرے ہیں۔ان کو ان کے زمانہ میں نہ صرف دوسرے لوگوں نے مجدد وقت قرار دیا بلکہ ان کا اپنا دعوی بھی کھلے لفظوں میں موجود ہے۔ دوسرے لوگوں میں سے عبد اللہ بن حامد شافعی ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ’’اللہ سبحانۃ کا سب سے بڑا احسان اہل دنیا پر یہ ہے کہ اس میں ایک عارف عالم زاہد اور مجدد پیدا کیا۔ ملاحظہ ہو کتاب امام ابن تیمیہ مولفہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، احمد بن ابراہیم الواسطی المعروف بابن شیخ الحرمین ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ’’تم خوش قسمت ہو کہ تم میں ابن تیمیہ جیسا مجدد دہر موجود ہے۔‘‘ (ایضاً صفحہ 183-186)

خود امام ابن تیمیہ نے جنگ کسرواں کی فتح پر بادشاہ وقت کو ایک خط لکھا۔جس میں تحریر فرماتے ہیں۔ ’’حمد وصلوۃ کے بعد واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کو فتح عطا فرمائی۔اسلامی افواج کامیاب اور احزاب ناکام ہوئے۔ بادشاہ اور مومنین پر اللہ کا یہ وہ احسان ہے جس کی مثال قرون ماضیہ میں نہیں ملتی۔اسلام کو نئی زندگی ملی اور مخبر صادق کی یہ بشارت کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آیا کرتا ہے۔لفظ بلفظ سچی ثابت ہوئی۔(کتاب ابن تیمیہ۔)

حضرت مجدد الف ثانی کا دعوی مجددیت :۔ہندوستان میں ایک بزرگ محض اسی نام سے مشہور ہیں یعنی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ جو مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں۔انہوں نے بڑے زور سے الف ثانی کے مجدد ہونے کا دعوی کیا ہے۔چنانچہ اپنے مکتوبات میں وہ فرماتے ہیں۔

’’این علوم مقتبس از مشکوۃ انوار نبوت اند۔۔۔۔۔صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف است۔۔ و بدانند کہ برسر ہر مائتہ مجددے گذشتہ است اما مجدد مائتہ دیگر است و مجدد الف دیگر ۔یہ علوم انوار نبوت کے چراغ سے لئے گئے ہیں۔اور ان علوم و معارف کا مالک اس ہزار کا مجدد ہے اور جاننا چاہیے۔کہ ہر صدی کے سر پر مجدد گزرا ہے لیکن ہر صدی کا مجدد اور ہے اور ہزار کا اور۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا دعویٰ مجددیت :۔ حضرت شاہ ولی اللہ اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں ۔قد البسنی اللہ خلۃ المجددیۃ حین انتھت بی دورۃ الحکمۃ۔جب مجھ پر حکمت کا دورہ کمال کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعت مجددیت سے سرفراز فرمایا۔

ہر مجدد کے دعویٰ کا سوال :۔ ہر صدی کے مجدد کا دعوی ان کی کتب میں محفوظ نہیں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے دعوی نہ کیا۔لیکن اپنے تجدیدی کارناموں کی وجہ سے وہ مجدد کہلانے کا مستحق ہو۔ اس وجہ سے مجدد کے دعوی کے متعلق علماء کرام کے دو طبقے ہیں ایک طبقے کا یہ نظریہ ہے ۔ مجدد کا دعویٰ کرنا ضروری نہیں ۔صدی کے سر پر جو عالم تجدیدی کاموں میں مصروف ہو۔اور اپنے قلم اور زبان سے اسلام کی خوبصورتی کو اس رنگ میں بیان کر رہا ہو۔جس کے پیچھے انوار نبوت کی جھلک نظر آتی ہو۔اور اللہ تعالیٰ نے اس دور میں اس کو ایک اعجازی قوت دی ہو۔جس سے اپنے مخالفین پر وہ غلبہ حاصل کرے ۔اپنے نفوس قدسیہ سے مردہ دلوں کی اصلاح بھی کر رہا ہو۔اسلام کے باغ میں جو بدعات کی گھاس پھوس اگی ہو اس کو صاف کرے ۔اور باغ کی تروتازگی کو دوبالا کرے ۔ وہی مجدد ہو گا ۔بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ مجدد کا دعوی کرنا ضروری ہے ۔جس شخص سے اللہ تعالیٰ تجدیدی کام لے رہا ہے ۔اور جس شخص کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنا چہرہ دکھا رہا ہے۔ جس کا وجود اللہ کی ہستی پر دلیل ہے ۔وہ شخص اللہ کے عطر سے ممسوح ہے ۔اس کا وجود جہاں کے لئے روحانی خوشبو کا باعث ہے ۔اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر قرآن کی روشنی میں ایک نیا نظام دے رہا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت اس کا دعوی مجددیت ضروری ہے ۔

محاکمہ :۔ جب مجددین کی فہرست پر نظر ڈالیں اور ان کی کتب کا مطالعہ کریں۔تو صرف چند شخصیتیں سامنے آتی ہیں جنہوں نے دعوی مجددیت کیا ہے ۔اور بقیہ کو ان کے تجدیدی اور احیائے دین کے کاموں کو سامنے رکھ کر مجدد کے نام سے پکارا ہے ۔ان کا دعوی مجددیت تاریخ سے ثابت نہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ جن مجددین میں محدثیت کی شان پائی جاتی ہے ۔وہ دعوی مجددیت کرتے ہیں جو اس شان کے حامل نہیں ہوتے ۔ وہ دعوی مجددیت نہیں کرتے ۔ محدث رسول سے شدید مشابہت رکھتا ہے ۔وہ بالقوہ نبی ہوتا ہے ۔اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو مقام ماموریت پر کھڑا کرتا ہے ۔اور اس کا دعوی بھی کرتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شان محدثیت کے حامل تھے ۔ اللہ تعالیٰ ان سے بکثرت ہم کلام ہوتا تھا۔اس وجہ سے انہوں نے دعوی مجددیت کیا۔مرزا صاحب بھی شان محدثیت کے حامل تھے ۔اس وجہ سے انہوں نے دعوی مجددیت کا کیا۔

ورثۃ الانبیاء و الرسخون فی العلم

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے علماء کو ورثۃ الانبیاء قرار دیا ہے ۔حقیقت میں مجددین ہی کو ورثۃ الانبیاء کے خطاب مستطاب سے مخاطب کیا گیا ہے ۔چنانچہ ابو احمد عبد الرحمٰن محمد المعروف بابن عدی حبر جانی اپنی کتاب کامل ابن عدی میں حدیث ذیل نقل کرتے ہیں ۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم العلماء مصابیح الارض و خلفاء الانبیاء و ورثتی و ورثۃ الانبیاء ۔حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ علماء زمین کے چراغ اور انبیاء کے خلیفے میرے اور انبیاء کے وارث ہوتے ہیں ۔(کنزالعمال جلد 5 صفحہ 201)

یہی علماء قرآن مجید میں الراسخون فی العلم کے لقب سے ملقب ہیں ۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں جو شیخ جمال الدین ناگوری کے نام پر ہے لکھتے ہیں ۔ و العلماء الراسخون ھم الوار ثون فی الحقیقۃ (مکتوبات جلد 2 مکتوب 18)یعنی علماء راسخین ہی فی الحقیقت وارث انبیاء ہیں پھر اسی مکتوبات کے جلد 2 مکتوب 13 میں جو مرزا شمس الدین کے نام ہے علماء داسخین کی تفصیل یوں فرماتے ہیں ۔

نصیب علماء راسخین کہ ورثہ انبیاء اند علیہ الصلوۃ و التسلیمات بانچہ علماء ظواہر دارند بانچہ صوفیہ بان ممتاز اند اسرار و دقائق است کہ در متشابہات قرانی رمزے واشارتے بآن رفت است ۔ ابر سبیل تاویل اندراج یافتہ فھم الکاملون فی المتابعت و المحققون بالور اثۃ ایشان بر سبیل تبعیت و وراثت شریک دولت خاص انبیاء اند علیھم الصلواۃ والتسلیمات ومحرم بارگاہ لا جرم بشرف کرامت علماء امتی کانبیاء بنی ابرائیل مشرف گشتہ اند یعنی علماء راسخین جو وارث الانبیاء ہیں علماء ظواہر وصوفیہ کرام دونوں کے علوم سے بہرہ ہوتے ہیں ۔یعنی ظاہری علوم سے بھی اور باطنی علوم سے بھی باطنی علوم تو اسرار و دقائق ہیں جن کو قرآن کریم میں متشابہات کے لفظ سے تادیل کیا جاتا ہے ۔ یہی لوگ ہیں جو شریعت کی متابعت میں کامل اور نبوت کی وراثت میں محقق ہیں جس میں شک وشبہ کو کچھ دخل نہیں اور یہی لوگ ہیں جو خاص انبیاء کی وراثت میں شریک اور شریعت کے پیرو ہیں یہی بارگاہ الٰہی کے محرم راز ہیں اور اسی بناء پر علماء امتی کا انبیاء بنی اسرائیل کے باعزت لقب سے مشرف وقلوب ہوئے ۔

رسول کریم ﷺ کی حدیث کے الفاظ 1۔ مصابیح الارض (زمین کے چراغ ،یعنی زمین کی تاریکی کو روشنی میں بدلنے والے) ۔2۔ خلفاء الانبیاء (انبیاء کے جانشین یعنی جو کام اللہ تعالیٰ

نے انبیاء علیھم السلام کے سپرد کئے تھے وہ وہی کام سرانجام دینے والے ہوتے ہیں۔ 3۔ ورثتی و ورثۃ الانبیاء (میرے اور انبیاء کے وارث ہوتے ہیں یعنی نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیھم السلام کی وراثت کتب سماوی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے مملو ہیں انہی پر چل کر انسان کامیابی سے ہم کنار ہوسکتا ہے۔ یہ علماء کتب سماوی خصوصاً قرآن مجید کے چشمہ ہدایت سے سیراب ہو کر دنیا کے لوگوں کے مردہ کو حیات اور زندگی بخشتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی وراثت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیتے ہیں۔

یہی لوگ علماء راسخین ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کی وجہ سے قرآنی اسرار و دقائق پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ پاک باطن ہوتے ہیں۔ یہی لوگ شریعت کی متابعت میں کامل ہوتے ہیں اور جن کے قدم راہ حق پر ہی پڑتے ہیں۔ اور راہ حق پر ہی گامزن رہتے ہیں۔ اور نبوت کی وراثت میں محقق ہوتے ہیں۔ یعنی نبوت کے کامل پرتو ہوتے ہیں۔ ان کے وجود سے نبوت متحقق ہوتی ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے ورثۃ الانبیاء کے لقب سے ملقب ہوئے ہیں۔ یہی لوگ خلیفۃ اللہ ہیں یہی لوگ مجدد ہیں۔ یہی لوگ علماء راسخین ہیں۔ القاب مختلف لیکن شخصیت ایک۔ اس ایک شخصیت کو جس لقب سے چاہیں پکار لیں۔ یہی وہ شخصیتیں ہیں جو بنی اسرائیل کے انبیاء علیھم السلام سے شدید مشابہت ہونے کی وجہ سے کانبیاء بنی اسرائیل کہلاتی ہیں۔ کوئی ایک اللہ تعالیٰ سے عیسیٰ بن مریم کا خطاب پالیتی ہے۔ وہ حقیقی عیسیٰ بن مریم نہیں صرف اپنے وجود میں کلی طور پر عیسیٰ علیہ السلام کی صفات پیدا کرنے کی وجہ سے عیسیٰ بن مریم کے خطاب مستطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ یہی وہ لوگ میں جو کلام الہی کے آب زلال سے سیراب کئے جاتے ہیں۔ اور خدا سے ہم کلام ہوتے ہیں اور خدا کی صفت متکلم کے شاہد ناطق بن جاتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کی نظر میں ورثۃ الانبیاوالی حدیث کا مفہوم:۔ حضرت مرزا فرماتے ہیں۔ ''رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں اور علماء سے مراد محدث ہیں جن کو رب کی طرف سے علم دیا جاتا ہے اور وہ مکلمین ہو جاتے ہیں (حمامۃ البشری صفحہ 80)

آپ فرماتے ہیں۔ ''ہمارے نبی ﷺ کو بھی وہ خدام شریعت عطا کئے گئے ہیں جو ہر طبق حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ملہم اور محدث تھے۔'' (شہادت القرآن صفحہ 6)

امت محمدیہ میں مکالمہ مخاطبہ الہیہ:۔ یہ بہت ہی اہم موضوع ہے۔ یہی وہ موضوع ہے جس کی

بناء پر دوسرے علماء ربانی سے مرزا صاحب ممتاز نظر آتے ہیں اور اسی موضوع کی وجہ سے مرزا صاحب نے اسلام کی فوقیت اور برتری دیگر مذاہب عالم پر عیاں کی۔ یہاں صرف نہایت اختصار سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ امت محمدیہ میں مکالمہ مخاطبہ الہیہ جاری ہے اور مجددین اس نعمت سے نوازے جاتے ہیں۔

اس امر کو معلوم کرنے کے لیے کہ آیا امت مسلم میں اللہ تعالیٰ صوفیاء کرام سے مکالمہ و مخاطبہ کرتا ہے یا کہ نہیں۔ اس کی آسان راہ یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل اللہ تعالیٰ غیر انبیاء سے ہمکلام ہوتا تھا یا کہ نہیں۔ اگر قرآن سے یہ ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بعثت نبی کریم صلعم ﷺ سے قبل غیر انبیاء علیہم السلام سے ہمکلام ہوتا تھا۔ اپنی صفت تکلم کا اظہار ان کے ذریعہ بھی کرتا رہا ہے تو پھر بعثت نبی کریم صلعم ﷺ کے بعد یہ صفت الہیہ کیوں ختم ہو جائے۔ قرآن مجید سے یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے وحی کی۔ ارشاد الہی ہے۔ وَاوحیسنا الی ام موسیٰ اَن ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم وَلا تخافی ولاتحزلی اِنّا رادّوہ الیک وجاعلوہ من النبین (القصص 7:28)

اور موسی کی ماں کو ہم نے وحی کی کہ اسے دودھ پلائے۔ پھر جب اس کے متعلق تجھے خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا ہم اسے تیری طرف واپس لائیں گے اور اسے مرسلوں میں سے بنائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نبیہ نہیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلاؤ۔ پھر جب اس کی نسبت خوف لاحق ہو۔ تو اسے دریا میں ڈال دو دریا میں ڈالنے کی وجہ سے کسی قسم کا خوف نہ کرنا اور نہ غمگین ہونا۔ کہ کہیں یہ بچہ دریا کی لہروں کی نذر ہو جائے گا۔ اس کی حفاظت کا ذمہ مجھ پر ہے۔ میں ہی اس کی حفاظت کروں گا۔ صرف حفاظت کا ہی وعدہ نہیں کیا بلکہ یہ بھی خوش خبری دی۔ کہ اس بچے کو پھر تیری طرف لوٹا دیا جائے اس کے ساتھ یہ بھی بشارت دی کہ یہ بچہ مرسلوں میں سے ہوگا۔

ذرا اس آیت پر غور کریں کہ حضرت موسیٰ کی والدہ ماجدہ کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس میں کتنے امور عجیبہ پوشیدہ ہیں۔ وہ سوائے علیم وخبیر ہستی کے کوئی نہیں جان سکتا۔ حضرت موسی علیہ السلام کی والدہ صاحبہ کو بھی یہی یقین کامل تھا کہ وہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی وحی کے مطابق حضرت موسی کو دریا میں ڈالا گیا۔ بھلا دنیا میں کون سی والدہ ہے جو اپنے جگر گوشہ کو اپنے

ہاتھوں سے دریا کی نذر کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا وعدہ تھا۔ اس وجہ سے ام موسیٰ نے اپنے جگر گوشہ کو دریا میں ڈال دیا۔

یہ ایک کھلی اور قطعی شہادت ہے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ غیر انبیاء سے کلام کرتا تھا۔ اور ان کو امور غیبیہ پر اطلاع دیتا تھا۔ وہ باظنّی امور نہ ہوتے تھے۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کے یقینی امور ہوتے تھے۔ دوسری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ و اذ قالت الملئکة یمریم ان اللہ اصطفک و طھرک و اصطفک علی نساء العلمین یمریم اقنتی لربک و اسجدی و ارکعی مع الراکعین ....اذ قالت الملئکة یمریم ان اللہ یبشرک بکلمة منه اسمه المسیح عیسی ابن مریم و جیها فی الدنیا والاخرة و من المقربین . (ال عمران 3: 42۔44)

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور تجھے پاک بنایا۔ اور قوموں کی عورتوں میں سے تجھے چن لیا۔ اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کر اور جھک جانے والوں کے ساتھ جھک جا۔۔۔ جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے ایک کلام کے ساتھ خوش خبری دیتا ہے اس (مبشر) کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں وجاہت والا اور مقربوں میں سے ہوگا۔

یہ بھی ایک غیر نبی سے کلام ہے اور اعلیٰ درجہ کے امور غیبیہ پر مشتمل ہے۔ اس طرح قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرف وحی کی اور حضرت عیسیٰ کے حواری بالاتفاق نبی نہ تھے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اذ اوحیت الی الحوارین۔ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی۔

جب اللہ تعالیٰ پہلی امتوں کے غیر انبیاء سے کلام کرتا رہا ہے۔ اور اپنی صفت تکلم کا ثبوت دیتا رہا ہے۔ تو پھر امت محمدیہ میں کیوں مسدود ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی صرف انبیاء علیھم السلام سے ہی ہوتی تو پھر ختم نبوت سے سلسلہ مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کا بند ہونا ممکن ہو سکتا تھا۔ پس مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے ختم نبوت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

حدیث سے ثبوت:۔ مذکورہ بحث کی صداقت حدیث سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی پہلی اُمتوں میں غیر انبیاء سے کلام کیا کرتا تھا۔ اور ان کو امور غیبیہ پر اطلاع دیتا تھا۔ اس طرح اس امت میں بھی اس کی یہ سنت جاری رہے گی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من

غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن من امتی احد منهم فعمر بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ان لوگوں میں سے جو تم سے پہلے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ایسے لوگ تھے کہ ان سے کلام کی جاتی تھی حالانکہ وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ ایسے لوگوں میں سے اگر کوئی عظیم الشان انسان میری امت میں ہے تو عمر ہے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پہلی امتوں کے غیر انبیاء سے مکالمہ ہوتا تھا اور ان کو امور غیبیہ کی اطلاع دی جاتی تھی اس طرح اس امت میں بھی ہوگا۔ رسول کریم ﷺ نے اس کی مثال حضرت عمر کی دی۔

قرآن مجید سے ثبوت:۔ اس کے علاوہ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ امت کے مومنین کو امور غیبیہ پر اطلاع دیئے جانے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون .....لھم البشری فی الحیوة الدنیا و الاخرة . (یونس 10: 62۔62)

دیکھو اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے ان کے لئے اس دنیا کی زندگی میں بشارتیں ہیں اور آخرت میں بھی۔

مذکورہ آیت میں البشری کے معنی احادیث میں نبی کریم ﷺ سے رویائے صالحہ مروی ہیں۔ رویائے صالحہ وہی ہے جس میں کوئی آئندہ کی صحیح خبر ظاہر کی جائے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے عن النبی صلعم انه قال البشری ھی الرویا الصالحة یراھا المومن او تری له و عنه علیه الصلوة و السلام ذھبت النبوة و بقیت المبشرات .

امام رازی نے آیت کے معنی پر ایک دوسری حدیث کی شہادت پیش کی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے نبوت ختم ہوگئی اور مبشرات باقی رہ گئے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا لم یبق من النبوة الا المبشرات قالوا ما المبشرات قال الرویاء الصالحة یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا۔ مگر مبشرات۔ لوگوں نے عرض کیا مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا رویائے صالحہ۔ اسی رویائے صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں جزو قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ”رویاء المومن جزء من ستة و اربعین جزء من النبوة“ مومن کی رویاء نبوت کا چھیالیس جزو میں سے ایک جزو ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رویاء صالحہ نبوت کا ہی ایک جزو ہے۔ پس مبشرات میں مکالمہ

ومخاطبہ الٰہیہ شامل ہے۔

چنانچہ فتح الباری میں ان الفاظ کی تشریح میں لکھا ہے۔ابن التین کہتے ہیں کہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وحی (وحی نبوت) میری نبوت سے منقطع ہو جائے گی۔اور رویاء باقی رہ جائیں گے۔اور اسی میں الہام بھی شامل ہیں۔کیونکہ اس میں اس چیز کی خبر ہوتی ہے جو ہونے والی ہو۔ اور وہ یعنی الہام انبیاء کے لئے وحی کی نسبت رویاء کی طرح ہے اور وہ غیر انبیاء کو ہوتا ہے۔جیسا کہ پچھلی حدیث سے ظاہر ہے جو مناقب عمر میں ہے۔کہ گزری ہوئی امتوں میں سے محدث تھے۔اور محدث کی تفسیر ملہم سے کی ہے۔اور بہت سے اولیاء غیب کی خبریں دیتے رہے ہیں اور جس طرح انہوں نے خبریں دیں۔اس طرح وقوع میں آیا۔یہاں صاف طور پر الہام یعنی اولیاء اللہ کی وحی کو رویائے صالحہ میں شامل کیا ہے۔اس کی مزید تائید امام قرطبی کے اس قول سے ہوتی ہے۔جو باب رویاء الصالحین کے ماتحت فتح الباری میں نقل کی گئی ہے۔المسلم الصادق الصالح هو الذی يناسب حاله و حال الانبياء فاكرم بنوع مما اكرم به انبياء و هو الاطلاع علي الغيب مسلم صادق صالح وہ ہے جس کا حال انبیاء سے مشابہ ہو۔پس اس کو وہ چیز عطا کی جاتی ہے جو انبیاء علیھم السلام کو عطا کی جاتی ہے یعنی اطلاع علی الغیب۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب انبیاء کی وحی اور اولیاء کی وحی میں فرق :۔قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے تین طرح کلام کرتا ہے۔ارشاد الٰہی ہے۔ ما كان بشر ان يكلمه الله الا و حيا اومن وراء حجاب اويرسل رسولا فيوحى باذنه ما يشاء ۔کسی بشر کے لئے نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے سوائے اس کے کہ وحی یعنی اشارہ کے طور پر یا پردہ کے پیچھے یا اپنے رسول کو بھیجے پس اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔

اس آیت کریمہ میں کلام کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔1۔بذریعہ وحی خفی۔اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندے کے دل میں سرعت کے ساتھ ایک خیال ڈال دیتا ہے۔جس پر بعض وقت الہام کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔2۔اللہ تعالیٰ بذریعہ رویاء کشوف اپنے بندے پر وارد کرتا ہے جو کلام بغیر کلام کرنے والے کے سنا جاتا ہے۔ان دونوں ذرائع کو علماء نے وحی غیر متلو کا نام دیا جاتا ہے۔ اس وحی میں انبیاء اور اولیاء دونوں شامل ہیں۔3۔بذریعہ رسول اپنے مقرب سے کلام کرتا ہے۔ یہ مقرب بندہ رسول اور نبی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل کو معین الفاظ میں وحی نبوت دے کر بھیجتا ہے۔اور حضرت جبرائیل علیہ السلام معین الفاظ یعنی وحی نبوت کو نبی کے قلب مطہر پر وارد کرتا

ہے۔نبی ان الفاظ کو سنتا ہے اور جبرائیل کو اپنی روحانی بصیرت سے دیکھتا ہے۔یہ وحی متلو ہے۔ یہ وحی نبوت قرآن مجید کی تکمیل کے بعد بند ہو چکی ہے۔کیونکہ وحی نبوت کا ایک حکم بھی جبرائیل علیہ السلام کی معرفت آجائے تو قرآن منسوخ ٹھہرتا ہے۔لہذا اب وحی کا آنا ممتنع ہے اور مسدود ہے۔

کلام الٰہی پر قرآن حدیث کی روشنی میں بحث کرنے سے یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ کلام الٰہی کی وہ شکل جو وحی نبوت کی شکل ہوتی ہے وہ بند ہے کیونکہ یہ صورت رسالت کے ساتھ مخصوص ہے۔جب رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی تو لامحالہ یہ صورت بھی مسدود ہو جاتی ہے۔دوسری دونوں صورتیں یعنی دل میں سرعت کے ساتھ کسی خیال کا آجانا۔یا رویاء کشوف کے ذریعہ کسی امر غیبیہ پر مطلع ہونا جاری وساری ہیں۔

ان دونوں صورتوں کا اس لئے جاری رہنا لازمی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین پیدا کرے۔اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق کلام الٰہی کے علاوہ جتنے چاہیں دلائل دینے کی کوشش کریں۔وہ دلائل انسان کو اس حد تک صرف لے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہونا چاہیے۔کلام الٰہی ہی ایک ایسی دلیل ہے جو انسان کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔کہ وہ اس بات پر ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ موجود ہے گویا کلام الٰہی انا الموجود پر دلالت کرتا ہے اس لئے اولیاء کرام نے اس وحی یا کلام الٰہی کو جاری وساری قرار دیا ہے۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں اُن پر واضح رہے کہ ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں۔اور آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہ ﷺ اور بہ اتباع آنجناب ﷺ اولیاء کو ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگا دے وہ تقوی اور دیانت کو چھوڑتا ہے۔" (مجموعہ اشتہارات جلد دوم نمبر 151 صفحہ 297)

"وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ چکی ہے۔(ازالہ اوہام ص 534)

حضرت مجدد الف ثانی صاحب اپنے مکتوبات کی جلد ثانی صفحہ 99 میں ایک مکتوب بنام محمد صدیق لکھتے ہیں۔" اعلم ايها الصديق ان كلامه سبحانه مع البشر قد يكون شفا ها و ذالک الافراد من الانبياء و قد يكون ذالک لبعض المكمل من متابعيهم و اذا كثر هذا القسم من الكلام مع واحد منهم يسمى محد ثاو هذا غير الالهام و غير الالقاء فى الروع و غير الكلام الذى مع الملک انها يخاطب بهذا الكلام الانسان

الکامل و اللّٰہ یختص برحمته من یشاء." یعنی اے دوست تمہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا بشر کے ساتھ کلام کرنا کبھی روبرو اور ہم کلامی کے رنگ میں ہوتا ہے۔ اور ایسے افراد جو خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ وہ خواص انبیاء میں سے ہیں۔ کبھی یہ ہم کلامی کا مرتبہ ایسے لوگوں کو ملتا ہے کہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کے متبع ہیں جو شخص کثرت سے شرف ہم کلامی کا پاتا ہے۔ اس کو محدث بولتے ہیں اور یہ مکالمہ الٰہی از قسم الہام نہیں بلکہ غیر الہام ہے۔ یہ القاء فی الروع بھی نہیں اور نہ اس قسم کا کلام ہے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کلام سے وہ شخص مخاطب کیا جاتا ہے۔ جو انسان کامل ہو اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

گویا حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک بھی وحی دو قسم کی ہے وحی نبوت جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے دوم وحی ولایت جو اولیاء کرام اور کامل انسانوں سے خاص ہے۔ جو بات حضرت مجدد الف ثانی نے کہی ہے وہی بات مرزا صاحب نے کہی ہے دونوں وحی ولایت کے جاری ہونے کے قائل ہیں۔

اہم سوال اور اس کا جواب: ۔ایک صدی میں صرف ایک ہی شخص مجدد ہوتا ہے یا تجدیدی کاموں میں دیگر علماء بھی شریک ہو کر مجدد کا لقب پانے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اس سوال کو قرآن مجید کی روشنی میں اس طرح حل کر سکتے ہیں۔ کہ اسلام میں سلسلہ مجددین بعثت رسول کریم سے قبل کے انبیاء علیہم السلام سے مماثلت تامہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں آیت استخلاف میں یہی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں تمکین دین کے لئے خلیفے بھیجے گا۔ جس طرح بعثت نبی کریم ﷺ سے قبل بھیجا کرتا تھا انہی خلفاء کو رسول ﷺ نے مجدد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل ایک وقت میں مختلف ممالک میں کئی کئی نبی ہو گزرے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ لسلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں بھائی ایک ہی وقت میں ایک قوم کی طرف مبعوث کئے گئے لہذا اسلام میں ایک وقت میں مختلف ممالک میں کئی مجدد ہو سکتے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان مجددوں کا ایک پیشوا ہو۔ چنانچہ بہت سے علماء کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ امام حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ انه لا یلزم ان یکون فی راس مائة سنة و احد یعنی یہ لازم نہیں کہ صدی کے سر پر صرف ایک مجدد ہو۔

امام سیوطیؒ رسالہ تنبیہ میں لکھتے ہیں۔ لا یلزم منه ان یکون المبعوث علی راس المائة رجلا واحدا بل و قد یکون اکثر۔ یعنی اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ شخص مبعوث

ایک ہی ہو بلکہ زیادہ بھی ہوتے ہیں۔ (دیکھو حجج الکرامہ)

دوسری وجہ: ۔ایک صدی میں متعدد مجددین کا ہونا اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد جو جامع جمیع صفات حسنہ تھے۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ شریعت اسلامی کے تمام شعبہ جات اور امت مسلمہ کے تمام مسائل کے حل کی خدمات سرانجام دے سکے۔ اس لئے یہ ضروری ہے شریعت اسلامی کی تجدید اور امت مسلمہ کے جملہ مسائل کے حل کے لئے مختلف ممالک میں مختلف افراد مامور ہوں۔ چنانچہ فہرست مجددین سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مختلف افراد نے شریعت اسلامی کے مختلف شعبوں میں تجدیدی کام کئے۔ اور اسلام کے چہرہ کو روشن کیا۔ ہر صدی میں مجددین کی فہرست میں کوئی محدث ہے کوئی فقیہ ہے کوئی متکلم ہے کوئی مفسر ہے۔ کوئی صوفی ہے اور کوئی حکمران الغرض جن امور کو ایک ذات مقدسہ یعنی رسول کریم ﷺ سرانجام دیتی تھی۔ انہی سب امور کو آپ کے بعد ایک شخص انجام نہیں دے سکتا تھا لہذا ضروری ہوا کہ ایک ہی وقت میں کئی مجدد ہوں۔

ہم صدی وار مجددین کے اسمائے گرامی لکھ دیتے ہیں بعض تو وہ ہیں جنہوں نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا اور بعض وہ ہیں جنہوں نے مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لیکن وہ ان کے تجدیدی کاموں کی وجہ سے علماء ان کے مجدد ہونے پر متفق ہو گئے۔

پہلی صدی کے مجدد: ۔

(1) عمر بن عبد العزیز۔ (2) سالم۔ (3) قاسم۔ (4) مکحول۔ علاوہ ان کے اور بھی صدی میں مجدد مانے گئے ہیں۔ چونکہ جو مجدد جامع صفات حسنیٰ ہوتا ہے۔ وہ سب کا سردار اور فی الحقیقت وہی مجدد فی نفسہ مانا جاتا ہے۔ اور باقی اس کی ذیل سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے انبیاء بنی اسرائیل میں ایک نبی بڑا ہوتا تھا۔ تو دوسرے اس کے تابع ہو کر کاروائی کرتے تھے۔ چنانچہ صدی اول کے مجدد متصف بجمیع صفات حسنیٰ حضرت عمر بن عبد العزیز تھے (نجم الثاقب جلد 2 صفحہ 9۔ و قرۃ العیون و مجالس لابرار۔ وتعریف الاحیا فضائل الاحیا صفحہ 32)

دوسری صدی کے مجدد: ۔

(1) امام محمد ادریس ابو عبد اللہ شافعی۔ (2) احمد بن محمد حنبل شیبانی۔ (3) یحیی ابن معین بن عون عطفانی۔ (4) اشہب بن عبد العزیز بن داؤد قیس۔ (5) ابو عمرو مالکی مصری۔ (6) خلیفہ مامون رشید بن ہارون۔ (7) قاضی حسن بن زیاد حنفی۔ (8) جنید بن محمد بغدادی صوفی۔ (9) سہل

بن ابی سہل بن رنحلہ شافعی ۔(10) بقول امام شعرانی حارث بن اسعد محاسبی ابوعبداللہ صوفی بغدادی۔
(11) اور بقول قاضی القضاہ علامہ عینی ۔احمد بن خالد الخلال ۔ ابوجعفر حنبلی بغدادی ۔(نجم الثاقب جلد 2 صفحہ 14۔قرۃ العیون ومجالس الابرار تعریف الاحیاء بفضائل الاحیا صفحہ 32)۔

تیسری صدی کے مجدد:۔

(1) قاضی احمد بن شریح بغدادی شافعی ۔(2) ابوالحسن اشعری متکلم شافعی ۔ (3) ابو جعفر طحاوی ازدی حنفی ۔(4) احمد بن شعیب ۔(5) ابوعبدالرحمٰن نسائی ۔(6) خلیفہ مقتدر باللہ عباسی ۔(7) حضرت شبلی صوفی ۔(8) عبیداللہ بن حسنین ۔(9) ابوالحسن کرخی صوفی حنفی ۔(10) امام قجی بن مخلد قرطبی مجدد اندلس اہل حدیث ۔(تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء صفحہ 33۔نجم الثاقب وقرۃ العیون ومجالس الابرار)

چوتھی صدی کے مجدد:۔

(1) امام ابوبکر باقلانی ۔ (2) خلیفہ قادر باللہ عباسی ۔(3) ابو حامد اسفرائنی ۔(4) حافظ ابونعیم ۔
(5) ابوبکر خوارزمی حنفی ۔(6) بقول شاہ ولی اللہ ابوعبداللہ محمد بن عبدالمعروف بالحاکم نیشاپوری۔
(7) امام بیہقی ۔(8) حضرت ابوطالب ولی اللہ صاحب قوت القلوب جو طبقہ صوفیا سے ہیں ۔(9) حافظ احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی ۔(10) ابواسحٰق شیرازی ۔(11) ابراہیم بن علی بن یوسف فقیہہ ومحدث ۔

پانچویں صدی کے مجدد:۔

(1) محمد بن محمد ابوحامد غزالی ۔(2) بقول عینی وکرمانی حضرت راعونی حنفی ۔(3) خلیفہ مستظہر بالدین مقتدی باللہ عباسی ۔(4) عبداللہ بن محمد انصاری ابواسمٰعیل ہروی ۔(5) ابوطاہر سلفی ۔ (6) محمد بن احمد ابوبکر شمس الدین سرخسی فقیہ حنفی ۔

چھٹی صدی کے مجدد:۔

(1) محمد بن عمر ابوعبداللہ فخر الدین رازی ۔ (2) علی بن محمد ۔(3) عز الدین ابن کثیر ۔(4) امام رافعی شافعی صاحب زبدہ شرح شفا ۔(5) یحیٰ بن حبش بن میرک حضرت شہاب الدین سہروردی شہید امام طریقت ۔(6) یحیٰ بن اشرف بن حسن محی الدین لوذی ۔ (7) حافظ عبدالرحمٰن ابن جوزی ۔حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سرتاج طریقہ قادری ۔

ساتویں صدی کے مجدد:۔ (1) احمد بن عبدالحلیم تقی الدین ابن تیمیہ حنبلی ۔(2) تقی الدین ابن

دقیق السعید ۔ (3) شاہ شرف الدین مخدوم بھائی سندی ۔ (4) حضرت معین الدین چشتی ۔ (5) حافظ ابن القیم جوزی شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن القیم الجوزی درعی دمشقی حنبلی ۔
(6) عبداللہ بن اسعد بن علی سلیمان بن خلاج ابومحمد عفیف الدین یافعی شافعی ۔(7) قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی حنفی دمشقی ۔

آٹھویں صدی کے مجدد:۔

(1) حافظ علی بن حجر عسقلانی شافعی ۔ (2) حافظ زین الدین عراقی شافعی ۔ (3) صالح بن عمر بن ارسلان قاضی بلقینی ۔ (4) علامہ ناصر الدین شاذلی ابن سنت میلی ۔

نویں صدی کے مجدد:۔

(1) عبدالرحمٰن بن کمال الدین شافعی معروف بامام جلال الدین سیوطی ۔ (2) محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی شافعی ۔ (3) سید محمد جون پوری مہتدی ۔ اور بقول بعض دسویں صدی کے مجدد ین ۔حضرت امیر تیمور صاحب قرآن فاتح عظیم الشان ۔

دسویں صدی کے مجدد:۔

(1) ملا علی قاری ۔ (2) محمد طاہر فتنی گجراتی محی الدین محی السنتہ ۔(3) حضرت علی بن حسام الدین معروف بعلی متقی ہندی مکی ۔

گیارھویں صدی کے مجدد:۔

(1) حضرت آدم بنوری صوفی ۔ (2) شیخ احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین فاروقی سرہندی ۔ معروف بامام ربانی مجدد الف ثانی ۔

بارھویں صدی کے مجدد:۔ (1) محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان نجدی ۔ (2) مرزا مظہر جان جانان دہلوی ۔ (3) سید عبدالقادر بن احمد عبدالقادر حسنی کوکیانی ۔ (4) حضرت احمد شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ۔(5) امام شوکانی ۔ (6) علامہ سید محمد بن اسمٰعیل امیر یمن ۔(7) محمد حیات بن ملا ملازیہ سندہی مدنی ۔

تیرھویں صدی کے مجدد:۔

(1) سید احمد بریلوی ۔(2) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۔ (3) مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی ۔
(4) بعض کے نزدیک شاہ رفیع الدین صاحب بھی مجدد ہیں ۔(5) بعض نے شاہ عبدالقادر کو مجدد

چودھویں صدی کے مجددین : 1۔مرزا غلام احمد قادیانی ۔2۔ جمال الدین افغانی ۔3۔مفتی محمد

عبدہ مصری۔ 4۔ مولانا محمود الحسن صاحب ۔ 5۔ مولانا اشرف علی تھانوی ۔ 6۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا صاحب بریلوی۔

دعوی مجددیت : ۔اب مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی (دعوی مجددیت ، محدثیت ، مسیح موعودیت اور مہویت) پر مختصر بحث کی جاتی ہے۔

یہ بات طے پا گئی کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آیا کرے گا۔صرف ایک ہی مجدد نہیں ہو گا بلکہ ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں ۔اب ہم چودھویں صدی کے مجدد اعظم کے دعوی پر بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔ کیونکہ اس صدی میں صرف ایک شخص ہے جس نے دعوی مجددیت کیا ہے ۔اس لئے انہی کو سرخیل مجددین تصور کریں گے ۔ اگر کوئی شخص ایسے شخص کو مجدد تسلیم کر لیتا ہے جس نے دعوی مجددیت کا تو نہیں کیا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی رنگ میں امت مسلمہ کی خدمت کرنے کی توفیق دی ہو۔ اسلام کے روشن چہرہ کو لوگوں کے سامنے نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہو۔جس نے مسلمانوں کے تنزل کے دور میں پھر مسلمانوں کو ترقی کی راہ پر چلانے کے لئے شب و روز ایک کر دی ہو۔اور اسلامی قوتوں کے لئے بنیان مرصوص بن گیا ہو اور مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی سعی میں جان دے دی ہو۔اسی طرح جس نے اس دور میں فقہ قرآن حدیث کی کسی رنگ میں خدمت کی ہو۔ایسے وجود قابل تحسین ہیں ۔لازمی طور پر ان کے ساتھ تائید ایزدی تھی ۔وہ من عند اللہ مامور ہیں ۔ہم ان کو صد قابل احترام سمجھتے ہیں لیکن مرزا صاحب نے مجدد ہونے کا دعوی کیا ہے ۔اس لئے مرزا صاحب کے دعوی کو ان کے الفاظ میں ہی بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں ۔'' جب تیرھویں صدی کا آخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے۔'' کتاب البریہ حاشیہ ص 183)

2۔ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ ہر صدی پر ایک مجدد کا ہونا ضروری ہے ۔اب ہمارے علماء کہ جو بظاہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف سے بتلا دیں کہ کس نے اس صدی کے سر پر خدا تعالیٰ سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعوی کیا ہے ۔کہ وہ مجدد خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے گا۔یعنی علوم لدنیہ و آیات سمادیہ کے ساتھ اب بتلا دیں ۔کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا ہے جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعوی کیا۔جیسا کہ اس عاجز نے کیا۔(آزالہ اوہام۔صفحہ 154)

3۔ . اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے ۔ (روحانی خزائن جلد 2 سرمہ چشم آریہ ص 319)

4۔ حقیقت میں ابتداء سے یہی مقرر ہے کہ مسیح اپنے وقت کا مجدد ہو گا اور اعلی درجہ کی تجدید کی خدمت خدا تعالیٰ اس سے لے گا۔(روحانی خزائن حصہ 3 آزالہ اوہام ص 132)

''نبوت کا دعوی اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعوی ہے۔'' (مجموعہ اشتہار جلد دوم نمبر 151 صفحہ 298)

دعویٰ محدثیت

محدث کون ہے : ۔جن اشخاص پر کثرت سے امور غیبیہ ظاہر کئے جاتے ہیں۔اور جن اشخاص کے ساتھ کثرت سے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ ہوتا ہے انہیں محدث کہا جاتا ہے۔

اس بات پر تمام امت کے علماء متفق ہیں وحی ولایت (وحی غیر متلو) اور مکالمہ مخاطبیہ الہیہ جاری ہے۔یہی وہ فیضِ خاتم النبین ﷺ ہے جس سے دیگر مذاہب عاری اور محروم ہیں۔

محدث کی اصطلاح پر تبصرہ : ۔ محدث کی اصطلاح نبی کریم ﷺ کی وضع کردہ ہے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے ۔قال رسول اللہ ﷺ لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔جو تم میں سے پہلے امتیں گزری ہیں ان میں محدث ہوا کرتے تھے۔سو میری امت میں اگر کوئی ایک ہے تو وہ عمر ہے۔

ان یک فی امتی سے مراد یہ نہیں کہ میری امت میں کوئی نہیں ۔نہ ہی یہ مراد ہے کہ حضرت عمر ہی ایک محدث ہیں ۔فتح الباری میں اس کی شرح یوں کی ہے۔ لم یورد ھذا القول مورد الترديد فان امتہ افضل الامم و اذا ثبت ان ذلک وجد فی غیر ھم فامکان وجود فیھم اولی و انما اورد مورد التاکید ۔یعنی اس قول سے مراد محدثوں کے ہونے کی تردید کرنا نہیں ۔کیونکہ آپ کی امت سب امتوں سے افضل ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ دوسری امتوں میں محدث پائے گئے ہیں جو اس امت میں ان کا پایا جانا درجہ اولیٰ ثابت ہے ۔اور ان الفاظ میں درحقیقت تاکید کرنا مقصود ہے۔

اور آگے صاحب فتح الباری لکھتے ہیں اس امت میں محدث بہت کثرت سے ہوئے ہیں ۔اس کی وجہ یوں بیان کی ہے۔و قد تکون الحکمة فی تکثیر ھم مضاھة بنی اسرائیل فی کثرة الانبیاء فیھم فلما مات ھذہ الامتہ کثرة الانبیاء فیھا لکون نبیھا

خاتم الانبیاء عوضوا بکثرة الملهمین ۔یعنی اس امت میں محدثین کی کثرت میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ تا بنی اسرائیل میں انبیاء کی کثرت سے مشابہت ہو۔ پس جب اس امت میں نبی تو کثرت سے نہیں ہو سکتے ۔ کیونکہ اس کا نبی خاتم الانبیاء ہے ۔تو اس کے عوض ان میں ملھم کثرت سے پیدا کئے گئے ہیں۔

عینی شرح بخاری میں بیان کرتے ہیں ۔ المراد بالمحدث یکلمون من غیران یکون انبیاء (عینی شرح بخاری جلد ص614) محدث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے مگر وہ نبی نہیں ہوتے ۔

حضرت ابن وھب اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔قال ابن وھب تفسیر محدثون ملھمون اخرجه البخاری و المسلم رحمهما الله حضرت ابن وہب محدثون کی تفسیر ملھموں سے کرتے ہیں اسے بخاری اور مسلم نے بیان کیا ۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ۔ اعلم ایها الاخ الصدیق ان کلامه سبحانه و تعالی مع البشر قدیکون شفاها و ذالک لا فراد من الانبیاء علیهم الصلوات و التسلیمات و قدیکون ذالک لبعض الکمل من متابعیهم بالتبعیته و الوراثة ایضا و اذا کثر هذا القسم من الکلام مع واحد منهم مسمی محدثا کما کان امیر المومنین عمرو هذا غیر الالهام و غیر الالقاء فی الروع و غیر الکلام الذی مع الملک انما یخاطب بهذا الکلام الانسان الکامل. (مکتوبات امام ربانی جلد سوم صفحہ ہفتم ص2 مکتوب نمبر 51)

اے صدیق جان لے کہ اللہ سبحانہ کا کلام بشر کے ساتھ کبھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ان کے بالمشافہ اور یہ انبیاء علیھم السلام کے لئے ہے ۔اور کبھی ان کے پیروں میں سے بعض کے لئے جو کمال حاصل کر چکے ہوں ۔ بسبب پیروی اور وراثت کے بھی ایسا کلام ہوتا ہے اور یہ قسم کلام ان میں سے ایک کے ساتھ کثرت سے ہو۔ جو اس کا نام محدث رکھا جاتا ہے ۔ جیسے امیر المومنین حضرت عمرؓ کا رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں یہاں صرف اردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔''اور از انجملہ صدیقت اور محدثیت ہے اور ان کی حقیقت یوں ہے کہ امت میں سے ایک شخص ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت ذاتی کے اعتبار سے انبیاء کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے

کہ شاگرد فطین کو شیخ محقق کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔''

اور پھر لکھتے ہیں۔

''اور منجملہ مقامات قلب کے دو مقامات اور ہیں یہ مقام ان نفوس کے ساتھ مختص ہیں جو انبیاء علیھم السلام کے ساتھ مشابہہ ہوتے ہیں ۔ان مقامات کا عکس ان نقوش پر پڑتا ہے ۔ جس طرح چاند کی روشنی کا اس آئینہ پر عکس پڑتا ہے ۔ جو ایک کھلے ہوئے سوراخ کے مقابل رکھا ہوا ہو پھر اس آئینہ کی روشنی کا عکس دیواروں اور چھت اور زمین پر پڑتا ہے ۔ یہ مقام بھی بمنزلہ صدیقیت اور محدثیت کے ہیں۔''

حضرت مجدد الف ثانی نے تو یہ فرمایا ہے کہ محدث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ کثرت سے ہوتا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے محدث کو مثل انبیاء قرار دیا ہے۔''وہ اپنی فطرت ذاتی کے اعتبار سے انبیاء کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور پھر اس میں بطور عکس یا ظلی طور پر نبوت کا ہونا مانا ہے ۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے مقام کا عکس ان پر ایسا پڑتا ہے جیسے چاند کی روشنی کا عکس آئینہ ہو۔

مذکورہ تمام بحث سے حسب ذیل امور محدث کے متعلق ثابت ہوتے ہیں۔

1۔ اس امت میں نبی کوئی نہیں ہوگا محدث ہوں گے۔

2۔ محدث غیر نبی یا امتی ہوتا ہے۔

3۔ محدثیت امت محمدی کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام ہے۔

4۔ محدث اپنے اندر کمالات نبوت رکھتا ہے گویا وہ بالقوہ نبی ہوتا ہے ۔اسی وجہ سے علماء نے ان کو ظلی نبی بھی کہا ہے۔

5۔ امت مسلمہ میں محدث پہلی امتوں کے بالخصوص بنی اسرائیل کے انبیاء کے قائم مقام ہیں۔

6۔ محدث نبی سے اشد مشابہت رکھتا ہے اس کا روحانی وارث ہوتا ہے مگر رسول نہیں ہوتا۔

7۔ محدث کے ساتھ کثرت کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے۔

مرزا صاحب کی تحریرات کی روشنی میں محدثیت کی وضاحت : اس وضاحت کے بعد مرزا صاحب کے دعوی محدثیت پر بحث کی جاتی ہے کہ آپ نے دعوی محدثیت سے کیا مراد لیا ہے۔

1۔ محدث مرسل ہوتا ہے : ۔یہ جان لینا چاہیے کہ محدثیت کے جو لغوی اور اصطلاحی معنی علماء

امت اور محدثین کرتے چلے آ رہے ہیں۔ وہی مرزا صاحب نے کئے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔ ’’(محدث) خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے۔ اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے بعینہ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔ (توضیح مرام ص 18)

حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ محدث بھی نبیوں اور رسولوں کی طرح خدا کے مرسلوں میں داخل ہیں۔ (ایام الصلح ص 75)

مرسل ہونے میں نبی اور محدث ایک ہی منصب رکھتے ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا ہے اور ایسا ہی محدثین کا نام بھی مرسل ہی رکھا ہے۔ (شھادۃ القرآن ص 27)

2۔ محدث مشکوۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتا ہے:۔ (محدث) ایسا نبی ہے جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اپنی طرف سے براہ راست نہیں بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے (ازالہ ادہام ص 586)

’’ہاں ایسا نبی جو مشکوۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت نام نہیں رکھتا جس کو دوسرے لفظوں میں محدث کہتے ہیں وہ اس تحدید سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ بباعث اتباع اور فنا فی الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں داخل ہے۔ جیسے جز کل میں داخل ہوتی ہے۔ (ازالہ ادہام ص 579)

مرزا صاحب نے اسی خیال کو خوبصورت انداز میں ایک شعر میں بیان کیا ہے۔

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے۔

محدث بالقوہ نبی ہوتا ہے:۔ ہاں یہ سچ ہے کہ میں نے کہا ہے کہ محدث میں تمام اجزائے نبوت پائے جاتے ہیں۔ لیکن بالقوہ نہ بالفعل پس محدث بالقوہ نبی ہے اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ بالفعل نبی ہوتا۔‘‘ (حمامہ البشری ص 81)

محدث پر بھی امور غیبیہ ظاہر کئے جاتے ہیں:۔ وہ ’’خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں‘‘۔ (توضیح مرام ص 10)

محدث نبی کے قائمقام ہوتے ہیں:۔ ’’چونکہ ہمارے سید و رسول ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور

بعد آنحضرت ﷺ کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لئے شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے۔‘‘ (شھادۃ القرآن ص 24)

محدث اسی چشمہ سے پیتا ہے۔ جس سے نبی۔

’’محدث اسی طرح اللہ سے ہم کلام ہوتے ہیں جس طرح نبی ہم کلام ہوتے ہیں اور محدث اسی طرح بھیجے جاتے ہیں جس طرح نبی بھیجے جاتے ہیں اور محدث اسی چشمہ سے پیتے ہیں۔‘‘ (حمامتہ البشری عربی ص 82)

محدث کی وحی کو وحی ولایت کہتے ہیں:۔ کبھی دنیا میں یہ ہوا ہے کہ کاذب کی خدا تعالیٰ نے ایسی مدد کی ہو کہ وہ گیارہ برس سے خدا تعالیٰ پر یہ افتراء کر رہا ہو کہ اس کی وحی ولایت اور محدثیت میرے پر نازل ہوتی اور خدا تعالیٰ اس کی رگ و جاں نہ کاٹے۔ (آئینہ کمالات اسلام ص 232)

آپ کا دعویٰ محدثیت کا تھا:۔

1۔ نبوت کا دعوی نہیں، بلکہ محدثیت کا دعوی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے (ازالہ ادہام صفحہ 421)

’’اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے۔‘‘ (ازالہ ادہام ص 421)

2۔ ’’اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا اور قرآن کریم کا ایک شعشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہو گا۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جل شانہ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ (نشان آسمانی ص 29)

3۔ اے بھائیو! میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے محدث ہو کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس نے مجھے صدی کے سرے پر بھیجا ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 369)۔

4۔ میں نبی نہیں ہوں۔ بلکہ اللہ کی طرف سے محدث ہو کر آیا ہوں۔ اور اللہ کا کلیم ہوں تا کہ دین مصطفے کی تجدید کروں۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 383)

5۔ میں نے لوگوں سے سوائے اس کے جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور کچھ نہیں کہا کہ محدث ہوں۔ اور اللہ کا کلیم اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اس طرح کلام کرتا ہے جس طرح محدثین سے (حمامتہ البشری صفحہ 79)

6۔ آپ لوگ کیوں قرآن شریف پر غور نہیں کرتے اور کیوں سوچنے کے وقت غلطی کھا جاتے

ہیں کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اس امت کے لئے بشارت دے چکے ہیں ۔ کہ اس امت میں بھی پہلی امتوں کی طرح محدث پیدا ہوں گے اور محدث بفتح الدال وہ لوگ ہیں جن سے مکالمات ومخاطبات الٰہیہ ہوتے ہیں ۔
(براہین احمدیہ حاشیہ 545)

مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ محدثیت کے دو پہلو ہیں ایک منفی پہلو اور دوسرا مثبت پہلو ۔ منفی پہلو کے لحاظ سے ۔

1۔ محدث حقیقی طور پر نبی نہیں ۔
2۔ محدث مستقل براہ راست صاحب شریعت نبی نہیں ہوتا ۔
3۔ محدث پر جبرئیل علیہ السلام وحی نبوتِ لے کر نہیں آتا ۔
4۔ محدث شریعت محمدیہ کا تابع ہوتا ہے اس کا ایک حکم بھی منسوخ نہیں کر سکتا ۔
5۔ محدث نہ نیا دین لاتا ہے اور نہ اپنا کلمہ پڑھواتا ہے ۔
6۔ محدث بالفعل نبی نہیں ہوتا بلکہ بالقوہ نبی ہوتا ہے ۔

مثبت پہلو

1۔ محدث انبیاء ورسل کی طرح خدا کی طرف سے مامور مبعوث کیا جاتا ہے ۔
2۔ محدث مجازی اور ناقص اور جزوی نبی ہوتا ہے ۔
3۔ محدث تجدید دین کے لئے آتا ہے ۔
4۔ محدث شریعت سابقہ کا تابع اور نبی متبوع کا پورا پورا مطیع ہو کر آتا ہے ۔
5۔ محدث انبیاء کا مثیل اور وارث ہوتا ہے ۔
6۔ محدث کو اللہ تعالیٰ کا ہم کلامی کی شرف عطا کیا جاتا ہے ۔ اور اسرار و رموز دینیہ کا علم عطا کیا جاتا ہے ۔

حضرت مرزا صاحب سابقہ محدثین کی طرح ایک محدث تھے ۔ آپ کوئی شریعت نہیں لائے بلکہ شریعت محمدیہ کی تجدید کے لئے آئے ۔ آپ ایک امتی تھے اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے خادم ۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بکثرت شرف مکالمہ ومخاطبہ عطا فرمایا تھا ۔ جو ایک محدث کی شان ہوتی ہے ۔ پہلے علماء نے بھی محدث کی یہی شان بیان کی ہے کہ وہ مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کی نعمت عظمیٰ سے نوازا جاتا ہے ۔ الغرض آپ کے اندر محدثیت کی پوری شان اور محدثیت کے کل اوصاف پائے

جاتے ہیں ۔ مگر نبی کے اوصاف نہیں پائے جاتے ۔

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے گیا کہ مرزا صاحب کا دعوی نبوت نہیں تھا بلکہ دعوی محدثیت کا تھا ۔ حضرت مرزا صاحب کے دعوی محدثیت کو سمجھنے میں غلطی کی وجہ یہ ہے ۔: انبیاء اور محدثین میں بعض ایسے امور مشترک ہوتے ہیں جن کی بناء پر کم فہم اور کم مطالعہ والا شخص غلطی کھا جاتا ہے ۔ لہٰذا محدثیت کی بحث ختم کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ ان امور کا مختصر ذکر کر دیا جائے جو نبی اور محدث میں مشترک ہوتے ہیں ۔

1۔ پہلا امر جس میں نبی اور محدث کا اشتراک ہے وہ لفظ رسول ہے جس طرح رسول خدا کی طرف سے مبعوث اور مامور کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح محدث بھی خدا کی طرف سے مامور اور مبعوث کیا جاتا ہے ۔ محدث مرسل کی طرح علی الاعلان خدا کی طرف سے ماموریت کا دعوی کرتا ہے ۔ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں ۔ ''رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا رسول یا محدث یا مجدد ہوں ۔ (ایام الصلح حاشیہ ص 171)

2۔ دوسرا امر جس میں نبی اور محدث کا اشتراک ہے وہ وحی ہے یعنی محدث اور نبی دونوں کو وحی ہوتی ہے لیکن دونوں کی وحی میں منصب کے لحاظ سے ایک فرق ہے رسول یا نبی کی وحی وحی نبوت یا وحی متلو یا کتاب کہلاتی ہے جب کہ محدث کی وحی وحی ولایت کہلاتی ہے ۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں ۔ وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہ اور باتباع آنجناب ﷺ اولیاء اللہ کو ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں ۔ (مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 297 ۔ 298)

وحی نبوت اور وحی ولایت کا فرق :۔

1- وحی نبوت کا دروازہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد ہمیشہ کے لئے مسدود ہو چکا ہے ۔ آنحضرت ﷺ کے بعد جبرائیل علیہ السلام کا وحی لے کر آنا ممنوع ہے حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں ۔ ''ہمارا ایمان ہے کہ تشریعی نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گئی ہے ۔''
2۔ وحی نبوت تکمیل ہدایت کرتی ہے مگر ہدایت چونکہ قرآن میں کامل ہو چکی ہے ۔ اس لئے وحی نبوت نہیں آئے گی ۔
3۔ نبی اپنی وحی کا پیروکار ہوتا ہے ۔ جب کہ محدث یا صاحب وحی ولایت بھی وحی محمدیہ کا ہی پیروکار ہو گا ۔ وہ اپنی وحی کا بھی پیروکار نہیں ہوتا ۔ اور نہ ہی وحی ولایت پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ نہ وہ کسی کے لئے اتمام حجت ۔

4۔ وحی نبوت عبادات میں پڑھی جاتی ہے وحی ولایت عبادات میں نہیں پڑھی جاتی۔

5۔ وحی نبوت کا منکر کافر ہوتا ہے۔ اور وحی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے جبکہ نبوت ولایت پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ نہ اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔

6۔ نبی کی وحی جامع کمالات ہوتی ہے۔ جب کہ محدث کی وحی اپنے اندر صرف مبشرات رکھتی ہے

تیسرا امر جس میں نبی اور محدث کا اشتراک ہے۔ وہ امور غیبیہ اور خوارق اور نشانات ہیں نبی پر جو امور غیبیہ اور نشانات ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ نبوت کی تائید اور سچائی کے لئے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس طرح جو نشانات اور امور غیبیہ محدث پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس سے اسلام قرآن اور رسول کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ کہ رسول کریم ﷺ کی کامل پیروی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے پر امور غیبیہ نشان کے طور پر ظاہر کرتا ہے۔ گویا محدث پر امور غیبیہ کا اظہار نبی متبوع اور قرآن اور اسلام کے زندہ ہونے کا ثبوت ہے۔

چوتھا امر اشتراک جو نبی اور محدث میں پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ محدث بھی مرسلوں میں داخل ہوتا ہے۔ اور وہ لغوی مجازی اور ظلی طور پر نبی کہلاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ ''مرسل ہونے ہیں نبی اور محدث ایک ہی منصب رکھتے ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا اور ایسا ہی محدثین کا نام مرسل ہی رکھا۔ (شھادۃ القرآن ص 27)

''حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ محدث بھی نبیوں اور رسولوں کی طرح خدا کے مرسلوں میں داخل ہے۔'' (ایام الصلح ص 75)

چوتھے امر اشتراک سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ گو محدث مرسلوں میں شامل ہوتا ہے۔ لیکن اس کی رسالت مجازی بیروزی ناقص اور جزوی ہوتی ہے۔ محدث صرف اسی معنی میں رسول اور نبی ہے۔ کہ اس سے کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ ہوتا ہے۔ یہ کثرت مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ اہل سنت کے اکابر علماء کے ہاں مسلّم ہے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا۔ تو ہر ایک محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا اور اس قوت و استعداد کے لحاظ سے محدث کا حمل نبی پر جائز ہے۔ یعنی کہہ سکتے ہیں۔ المحدث نبی (آئینہ کمالات اسلام ص 231)

فرماتے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ میں نے کہا ہے کہ محدث میں تمام اجزائے نبوت پائے جاتے ہیں۔ لیکن بالقوہ نہ بالفعل پس محدث بالقوہ نبی ہے اور اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ

بالفعل نبی ہوتا۔ (حمامتہ البشریٰ ص 81)

محدثیت اور نبوت میں مذکورہ مشترکہ امور کی وجہ سے باہمی اتنی مناسبت اور اتناء زیادہ قرب پایا جاتا ہے کہ جس سے غلط فہمی کا اندیشہ ہوتا ہے کہ محدث نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس غلطی فہمی کو دور کرنے کے لئے فرمایا حاشا دکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں۔

اپنی جماعت کو نصیحت:۔ چونکہ لفظ نبی اور رسول سے ایک اشتباہ پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہوا ہے۔ اس وجہ سے مرزا صاحب نے اپنی طرف ژرف نگاہی اور اپنی بصیرت سے اس اشتباہ کے بدنتائج کو جانتے ہوئے اپنی جماعت کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ لفظ نبی اور رسول اپنی عام بول چال میں استعمال نہ کریں۔ آپ نے اپنے ایک مرید کو خط لکھا جس میں فرماتے ہیں۔ عزیزی اخویم۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ عنایت نامہ پہنچا حال یہ ہے کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آ گیا ہے جیسا کہ یہ الہام ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق اور جیسا کہ یہ الہام ہوا۔ جری الله فی حلل الانبیاء اور جیسا کہ الہام ہوا۔ دنیا میں ایک نبی آیا مگر دنیا نے قبول نہ کیا۔ ایسے ہی بہت سے الہام ہیں جن میں اس عاجز کی نسبت نبی اور رسول کا لفظ آیا ہے۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے۔ جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے بلکہ رسول کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا اور نبی کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ خدا سے علم پا کر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اس لئے اپنی جماعت کو معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہیں اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہیے۔ نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکن رسول الله و خاتم النبین. اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گزرتا ہے جس طرح وہ ایک خطرناک حالت میں ہے ایسا ہی وہ بھی خطرناک حالت میں ہے جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گزرتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیا ہے۔ اور ہم محض دین اسلام کے خادم بن کر دنیا میں آئے ہیں اور دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ نہ اس لئے کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین بنا دیں۔۔۔۔ والسلام مرزا غلام احمد

مورخہ 17 اگست 1899)

مذکورہ خط سے چند امور واضح ہوتے ہیں ۔1۔ مرزا صاحب کے الہام میں لفظ نبی اور رسول کا آیا ہے۔ 2۔ وہ محض لغوی اور مجازی معنوں میں استعمال ہوا ۔ 3۔ رسول کریم ﷺ آخری نبی ہیں اور ہمیشہ کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے ۔ 4۔ ختم نبوت کا منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے ۔5۔ اور اپنی جماعت کو نصیحت فرماتے ہیں۔ وہ ان کی نسبت اپنی عام بول چال میں لفظ نبی اور رسول استعمال نہ کریں ۔ اس سے بدنتائج پیدا ہونے کے اندیشہ ہے۔

اپنے دعوئ محدثیت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک اشتہار میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔ الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول خاتم النبیین اما بعد تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح الاسلام وتوضیح المرام وازالتہ الاوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوۃ ناقصہ ہے ۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں ۔ ورنہ حاشا وکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ 137 میں لکھ چکا ہوں ۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ۔ جس حالت میں ابتدا سے میری نیت میں جس کو اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے ۔ بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنی آنحضرت ﷺ نے مکلم مراد لئے ہیں ۔ یعنی محدثوں کی نسبت فرمایا ۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال النبی ﷺ قد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونو انبیاء فان یک فی امتی منھم احد فعمر صحیح بخاری جلد اول صفحہ 521 پارہ نمبر 14 باب مناقب عمر تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے ۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر جگہ سمجھ لیں ۔ اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں ۔ اور نیز عنقریب یہ عاجز ایک رسالہ مستقلہ نکالنے والا ہے۔ جس میں ان شبہات کی تفصیل اور بسط سے تشریح کی جائے

گی ۔ جو میری کتابوں کے پڑھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں ۔ اور میری بعض تحریرات کو خلاف عقیدہ اہل سنت والجماعت خیال کرتے ہیں سو میں انشاء اللہ عنقریب ان اوہام کے ازالہ کے لئے پوری تشریح کے ساتھ اس رسالہ میں لکھ دوں گا ۔ اور مطابق اہل سنت والجماعت کے بیان کر دوں گا ۔

راقم خاکسار مرزا غلام احمد قادیانی مولف رسالہ توضیح مرام وازالتہ الاوہام 3 فروری 1892ء

مجموعہ اشتہارات جلد اول از 1878 تا 1893 صفحہ 314۔ الناشر الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ۔

اس اشتہارات نے مرزا صاحب کے دعوی کی وضاحت کر دی ہے ۔ کہ ان کا دعوی صرف محدثیت کا تھا ۔ اور ان کی عبارتوں میں جو لفظ نبی یا رسول کا آیا تھا وہ لغوی ہے ۔ اور محدث کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ اسی لئے مرزا صاحب نے لفظ نبی یا رسول کی ترمیم کرتے ہوئے اس کی جگہ لفظ محدث استعمال کرنے کی اجازت دی ہے ۔ بلکہ یہاں تک لکھ دیا ہے لفظ نبی کو کاٹا ہوا سمجھا جائے ۔ اور اس کی جگہ محدث جانا چاہیے۔

اس وضاحت کے بعد مرزا صاحب کی طرف دعوی نبوت منسوب کرنا نہ صرف کج فہمی ہے بلکہ پرلے درجہ کی بددیانتی ہے ۔ محدث میں مشترکہ امور بیان کرنے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ ان امور کی بھی وضاحت کی جائے ۔ جہاں دونوں روحانی منصب ایک دوسرے سے بالکل الگ ہو جاتے ہیں ۔

امتیاز اول : انبیاء علیھم السلام پر جبرائیل علیہ السلام وحی نبوت لے کر آتا ہے ۔ اس وحی نبوت کو کتاب بھی کہا جاتا ہے ۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (حدید 25:57)

''ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

یہ آیت اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ ہر رسول کے ساتھ کتاب اتاری گئی جیسا کہ انزلنا معھم الکتاب کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں ۔ '' جس طرح یہ بات ممکن نہیں کہ آفتاب نکلے اور اس کے ساتھ روشنی نہ ہو ۔ اس طرح ممکن نہیں کہ دنیا میں ایک رسول اصلاح خلق کے لئے آوے اور اس کے ساتھ وحی الٰہی اور جبرائیل نہ ہو ۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 572)

فرمایا۔ ”ہرایک دانا سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ صادق الوعد ہے جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں تبصریح بیان کیا گیا ہے اب جبرائیل بعد وفات رسول اللہ ﷺ ہمیشہ کے لئے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی ﷺ کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا۔ (ازالہ اوہام 577)

حضرت مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے کے خلاف لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”اور کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور نبی اس مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کے شرائط میں سے ہے آ سکتا ہے۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبرائیل ہے اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیے۔ کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم نبی اس کو کہتے ہیں جس نے احکام وعقائد جبرائیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔“ (ازالہ اوہام صفحہ 534).

اس حوالہ سے دو باتیں ثابت ہیں اول یہ کہ نبی وہی ہوگا جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی نبوت لے کر آئے۔ اور کوئی شخص نبی نہیں کہلا سکتا۔ جب تک کہ علوم دین بذریعہ جبرائیل نہ سیکھے۔ دوسرے امتی پر نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی بکلی ممتنع ہے۔

یہی دو باتیں ہیں جو ایک نبی کو امتی سے ممیز کرتی ہیں یا ایک امتی کو نبی سے ممیز کرتی ہیں

امتیاز دوم۔ قرآن مجید کی رو سے نبی مطاع ہوتا ہے اور مطیع محکوم اور تابع نہیں ہوتا۔

ارشاد الٰہی ہے۔ و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ ہر ایک نبی ہم نے اس لئے بھیجا ہے۔ کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں ۔کوئی رسول دنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا۔ بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے جو اس پر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ (ازالہ اوہام صفحہ 576)

صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے۔ وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جائے۔ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے رو سے بکلی ممتنع ہے اللہ جل شانہ فرماتا ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔ (ازالہ اوہام صفحہ 569)

امتیاز سوم: نبی اور محدث میں تیسرا امتیاز یہ ہے۔ نبی کی وحی پہلی ساری وحیوں کی مصدق ہوتی ہے۔ گویا نبی اپنے سے پہلے وحیوں کا مصدق ہوتا ہے۔ جب کہ محدث کی وحی ولایت وحی نبوت سے خود محتاج تصدیق ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اپنی وحی کو کسی دوسری وحی پر پیش نہیں کرتا۔ لیکن محدث کے لئے لازمی ہے کہ جب تک وہ اپنی وحی کو اپنے نبی متبوع کو وحی پر پیش نہ کرے اس وقت تک اسے قبول نہ کرے۔

قرآن مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے۔ مصدقا لما بین یدیہ یعنی قرآن پہلی ساری وحیوں کا مصدق ہے۔

حضرت عیسیٰ کو بھی سابقہ وحی یعنی تورات کا مصدق قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا مصدقا بین یدی و من التوراۃ۔ حضرت مسیح یا آپ کی وحی (انجیل) تورات کی مصدق ہوگی۔

ہر محدث کے لئے خواہ وہ کسی اعلیٰ مقام پر پہنچا ہوا ہو۔ خواہ اس کی وحی کیسی صاف اور یقینی ہو۔ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی وحی کو اپنے نبی متبوع کی وحی پر پیش کرے۔ یہی مذہب حضرت مرزا صاحب کا ہے آپ فرماتے ہیں۔ اسی بناء پر ولایت یا الہام عامہ مومنین بجز موافقت و مطابقت قرآن کریم کے حجت بھی نہیں۔ (آزالہ اوہام صفحہ 629)

آئینہ کمالات اسلام میں لکھتے ہیں۔ اور جو شخص ایسا کلمہ منہ سے نکالے جس کا کوئی اصل صحیح شرع میں نہیں خواہ ملہم ہو یا مجتھد تو اس کے ساتھ شیطان کھیل رہا ہے۔ اور میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ ہمارے نبی محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب قرآن کریم ہدایت کا وسیلہ ہے ہمارا کوئی نبی نہیں جس کی ہم پیروی کریں سوائے مصطفےٰ ﷺ کے اور ہماری کوئی کتاب نہیں۔ سوائے فرقان کے جو محافظ ہے پہلے صحیفوں پر جس کی ہم پیروی کریں اور میں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ ہمارے رسول آدم کے فرزندوں کے سردار اور رسولوں کے سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا اور کہ قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کے بعد محرفین کی تحریف سے اور مخطیوں کی خطا سے محفوظ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد نہ وہ منسوخ ہو سکتا ہے اور نہ زیادہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ناقص ہو سکتا ہے اور نہ سچے ملہموں کا الہام اس کے مخالف ہو سکتا ہے اور جو کچھ کہ میں نے قرآن کریم کی نصوص سے سمجھا ہے یا جو کچھ کہ مجھے خدا کی طرف سے الہام ملا ہے تو میں نے اس کو صحت اور صواب اور راستی کی شرط پر قبول کیا ہے۔ اور مجھ پر کھولا گیا ہے۔ کہ وہ الہام خالص صحیح ہے اور بلاشک شریعت کے موافق ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا التباس اور شک نہیں ہے۔ اور اگر

بفرض محال اس کے خلاف ہو۔تو ہم اس کو اپنے ہاتھ سے متاع ردی اور گھنگار کی طرح پھینک دیں گے۔(صفحہ 21)

پھر مواہب الرحمٰن میں اپنی وحی کو قرآن اور احادیث صحیح کے ماتحت قرار دیا ہے۔یعنی قرآن اور احادیث صحیحہ کو اپنی وحی پر مقدم کیا ہے۔(مواہب الرحمٰن صفحہ 69)

امتیاز چہارم: نبی اور محدث میں چوتھا امتیاز یہ ہے کہ رسول کی وحی لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ہوتی ہے اس لئے نبی کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ اس وحی کو لوگوں تک پہنچا دے۔ اور اس کی اشاعت کرے۔قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے۔ارشاد الٰہی ہے۔ یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک و ان لم تفعل فما بلغت رسلته ۔اے رسول جو کچھ تیری طرف اتارا گیا ہے اس کو پورا پورا پہنچا دے۔اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو تو نے اپنی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔

اس طرح تمام رسولوں کے ذکر میں فرمایا۔ کذلک فعل الذین من قبلهم فهل علی الرسل الا البلٰغ المبین و لقد بعثنا فی کل امة رسولا . (النحل 16: 35-36) جس طرح تم سے تمہارے مخالف پیش آتے ہیں پر ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہا سو رسولوں کی ذمہ داری تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ کھول کر (ان باتوں کو جو ان پر نازل ہوئیں) پہنچا دیں۔ اور ہم نے تو ہر ایک قوم میں رسول بھیجا۔

ان آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ وہ اپنی وحی لوگوں تک پہنچائے یہ خصوصیت صرف رسولوں کے ساتھ ہے کیونکہ رسولوں پر جو وحی نازل ہوتی ہے جسے وحی متلو یا کتاب کہتے ہیں ۔وہ ہدایت خلق کے لئے ہوتی ہے اور اس میں اوامر و نواہی بھی ہوتے ہیں ۔ان اوامر و نواہی کو مخلوق تک پہنچانا رسول کا سب سے پہلا فرض ہے۔ جب کہ محدث کی وحی اس شان سے خالی ہوتی ہے۔ اس میں عوام کی ہدایت اور راہنمائی کی روشنی نہیں ہوتی ۔ اور نہ اللہ تعالیٰ محدث کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ اپنے الہام وحی (وحی غیر متلو، وحی ولایت) کو لوگوں تک پہنچائے۔محدث اپنے نبی متبوع کی وحی کا محتاج ہوتا ہے اس وحی پر چل کر خدا کا قرب حاصل کرسکتا ہے اور محدث کی وحی عوام کی تقلید کا باعث نہیں۔

حضرت مرزا صاحب پر جو وحی ولایت (غیر متلو) نازل ہوتی ہے وہ صرف اپنے اندر مبشرات لئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے لم یبق من النبوة الا المبشرات ۔اس لئے اس امت میں کسی شخص کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اس الہام کو جو اس کی طرف ہوا ہے

دوسروں تک پہنچائے۔ ہاں بعض ایسے الہامات جن کے پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہو۔اس کو ملہم پہنچاتا ہے۔اس الہام میں بھی اسلام کی سچائی مضمر ہوتی ہے اور جس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا اپنے مقرب بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہ ہم کلامی محض رسول کریم ﷺ کی اتباع کامل سے ہے۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ پھر اس نادان مولوی کے اس قول پر مجھے تعجب آتا ہے وہ کہتا ہے۔ سچے نبی یا ملہم کا یہ نشان نہیں کہ جس بات کی تبلیغ کا خدا اس کو حکم دے وہ دانستہ اور عمداً پچیس برس تک اس کو چھپائے رکھے اس نادان کو اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ تبلیغ احکام کے متعلق ہوتی ہے نہ ایسی پیشگوئیوں کے متعلق جن کی اشاعت کے لئے ملہم مامور نہیں بلکہ اختیار رکھتا ہے چاہے ان کو شائع کرے یا نہ کرے۔(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

امتیاز پنجم: نبی اور محدث میں پانچواں امتیاز یہ ہے نبی کا ماننا جزو ایمان ہے اور اس کا منکر کافر جب کہ محدث کو نہ ماننے والا دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور نہ اس پر کفر لازم آتا ہے۔ یہ وہ امتیاز ہے جو نبی اور محدث کی سرحدوں کو بالکل الگ کر دیتا ہے۔ارشاد الٰہی ہے۔ کل امن باللہ و ملئکته و کتبه و رسله (البقرہ 2:285) سب اللہ پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان لائے۔

دوسری جگہ آتا ہے و لکن البر من امن باللہ و الیوم الآخر و الملئکة و الکتاب و النبیّن (البقرہ 2:177) لیکن بڑا نیک وہ ہے (بڑی نیکی یہ ہے) جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر۔

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ لا نفرق بین احد من رسله ہم اس کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں۔

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں۔ نبی کے علاوہ کسی پر ایمان لانا جزو ایمان نہیں ہے۔ نہ کسی شخص کے انکار سے خواہ اس کا روحانی لحاظ سے کتنا اونچا مقام ہو۔ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔حضرت مرزا صاحب نے اپنے متعلق واضح الفاظ میں فرمایا۔ ”ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا۔ (حاشیہ: یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوی کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں ۔لیکن صاحب الشریعت کے سوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے

سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔ (تریاق القلوب صفحہ 130)

امتیاز ششم: نبی اور محدث میں چھٹا امتیاز یہ ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کوئی شخص معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ معصومیت پاکیزگی کی وہ خصوصیت ہے جو صرف نبی کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد الٰہی ہے ما کان لنبی ان یغل کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کا مرتکب ہو۔

اس آیت میں نبی کی معصومیت کی خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کہ نبی ہر قسم کی خیانت سے محفوظ ہوتا ہے۔ اور نبی اللہ کی نگرانی میں پرورش پاتا ہے۔ جب کہ نبی کے علاوہ کوئی شخص معصومیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ نہ مجھے اور نہ کسی اور انسان کو انبیاء علیھم السلام کے بعد معصوم ہونے کا دعویٰ ہے۔ (کرامات الصادقین)

امتیاز ہفتم: نبی اور محدث کے درمیان ساتواں امتیاز یہ ہے کہ نبی اپنے سے پہلے نبی کی شریعت منسوخ کرسکتا ہے۔ اور کرتا ہے کیونکہ رسول ﷺ کی بعثت سے قبل تمام نبی مختص القوم اور مختص الزمان ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس نبی کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق لوگوں کی اصلاح کے لئے نبی پر وحی نبوت نازل کرتا اور۔ احکام دیتا۔ اس وحی نبوت میں اس دور کے لئے ایک روشنی ہوتی۔ تورات اور انجیل کا مطالعہ کیجیے۔ تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قصاص کی یہ تعلیم دی کہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ نکال دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل غلامی کی چکی میں پسی ہوئی قوم تھی۔ اور احساس کمتری کا بری طرح شکار ہو چکی تھی۔ اس حالت سیہ اور کیفیت رزیلہ سے نکالنے کے لئے جرات مندانہ تعلیم کی ضرورت تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس دور کے تقاضے کے مطابق بنی اسرائیل کو دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ نکالنے کی تعلیم دی۔ جب بنی اسرائیل قساوت قلبی میں انتہاء کو پہنچ گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عفو اور درگزر کی تعلیم دی۔ اور کہا کہ کوئی تمہاری دائیں گال پر طمانچہ مارے تو بائیں گال بھی آگے کر دو۔ گویا قصاص کے مسئلہ میں ایک ترمیم ہے ایسا ہی طلاق کے مسئلہ میں بھی ترمیم کی۔ اور بعض دیگر مسائل میں بھی۔ حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام ویسے ہی خلیفہ حصرت موسیٰ علیہ السلام کے تھے۔ جیسے دیگر انبیاء بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے اس سے دوسرے نبیوں کا قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے اپنے وقتوں میں احکام میں ترمیم کی ہوگی۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے احکام کی جو افراط اور تفریط پر مبنی تھے اصلاح کی اور کہا۔ جزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفی و اصلح فاجره علی الله بدی کا بدلہ اس قسم کی سزا ہے جو شخص درگزر کرے اور اصلاح اس عفو کا نتیجہ ہو تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ اب یہاں ایک قصاص کو لازم نہیں کیا۔ بلکہ مثلها کے لفظ سے یہ ظاہر کر دیا کہ بدی کا بدلہ اسی قسم کی سزا ہونی چاہیے۔ اس اصول پر ہی آج تمام مہذب اقوام کے سارے قوانین ہیں۔ اسلام نے بدلہ کو ہر حال میں ضروری قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ تورات نے کیا ہے۔ اس کے ساتھ انجیل کی بھی اصلاح کر دی۔ کہ عفو ہر حالت میں ضروری نہیں اگر اصلاح کا پہلو نکلتا ہو۔ تو تب عفو سے کام لیا جائے۔ اگر عفو سے فساد برپا ہوتا ہو تو سزا دینا بہتر ہے۔

حالات کے تقاضے کے مطابق بعض احکام کی ترمیم و تنسیخ کے بارے میں قرآن مجید نے یہ کلیہ بیان فرمایا۔ ما ننسخ من ایة او ننسها نات بخیر منها او مثلها۔ جو کوئی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں۔ یا سے بھلوا دیتے ہیں اس سے بہتر لے آتے ہیں یا اس جیسی ہی۔

یہ آیت صاف ظاہر کرتی ہے۔ حالات کے تقاضے کے مطابق ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کے بعض احکام منسوخ کرتا رہا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی معرفت وہ احکام دیتا رہا ہے جو اس دور میں لوگوں کے لئے بہتر تھے۔

تنسیخ احکام صرف نبی کی معرفت اللہ تعالیٰ کرتا تھا۔ محدث کی وحی اپنے سے پہلے نبی کے احکام کی تنسیخ کرنے کی مجاز نہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھئے کہ ترمیم و تنسیخ محض تکمیل شریعت اور اتمام دین کے لئے ہوتی تھی۔ اب جب یہ شریعت پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ اور دین اپنی شان کے ساتھ مکمل ہو چکا ہے۔ لہذا اب ترمیم و تنسیخ کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ حقیقۃ الوحی کی ذیل کی عبارت اس مسئلہ کو صفائی سے بیان کرتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ’’مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف تورات کے وارث تھے۔ جس کی تعلیم ناقص اور مختص القوم ہے اس وجہ سے انجیل میں ان کو وہ باتیں تاکید کے ساتھ بیان کرنی پڑیں جو تورات میں مخفی اور مستور تھیں۔ لیکن قرآن شریف سے ہم کوئی امر زیادہ بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی تعلیم اتم اور اکمل ہے۔ اور وہ تورات کی طرح کسی انجیل کا محتاج نہیں‘‘۔ مواہب الرحمٰن میں اس مسئلہ کو بالکل ہی صاف کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں

’’وخدارا مکالمات ومخاطبات است با دلیاے خود دریں امت وایشاں را رنگ انبیاء دادہ مے شود و در حقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قراں حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است و دادہ نمے شوند مگر فہم قراں و نہ زیادہ مے کنندہ نہ کم مے کنند از قرآن۔‘‘

ترجمہ: اور اس امت میں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمات ومخاطبات ہیں اور ان کو رنگ انبیاء دیا جاتا ہے۔ مگر وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے اس لئے قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اور ان کو صرف فہم قرآن دیا جاتا ہے وہ نہ قرآن پر زیادہ کرتے ہیں اور نہ کم کرتے ہیں۔ (مواہب الرحمان صفحہ 66۔67)

اس حوالہ سے نہایت صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں کا کام بھی شرائع میں کمی بیشی کرنا ہے۔ اور اب اس امت میں اس لئے نبی نہیں آ سکتا کہ اب شریعت محمدیہ میں ترمیم وتنسیخ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے عقیدہ اجرائے نبوت ایک لغو عقیدہ ہے۔

امتیاز ہشتم: نبی اور محدث میں آٹھواں امتیاز یہ ہے کہ نبی کی وحی نبوت عبادات میں پڑھی جاتی ہے درحقیقت اس کلام کے اندر ایک ایسا اثر ہوتا ہے کہ اس کی تلاوت بھی تزکیہ نفس کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے رسول کا پہلا کام یہ فرمایا۔ یتلو علیھم ایاتہ کے بعد یزکیھم (وہ ان کو پاک کرتا ہے) کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ تلاوت آیات کوئی معمولی نہیں بلکہ تزکیہ نفوس کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ایک مسلّم امر ہے کہ ہر نبی کی وحی متلو (کتاب) یعنی وہ وحی جو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ اس پر نازل ہوتی ہے وہ اس کے متبعین عبادت میں پڑھتے ہیں۔ لیکن نبوت کی وحی متلو کے علاوہ اور کسی قسم کی وحی کا نماز میں پڑھنا جائز نہیں۔ اس لئے اس امت میں کسی ولی یا کسی مجدد یا کسی خلیفہ کی وحی نماز میں تلاوت کے طور پر پڑھنا جائز نہیں۔

امتیاز نہم: نبی اور محدث میں نواں امتیاز یہ ہے کہ نبی اپنی دعوت کا مکمل نمونہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے و ما ارنک ان اخالفکم الی ما انھکم عنہ (ہود: 88) اور میں ہرگز یہ نہیں جانتا کہ میں جن باتوں سے تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کرو۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ قل انما اتبع ما یوحی الی من ربی۔ (الاعراف: 203) کہہ دیجئے میں تو صرف اس پیغام کو دوسروں تک پہنچاتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف وحی کیا۔

یہ آیات دو باتیں ظاہر کرتی ہیں نبی خود بھی اس وحی پر عمل کرنے کا پابند ہے اور دوسروں کو بھی اس وحی پر پابند ہونے کی تعلیم دیتا ہے دوم نبی اپنے متبعین کے لئے کامل نمونہ ہوتا ہے۔ اس لئے رسول کریم ﷺ کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں کامل نمونہ ہے۔

رسول کریم ﷺ کا بعثت کے بعد کسی شخص نے بھی دوسروں کے لئے اپنے آپ کو

نمونہ قرار نہیں دیا ہے نمونہ ہے۔ تو صرف نبی اپنی امت کے لئے۔ اور رسول کریم ﷺ کی بعثت کے بعد امت محمدیہ اور دیگر لوگوں کے لئے اگر کوئی کامل نمونہ ہے تو وہ صرف رسول کریم ﷺ کی ذات ہے۔

محدث خواہ کتنی ہی ارفع شان کا ہو۔ وہ امت کے لئے نمونہ نہیں بلکہ محدث بھی رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کا پابند ہے اور خدا کا قرب محض اتباع رسول سے ہی حاصل کرتا ہے اب قرب الٰہی کے تمام راستے مسدود ہیں سوائے ایک راستہ کے وہ ہے راستہ اتباع حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی۔ اسی اتباع سے ایک انسان خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔

ماحصل کلام گذشتہ

1۔ اس امت میں نبی کوئی نہیں ہوگا۔ محدث ہوں گے۔

2۔ محدث امتی اور مطیع ہوتا ہے جب کہ نبی مطاع ہوتا ہے۔

3۔ محدثیت امت محمدیہ میں ایک اعلیٰ وارفع روحانی مقام ہے۔

4۔ محدث کو کمالات نبوت حاصل ہوتے ہیں۔ گویا وہ بالقوہ نبی ہوتا ہے۔

5۔ محدث کامل اتباع سے نبی مطاع سے نور حاصل کرتا ہے اس وجہ سے صوفیاء کرام نے اسے ظل نبی کہا ہے۔ "ظلی نبی" تصوف کی اصطلاح ہے۔ جو فنافی الرسول کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

6۔ محدث نبی سے اشد مشابہت رکھتا ہے اس اشد مشابہت کی وجہ سے وہ نبی کا وارث کہلاتا ہے۔

7۔ محدث سے کثرت سے مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے۔

8۔ محدث کی وحی دخل شیطانی سے پاک ہوتی ہے۔ لیکن محدث کی وحی مستقل حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ اس میں احکام نہیں ہوتے۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ صرف مبشرات کی حامل ہوتی ہے۔ اس وجہ سے محدث اپنی وحی کی پیروی نہیں کرتا۔ جب تک اسے قرآن یا شریعت اور سنت نبوی پر عرض نہ کرے۔ اگر وہ کتاب اور سنت کے خلاف ہے تو اس کو ترک کر دیتا ہے۔

9۔ نبی کا ماننا جزو ایمان ہے۔ اگر کوئی شخص کسی نبی کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن محدث پر ایمان لانا جزو ایمان نہیں۔

10۔ نبی پر وحی جبرائیل علیہ السلام کی معرفت آتی ہے وہ وحی نبوت یا کتاب یا وحی متلو کہلاتی ہے

محدث کی وحی پہلے متبوع (رسول کریم ﷺ) کی روح مقدسہ پر پڑتی ہے پھر وہاں سے منعکس ہو کر محدث کے قلب پر وادر ہوتی ہے گویا محدث کی وحی براہ راست نہیں آتی۔ وہ نبی متبوع کی معرفت آتی ہے۔

11۔ نبی اپنی وحی کو لوگوں تک پہنچانے کا پابند ہوتا ہے جب کہ محدث اپنی وحی (الہام رویا کشوف وغیرہ) کو لوگوں تک پہنچانے کا پابند نہیں۔ جس الہام کو لوگوں تک پہنچانے میں خدا کی مصلحت ہو۔ محدث اس الہام کو شائع کر دیتا ہے۔

12۔ نبی لوگوں کے لئے نمونہ ہوتا ہے اور اس کے نمونہ کی پیروی لازمی ہے جب کہ محدث کی ذات امت کے لئے نمونہ نہیں۔

13۔ نبوت وہبی چیز ہے جب کہ محدثیت کسبی امر ہے۔

14۔ نبی کی وحی وحی متلو ہے۔ وہ عبادات میں پڑھی جاتی ہے۔ جب کہ محدث کی وحی میں یہ شان نہیں ہوتی۔

15۔ نبی کی وحی اپنے سے پہلے نبی کے بعض احکام اور تعلیمات کو منسوخ کر سکتی ہے۔ اور کرتی ہے جب کہ محدث کی وحی نبی کے احکام کو منسوخ نہیں کر سکتی۔

16۔ نبی معصوم ہوتا ہے جب کہ محدث کو مقام معصومیت حاصل نہیں ہوتا۔ مقام معصومیت صرف نبی کے لئے لازم ہے اور محدث مقام محفوظیت پر قائم ہوتا ہے۔

17۔ نبی کی وحی پہلی ساری وحیوں کی مصدق ہوتی ہے۔ جب کہ محدث کی وحی ولایت وحی نبوت سے خود محتاج تصدیق ہوتی ہے۔

دعوی مسیحیت

پیشتر اس کہ مرزا صاحب کے دعوی مسیحیت پر روشنی ڈالی جائے۔ نزول مسیح والی حدیث پر مختصر بحث کر لی جائے۔ تا کہ ایک قاری پر واضح ہو جائے کہ امت مسلمہ میں مسیح کے آنے کا مفہوم کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و الذی نفسی بیدہ لیو شکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما مقسطا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیۃ و یفیض المال حتی لا یقبلہ (بخاری) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں ابن مریم آئیں گے حکم عدل ہو کر صلیب کو توڑ پھوڑ ڈالیں گے۔ اور سور کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے۔

اور مال کو (پانی کی طرح) بہائیں گے اور کوئی اس کو قبول نہ کرے گا۔

اس طرح حضرت ابو ہریرہ سے نزول مسیح کے متعلق ایک اور حدیث مروی ہے۔ قال رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم: (بخاری) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہو گا۔ جب ابن مریم تم میں آئے گا اور وہ تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔

یہ وہ احادیث ہیں جن سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ بعض علماء ظاہری الفاظ کو سامنے رکھ کر یہ نظریہ رکھتے ہیں۔ کہ سلسلہ موسوی کے آخری نبی حضرت عیسی علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ ان احادیث میں امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے ان کی آمد کا ذکر ہے۔ حدیث میں ابن مریم کے جو کام رسول کریم ﷺ نے بیان کئے ہیں ان کو بھی ظاہری رنگ دیتے ہیں۔ یعنی گرجوں سے صلیبوں کو توڑنے گا۔ خزیر کا قتل عام کرے گا۔ جزیہ کو موقوف کرے گا۔ لوگوں میں اتنا مال بانٹے گا جس کو کوئی قبول کرنے والا نہیں ہو گا۔

ایک طبقہ علماء حدیث کے الفاظ نزول مسیح اور اس کے کاموں کو مجازی رنگ میں لیتا ہے۔

محاکمہ: اہم سوال یہ ہے کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بجسدہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ جب اس قصہ پر قرآن کی روشنی میں بحث کرتے ہیں تو واضح طور پر حضرت عیسی علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کا نظریہ باطل نظر آتا ہے۔ قرآن مجید کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی طبعی وفات پا چکے ہیں۔ اور مرزا صاحب کی تحقیق کی رو سے ان کی قبر کشمیر میں سری نگر محلّہ خانیار میں ہے کہ یورپ میں اس پر کافی تحقیق ہو چکی ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی کتاب ''مسیح ہندوستان میں'' اور خواجہ نذیر احمد مرحوم پسر خواجہ کمال الدین مسلم مشنری کی کتاب ''Jesus in Heaven or Earth'' اس موضوع پر بہترین تحقیق ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور حیات مسیح کے عقیدے کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے۔

وفات از روئے قرآن مجید:۔ قرآن مجید کی یہ آیت وفات مسیح پر قطعی نص ہے ارشاد الٰہی ہے۔ اذ قال یعیسیٰ انی متوفیک و رافعک اِلَیّ و مطهرک من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمة ثُم اِلَیّ مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیه تختلفون (آل عمران 3:55) جب اللہ نے کہا اے عیسی میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ اور تجھے اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں اور تجھے ان کے الزام سے پاک کرنے والا

ہوں۔ جو کافر لگاتے ہیں اور جنہوں نے تیری پیروی کی ۔انہیں ان پر جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹ آنا ہے ۔ پس میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا۔جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اس آیت میں ایک لفظ متوفیک آیا ہے جس کی از روئے لغت تشریح یہ ہے تو فاہ اللہ اذا قبض نفسہ قبض روحہ یعنی محاورہ تو فاہ اللہ کے معنی قبض نفس یا قبض روح ہیں تو فاہ اللہ کے کوئی معنی سوائے قبض نفس یا روح کے کسی لغت میں نہیں آئے ۔ جہاں زیر بحث صرف لفظ توفی نہیں بلکہ متوفیک زیر بحث ہے ۔جس میں اللہ تعالیٰ فاعل اور حضرت عیسی علیہ السلام بطور مخاطب مفعول بہ ہیں ۔اس لئے متوفیک پر صرف تو فاہ اللہ کے معنی سے ہی سند لائی جاسکتی ہے ۔اور تمام اہل سنت نے تو فاہ اللہ کے محاورہ کو تسلیم کیا اور یہ محاروہ ہے ۔اور صرف نیند یا موت پر ہی بولا جاتا ہے۔ارشاد الٰہی ہے۔ یتوفی الانفس حین موتھا و التی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت و یرسل الاخری الی اجل مسمی (الزمر 39: 42) اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے ۔ان کی موت کے وقت اور جو مرے نہیں ان کی نیند میں پھر انہیں روک رکھتا ہے جن پر موت کا حکم ہو چکا ہے ۔اور دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک بھیج دیتا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا توفی نفس یا قبض روح کا قانون بیان فرمایا ہے ۔ کہ توفی نفس دو وقتوں میں ہوتا ہے ۔ ایک موت کے وقت اور ایک نیند کے وقت ۔ یہ آیت اس بات کے لئے فیصلہ کن ہے کہ توفی میں وہ چیز جو اللہ تعالیٰ لیتا ہے کیا ہے ۔ وہ النفس (نفس کی جمع) ہے نفس کے معنی روح حیوانی نفس ناطقہ ہے ۔قبض روح کی دو صورتیں ہیں ۔ایک صورت نیند جس سے اللہ تعالیٰ روح کو واپس بھیج دیتا ہے ۔دوسری صورت جس میں روح کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روک لیتا ہے ۔ جس کو حقیقی موت کہا جاتا ہے ۔ پس تو فا اللہ کے معنی سارا جسم لینے کے نہیں ہیں ۔ کیونکہ نیند اور موت دونوں حالتوں میں جسم یہیں رہ جاتا ہے ۔اور کبھی بھی اللہ تعالیٰ نے اسے اٹھا کر کہیں اور نہیں لے جانا ۔پس سارا جسم ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر لفظ توفی نہیں بولا جائے گا ۔جب کسی کے متعلق لفظ توفی بولا جائے گا ۔تو یہ اس کا لازم نتیجہ ہو گا ۔ کہ اس کا جسم نہیں لیا گیا بلکہ اس کی روح قبض کی گئی ہے ۔پس انی متوفیک کے معنی یہ ہیں تجھے وفات دینے والا ہوں۔

رافعک الی :۔امام راعب نے رافع کا استعمال چار طرح بیان کیا ہے۔

1۔ اجسام کے متعلق جب ان کو اپنی جگہ سے اوپر اٹھایا جائے۔

2۔ عمارت کے متعلق جب اسے اونچا کیا جائے ۔جیسے واذ یرفع ابراھیم القواعد۔ (ال عمران 3:127)

3۔ ذکر کے متعلق جب اسے شہرت دی جائے ۔

4۔ مرتبہ کے متعلق جب اسے شرف دیا جائے ۔

انسان کے رفع سے مراد بلندی درجات کے ہیں ۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انسان کا رفع کرنا صرف اس معنی میں آتا ہے ۔نہ اس کو اٹھا کر بلند جگہ پر رکھ دنیا۔ جس پر خود اللہ تعالیٰ کا نام الرافع شاہد ہے ۔جس کے معنی ہیں الذی یرفع المومن بالا سعاد و اولیاء بالتقریب جو مومن کو نیک بخت بنا کر اور اپنے اولیاء کو اپنا قرب عطا فرما کر رفع کرتا ہے ۔

رفع کے یہ معنی عام طور پر زبان عرب میں مروج ہیں چنانچہ کہتے ہیں نساء مرفوعات جس کے معنی لسان العرب میں دیئے ہیں نساء مکرومات یعنی معزز عورتیں ۔ایسا ہی قیامت کے متعلق آتا ہے۔ خافضة رافعة ۔جس کے معنی زجاج نے یوں کئے ہیں کہ گنہگاروں کو ذلیل کر دے گی ۔ اور فرمانبرداروں کو رفع کرے گا ۔یعنی ان کے مراتب بلند کرے گی ۔

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع (النور 24: 36) یہ نور ان گھروں میں ہے جو اللہ نے حکم دیا کہ بلند کئے جائیں ۔ترفع سے مراد تعظیم ہے قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کے انسانوں کو رفع کرنے کا ذکر آتا ہے ۔ وہاں رفع کے معنی صرف قرب کے ہیں نہ کہ جسم کا بلند کرنا ۔ و لو شئنا لرفعنه بها (الاعراف 7: 176) اور اگر ہم چاہتے تو ان کے ذریعے سے اس کا مرتبہ بلند کرتے اس آیت کے نیچے ابن جریر لکھتے ہیں ۔الرفع یعم معانی کثیرة منها الرفع فی المنزلة عنده و منها الرفع فی شرف الدنیا و مکار مها و منها الرفع فی الذکر الجمیل و الثناء الرفیع ۔یعنی رفع بہت سے معنوں پر مشتمل ہے ان میں سے اللہ کے حضور بلندی مرتبہ ہے ان میں سے دنیا میں عزت و مکرمت کا مقام ہے ۔اور ان میں سے اچھے ذکر اور ثنائے بلند میں رفع ہے ۔لیکن اللہ تعالیٰ کا انسان کو رفع کرنا صرف ایک ہی معنی بلندی درجات میں آتا ہے ۔اور کبھی کسی دوسرے معنی میں نہیں آتا ۔

احادیث میں رفع کے معنی :۔ احادیث رفع کے معنی کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہیں ۔سب سے زیادہ قابل غور وہ دعا ہے ۔ جو بین السجدتین کی جاتی ہے ۔جس میں یہ لفظ آتے ہیں وارفعنی اے خدا مجھے رفع دے ۔کیا آج تک کسی مسلمان کے وہم میں یہ گزرا ہے ۔اس دعا کا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

ہمیں جسم سمیت آسمان پر اٹھائے۔ یقینی طور پر نمازی اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتا ہے کہ وفات کے بعد اس کو بلند درجات دے۔

ترمذی میں ایک حدیث ہے یرید الناس ان یضعوھم و یابی اللہ الا ان یرفعھم لوگ چاہتے ہیں کہ ان کو ذلیل کریں اور اللہ ان کے رفع کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو مع جسم آسمان پر اٹھالینا چاہتا ہے۔

پھر احادیث تواضع میں بار بار آتا ہے۔ کہ جو تواضع کرے اللہ تعالیٰ اس کا رفع کرتا ہے۔ فتو اضعو ا یرفعکم اللہ. پس تواضع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں بلند کرے گا۔ بلکہ عزت مقام دے گا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے۔ فاذا تواضع رفعہ اللہ بالسلسلة الی السماء السابعہ (کنز العمال جلد 6 صفحہ 26) جب بندہ تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے زنجیر کے ساتھ آسمان پر رفع کرتا ہے۔ اس حدیث میں لفظ تواضع بھی ہے ساتواں آسمان بھی ہے زنجیر بھی ہے۔ مگر پھر بھی رفع جسم مراد نہیں۔ بلکہ قرب مراد ہے۔

پس لغت قرآن شریف اور حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انسان کو رفع کرنے سے ہمیشہ اور ہر حال میں مراد قرب عطا کرنا ہے ہوتا ہے۔

جب سورۃ ال عمران کی آیت 55 اذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک و رافعک الخ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں تو پھر نزول مسیح سے کیا مراد ہوگی۔

نزول مسیح کی تشریح :۔ نزول مسیح کے ایسے معنی کرنے چاہیں۔ جو قرآن اور حدیث کی اس صداقت کے خلاف نہ ہوں جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ سو اول لفظ نزول کو لیجئے۔ لغت میں نزول کے معنی میں وسعت ہے انزال کے اصل معنی ایصال و ابلاغ ہیں (راغب) ایک چیز کو پہنچا دینا۔ اور ان معنوں میں یہ لفظ قرآن کریم میں بار بار استعمال ہوا ہے۔ انزلنا علیکم لباسا (الاعراف 26:7) اے نبی آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس اتارا۔ حالانکہ لباس اس زمین پر کپاس اور اون سے بنتا ہے وانزلنا الحدید (الحدید 25:57) اور ہم نے لوہا اتارا حالانکہ لوہا اس زمین میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ و انزل لکم من الانعام (الزمر 6:39) تمہارے لئے چوپائے اتارے۔ حالانکہ چوپائے یہیں پیدا ہوتے ہیں۔ خود رسول کریم ﷺ کے متعلق فرمایا۔ قد انزل اللہ علیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم ایت اللہ (الطلاق 65:10۔11) اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر

اتارا۔ یعنی رسول وہی جو تم پر اللہ کی کھلی آیتیں پڑھتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام راغب نے لکھا ہے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کا نام ذکر رکھا ہے جیسے حضرت عیسی علیہ السلام کا نام کلمہ رکھا ہے۔ اور انزال ذکر سے مراد بعثت رسول کریم ﷺ ہے پس نزول عیسی سے مراد جب حضرت عیسی کا زندہ اوپر اٹھایا جانا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عیسیٰ اس دنیا میں پیدا ہوں گے۔ اور مبعوث ہوں گے۔

دوسری غلطی عیسیٰ کے نام سے لگتی ہے :۔ جب یہ بات ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت عیسی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں تو آنے والے عیسیٰ وہ پہلے والے عیسیٰ نہیں ہو سکتے۔ آنے والے کا نام صرف مشابہت کے لئے عیسیٰ رکھا گیا ہے۔ اور یہ بات خود نزول عیسیٰ والی حدیث سے ثابت ہے کہ وہ عیسیٰ مسلمانوں میں سے ہی پیدا ہوں گے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ و امامکم منکم وہ تمہیں میں سے امام ہوں گے۔ حضرت عیسی علیہ السلام اس لئے بھی نہیں آ سکتے۔ کہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور ختم نبوت کے بعد نبی نہیں آ سکتا۔ اور نہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی نبوت لا سکتے ہیں اور اس بات کی مثال کتب سابقہ میں موجود ہے کہ دوبارہ آنے سے مراد کسی مثیل کا آنا ہوتا ہے۔ چنانچہ بائبل میں یہ پیشگوئی تھی کہ حضرت الیاس دوبارہ آئیں گے۔ اور جب تک وہ نہ آ جائیں حضرت عیسی علیہ السلام نہیں آئیں گے۔ (ملاکی باب 5:4)

جب حضرت عیسی علیہ السلام ظاہر ہوئے یہودیوں نے اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ الیاس کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی حضرت یحیٰ علیہ السلام کے آنے سے پوری ہو گئی ہے کیونکہ وہ حضرت الیاس علیہ السلام سے مشابہت رکھتے تھے۔ (متی 11:17۔13) پس ان تمام امور کے ہوتے ہوئے ادنی شبہ بھی نہیں رہ سکتا۔ کہ نزول عیسیٰ سے مراد صرف ایک عیسی صفت مجدد کی بعثت ہے۔

مسیح موعود کی چند نشانیاں اور ان کی وضاحت :۔

1۔ قتل خنزیر۔ حدیث بخاری کے الفاظ۔ یقتل الخنزیر سے واضح ہے۔ یہاں خنزیر سے مراد بد خصلت انسان سے ہے نہ کہ جنگلی سور سے کیونکہ جنگلی سور یا پالتو سور دنیا میں اس کثرت سے ہیں کہ شمار میں نہیں آ سکتے۔ اگر ایک آدھ سور کو قتل بھی کر دیں تو اس سے کیا ہوگا۔ جب جنگلی اقوام ہزار ہا سور قتل کرتی پھرتی ہیں پھر یورپ میں لاکھوں سور ہر روز کھانے کے لئے قتل کئے جاتے ہیں۔ اگر مسیح نے چند سور قتل بھی کر دیئے تو کیا خوبی۔ بعض علماء نے یہ معنی کئے ہیں۔ کہ اس کی حرمت کا حکم دیں گے۔ یہ بھی اس وجہ سے صحیح توجیہہ نہیں کہ قرآن مجید میں حرمت کا حکم آ چکا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے حرمت علیکم المیتة والدم الخنزیر (مائدہ) کہ تم پر مردار خون اور سور حرام کئے گئے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ ہم خنزیر کے قتل کی وضاحت کریں اس امر کا بتلا دینا ضروری ہے کہ خنزیر کی خصلت کیا ہوتی ہے۔ سو واضح ہو کہ سب سے بری خصلت خنزیر کی یہ ہوتی ہے کہ وہ نجاست خور ہے دوسری یہ کہ وہ پرلے درجے کا بے غیرت ہوتا ہے تیسرا یہ کہ وہ سخت نا عاقبت اندیش ہوتا ہے۔ وہ اپنے دشمن پر سیدھا تیر کی طرح حملہ کرتا ہے۔ اور اپنے بچاؤ کا خیال نہیں رکھتا اب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں وہ کون سے لوگ ہیں جن کو خنزیر سے مشابہت تام ہے جب ہم تاریخ عالم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو سب سے پہلے ہم ہندوستان کی ہندو قوم کو خنزیری صفات کا حامل سمجھتے ہیں یہی وہ قوم ہے جس میں نیوگ جیسی تعلیم موجود ہے کہ ایک مرد کسی وجہ سے اپنی بیوی کو دوسرے مرد کے پاس ہم بستری کے لئے بھجوا سکتا ہے۔ جناب سوامی پنڈت دیانند صاحب سرسوتی کی کتاب ستیارتھ پرکاش سے وید کی ان شرتیوں کی تشریح جس میں نیوگ کا ذکر تفصیلاً تحریر کرتے ہیں۔ ایک دو حوالے رقم کرتے ہیں جب بیاہ کئے ہوئے مرد کی کوئی کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کو کوئی کنوارہ مرد پسند نہ کرے گا۔ تب مرد اور عورت کو نیوگ کی ضرورت ہو گی اور یہی دھرم ہے کہ جیسے کے ساتھ ویسے ہی کا رشتہ ہونا چاہیے۔ دیکھو ستیارتھ پرکاش ترجمہ پنڈت ریمل داس جی ولالہ اتما رام جی مطبوعہ آریہ پتر کا لاہور دفعہ 128)

چنانچہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے نا قابل ہو تب اپنی عورت کو اجازت دے کر اسے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی عورت تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر کیونکہ آپ مجھ سے تو اولاد نہیں ہو سکے گی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے گی۔ (ستیارتھ پرکاش مذکورہ جلد صفحہ 154)

اس سے بڑھ کر صرف مریض ہی تک نیوگ محدود نہیں کیا گیا بلکہ تجارت پیشہ مردوں اور بہادر جنگجوؤں اور کل طالب علموں کی عورتوں کو عام اجازت ہے کہ ان کے پیچھے سے اولاد حاصل کریں۔

یہ ہے وہ ہندی قوم جو اپنی دیوثی اور بے غیرتی میں خنزیر سے مشابہت تامہ رکھتی ہے۔

مسیح کی جو یہ علامت بیان کی ہے وہ خنزیر کو قتل کرے گا۔ اس سے مراد صرف یہی ہے اس کو ایک ایسی دیوث قوم سے واسطہ پڑے گا۔ جس میں خنزیر صفات ہوں گی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے مرزا صاحب

کو ہندوؤں سے واسطہ پڑا۔ مرزا صاحب نے صرف ان کے باطل عقائد کو ہی رد نہیں کیا بلکہ مسئلہ نیوگ کو اپنی کتب میں اس رنگ میں بیان کیا کہ قوم نڈھال ہو کر مرزا صاحب کے قدموں میں گر گئی۔

کسر صلیب:۔ مسیح صلیب کو توڑے گا۔ مسیح کا یہ کام بھی استعارہ کے رنگ میں بیان کیا گیا۔ اس سے ظاہر معنی مراد نہیں۔ کہ مسیح دنیا میں آ کر صلیبوں کو توڑتا پھرے گا۔ اگر کسی گرجا سے چند صلیبیں توڑ بھی دے گا تو پھر مذہب میں کون سا انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت کا زور ہو گا۔ اور اپنے باطل عقائد کی تشہیر کے لئے منظم جدوجہد کریں گے اور لوگوں کو دائرہ مسیحیت میں داخل کریں گے۔ جب مرزا صاحب مبعوث ہوئے تو ان کا مقابلہ عیسائیت سے ہوا۔ ان کے عقائد تثلیث۔ کفارہ۔ ابنیت وغیرہ کا قلع قمع کر دیا۔ مرزا صاحب کی تمام کتب عیسائیت کے باطل عقائد کی رو سے بھری ہوئی ہیں۔ کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں اس میں عیسائیت کے باطل عقائد کا کسی نہ کسی رنگ میں رد ہو گا۔ یہ بات مسلّمہ ہے کہ مرزا صاحب نے جس رنگ میں عیسائیت کے عقائد کو عقلی اور نقلی دلائل سے رد کیا یہ صرف مرزا صاحب کے ہی علم کلام کا وصف ہے۔

وضع جزیہ:۔ بعض احادیث میں یضع الحروب کے الفاظ آتے ہیں۔ یعنی وہ لڑائیاں موقوف کرے گا۔ اس کا بھی اگر یہ مطلب لیا جائے کہ قرآن مجید کے حکم جہاد کو حضرت عیسیٰ منسوخ کریں گے۔ تو غلط ہے مطلب تو اس کا صاف ہے کہ آنے والے عیسیٰ کا کام کسر صلیب اور قتل خنزیر ہے اس لئے انہیں لڑائی کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اسی لئے اس کا نام عیسیٰ رکھا گیا کیونکہ پہلے مسیح کا کام بھی دلائل سے دین کو غالب کرنا تھا۔ مسیح محمدی کا بھی یہی کام ہو گا۔ اور اس معنی کی رو سے چاہو یضع الجزیہ پڑھ لو چاہو یضع الحرب نہ مسیح کو لڑائیوں کی ضرورت ہو گی نہ وہ جزیہ لے گا۔ کیونکہ جزیہ لڑائی سے وابستہ ہے اس کا کام کسر صلیب اور قتل خنزیر ہے اور یہ بذریعہ دلائل قاطع ہو گا۔

یفیض مال:۔ یعنی مال کو پانی کی طرح خرچ کرے گا۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ اس کے زمانہ میں مال کثرت سے ہو گا۔ یہ اس کے دور کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اور یہ نشانی اس زمانہ پر اس قدر وضاحت سے صادق آتی ہے۔ اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں۔

دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اسلام کی روحانی دولت کو عام کرے گا۔ اس کے قلم سے اسلام کی صداقت اور حقانیت پر ایسے جواہر پارے نکلیں گے۔ چنانچہ اس پر ایک تو آپ کا وہ رویا شاہد

ہے جو براہین احمد صفحہ 253 پر درج ہے۔ میں نے خواب میں حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا اور مسیح نے اور میں نے ایک جگہ ایک ہی برتن میں کھانا کھایا اور کھانے میں ہم دونوں ایسے بے تکلف اور با محبت تھے کہ جیسے دو حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔اور جیسے قدیم سے دو رفیق اور دو ولی درست ہوتے ہیں اور صفحہ 499 پر ہے۔اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے۔کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار اور آیات اور انوار کی رو سے مسیح کی اپنی زندگی کا نمونہ ہے۔اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں۔اور بحدے اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے اور نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا ۔اور اس کی انجیل توریت کی فرع تھی۔اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔یہ دونوں حوالے ظاہر کرتے ہیں۔

جن سے علماء اور عوام کے خالی دامن اسلام کی دولت سے بھر جائیں گے۔اس رنگ میں بھی حدیث ہیں مذکورہ کام (یفیض المال) حضرت مرزا صاحب کی ذات سے پورا ہوتا نظر آتا ہے۔آپ نے اس دور میں اسلام کی حقانیت پر جس قدر قیمتی ادب پیدا کیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔اس قیمتی ادب کے ساتھ آپ نے مخالفین کے لئے کثیر رقم کے انعامات بھی مقرر کئے کہ اگر وہ بیان کئے ہوئے دلائل کا رد کریں تو وہ مقررہ انعام کے مستحق ٹھہریں گے نہ کسی مخالفت نے مرزا صاحب کے دلائل کا رد لکھا اور نہ انعام وصول کیا۔

دعویٰ مسیحیت : ۔دعوی مجددیت کے بعد 1890ء میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے۔کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔اور آنے والا موعود جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے۔(ان احادیث پر گزشتہ صفحات پر بحث گزر چکی ہے) آپ ہی ہیں آسمان سے کوئی آنے والا نہیں الہام کے الفاظ یہ ہیں۔مسیح ابن مریم فوت ہو گیا۔و جعلنا ک المسیح ابن مریم۔

آپ اپنی روحانیت میں حضرت مسیح سے بدرجہ اتم مشابہت رکھتے ہیں۔چنانچہ اس اشتہار میں جس میں مجددیت کا دعوی کیا تھا۔اعلان کر دیا تھا کہ مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہہ ہیں اور ایک دوسرے کے مناسبت اور مشابہت ہے۔

مرزا صاحب کی حضرت عیسی علیہ السلام سے مشابہت کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ پہلے بھی

کئی ولی کسی نبی سے مشابہت کا دعوی کر چکے ہیں۔مشابہت کا دعوی غیر اسلامی نہیں بلکہ حدیث میں آیا ہے۔علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔کہ میری امت کے علماء (علماء ربانی) بنی اسرائیل کے نبیوں سے مشابہت رکھیں گے جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو ہارون علیہ السلام سے مماثلت دیتے ہوئے فرمایا۔انت منی بمنزلته هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی (صحیح مسلم) کہ تو مجھ سے ایسا ہے جسے ہارون موسی سے تھا۔سوائے اس کے میرے بعد نبی کوئی نہیں۔

اس طرح کنز العمال جلد 6 صفحہ 193 میں ابن عساکر حضرت انس سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔مامن نبی الا له نظیر من امتی و ابو بکر نظیر ابراهیم و عمر نظیر موسی و عثمان نظیر هارون و علی بن ابی طالب نظیری من سره ان ینظر الی عیسی بن مریم فلینظر الی ابی ذر الغفاری یعنی رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس قدر انبیاء گزرے ہیں ان میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی نظیر یعنی مثیل میری امت میں سے ضرور ہوتا ہے۔

چنانچہ ابو بکر ابراہیم علیہ السلام کے مثیل حضرت عمر حضرت موسی علیہ السلام کے مثیل اور عثمان حضرت ہارون علیہ السلام کے مثیل اور علی بن ابی طالب میرے مثیل ہیں اور جو شخص حضرت عیسی علیہ السلام کو دیکھنا چاہے تو وہ ابو ذر غفاری کو دیکھ لے۔

اس امت کے اکابر اولیاء نے بھی اس مشابہت بہ انبیاء کو صاف لفظوں میں تحریر فرمایا۔

چنانچہ حضرت شیخ احمد مجدد سرہندی مکتوب کی جلد اول مکتوب 251 میں رقم فرماتے ہیں کہ:

''حضرت صدیق و حضرت فاروق رضی اللہ عنہما دو طرف ولایت مناسبت حضرت ابراہیم و در طرف دعوت کہ مناسب مقام نبوت است مناسب بحضرت موسی دارو۔حضرت ذی النورین در ہر دو طرف مناسبت بہ حضرت نوح دارند و حضرت امیر در ہر دو طرف مناسبت بہ حضرت عیسی دارند صلوات اللہ علی نبینا و علیھم'' یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ولایت کے پہلو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور دعوت کے لحاظ سے جو نبوت کا مقام ہے حضرت موسی علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت عثمان ذوالنورین دونوں پہلوؤں سے حضرت نوح سے مناسبت رکھتے ہیں۔اور حضرت امیر یعنی حضرت علی دونوں پہلوؤں سے حضرت عیسی علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں۔''

حضرت بایزید بسطامی کے بارے میں جو ایک بڑے ولی گزرے ہیں۔تذکرۃ الاولیاء

میں لکھا ہے۔

گفتند خدائے عز وجل را بند گانند بہ دل ابراہیم و موسیٰ و محمد علیہم الصلوۃ والسلام۔ گفت ان ہمہ منم۔ یعنی لوگوں نے کہا اللہ عز وجل کے ایسے بندے بھی دنیا میں رہتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ اور حضرت محمد علیہم الصلوۃ والسلام کا دل رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت بایزید نے فرمایا۔ کہ وہ سب میں ہی ہوں۔ (تذکرۃ الاولیاء صفحہ 156)

حضرت امام الکاملیں خواجہ محمد ناصر محمدی اپنی کتاب نالۂ عندلیب جلد اول صفحہ 243 پر رقمطراز ہیں۔

در امت محمد یہ کامل و اکمل اولیاء گردیدہ اند اگر چہ بہ اعتبار سلوک باطن و جادہ طریقت آنہا آدمی و نوحی ابراھیمی و داودی و یعقوبی و موسوی و عیسوی و محمدی مشرب ہم باشند۔"

یعنی امت محمدیہ میں کامل اور اکمل اولیاء ہوئے ہیں اگر چہ یہ امتیاز سلوک باطن اور بہ لحاظ راہ طریقت ان میں سے کوئی آدم مشرب کوئی نوح مشرب کوئی ابراہیم مشرب اور کوئی داؤد مشرب اور کوئی یعقوب مشرب اور کوئی موسیٰ مشرب اور کوئی عیسیٰ مشرب اور کوئی محمد مشرب تھا۔

اس نوع کے بے شمار حوالے ہیں جن میں کسی ایک ولی کو کسی نبی کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ ان سب کا احاطہ کرنا محض طوالت کا باعث ہے اس وجہ سے ان کو قلمزد کیا جاتا ہے۔ دراصل بتانا یہ مقصود ہے کہ امت محمدیہ میں کسی فرد کا کسی نبی کے ساتھ مثیل نظیر ہونا خلاف دین نہیں۔ بے شمار اولیاء ہو گزرے ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی نبی کا مثیل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

غرض اس امت مسلمہ کا مسیح وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس امت میں سے ہو۔ اور جس کی تعلیم اور تزکیہ نفس نبی کریم ﷺ کی اتباع کامل سے ہو۔ کوئی سلسلہ موسوی سے اس امت کا مسیح نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ثابت کر چکا ہوں۔ کہ نزول مسیح سے مراد مثیل مسیح کا آنا ہے۔ جیسا کہ نزول الیاس سے مراد مثیل الیاس کا آنا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے جب اس صدی کے مجدد کو مبعوث فرمایا تو ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا۔ کہ وہ مسیح سے اشد مشابہت رکھتے ہیں۔ اس اشد مشابہت کی وجہ سے وہ زمرہ انبیاء میں شامل نہیں ہو گئے۔ بلکہ وہ مجددین کی صف میں ہی کھڑے ہیں چنانچہ حقیقۃ الوحی جو 1907ء میں حضرت مرزا صاحب کے انتقال سے ایک سال بیشتر لکھی گئی اس میں متعدد بار اپنے تئیں مجدد کہا ہے۔ صفحہ 193 پر لکھا ہے۔" اور یہ اہل سنت کا متفقہ علیہ امر ہے کہ آخری مجدد اس امت کا مسیح موعود ہے۔"

نشان آسمانی صفحہ 34 پر رقمطراز ہیں۔" اس عاجز کا دعویٰ مجدد اور مثیل مسیح ہونے کا ہے۔ اور دعویٰ ہمکلامی پر گیارہواں سال جاتا ہے۔"

یہ دونوں حوالے ظاہر کرتے ہیں کہ مثیل مسیح ہونے کے باوجود وہ زمرہ مجددین میں شامل ہیں۔ دعویٰ مسیحیت سے رتبہ اور منصب میں کوئی فرق نہیں۔

ایک سوال بلکہ اس کا جواب: ۔ حدیث میں امت محمدیہ میں آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اول تو مرزا صاحب نے اس حدیث کو مشکوک قرار دیا ہے۔ دوم اگر اس حدیث کو صحیح گردانا جائے تو پھر لفظ نبی کے لغوی معنی کرنے ہوں گے۔ اس سے حدیث کی صحت بھی برقرار رہتی ہے اور ختم نبوت کی مہر بھی نہیں ٹوٹتی۔ چنانچہ مرزا صاحب مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کے بعد تحفہ گولڑویہ (تقطیع کلاں طبع یکم ستمبر 1902 کے صفحہ 46-47) پر رقمطراز ہیں۔

" اس کے مقابل پر وہی مسلم کی ظنی حدیث (نبی اللہ والی حدیث ناقل) پیش کی جاتی ہے جس پہ صدہا شبہات چیونٹیوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ جو ظاہری الفاظ کی رو سے صریح قرآن شریف کے متناقض اور اس کی ضد پڑی ہوئی ہے .... کیا مسلم کی حدیث کے لئے قرآن کو چھوڑ دیں اور ایک ذخیرہ دلائل کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیں۔ کیا کریں یہ بھی ہمارا مسلم پر احسان ہے کہ ہم نے تاویل سے کام لے کر حدیث کو مان لیا ہے۔ ورنہ رفع تناقص کے لئے ہمارا حق تو یہ تھا کہ اس حدیث کو موضوع ٹھہراتے لیکن خوب غور سے سوچنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ حدیث موضوع نہیں ہے ہاں استعارات سے پُر ہے"۔

گویا مرزا صاحب نے مسلم والی حدیث کو جس میں مسیح موعود کو نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے ظنی حدیث اور قرآن مجید سے متناقص قرار دیا ہے۔ اگر اس کو صحیح گردانا جائے تو پھر لفظ نبی اللہ کے ایسے معنی کرنے ہوں گے جس سے تناقص دور ہو جائے۔ وہ معنی یہی ہیں لفظ نبی کو لغوی معنی میں سمجھا جائے یعنی غیب کی خبر دینے والا اصطلاحی معنی میں نہ سمجھا جائے یعنی جس پر وحی نبوت نازل ہوتی ہے چنانچہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔" ہاں یہ سچ بھی ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ خبر دی گئی ہے اے امتی لوگو! وہ تم میں سے ہو گا اور تمہارا امام ہو گا ۔۔۔۔۔ اب ان تمام اشارات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوت تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہو گا۔ ہاں نبوت ناقصہ اس میں پائی جائے گی۔ جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے اور نبوت تامہ کے شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے"۔ (ازالہ اوہام طبع

اول صفحہ 532)

گویا مسلم والی حدیث میں مسیح موعود کو جو نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے یہ لفظ محدث کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے مرزا صاحب نے حدیث کی صحت کو برقرار رکھا ہے۔ اور تناقض لفظی کو بھی دور کر دیا ہے۔

اجرائے نبوت کو شدت سے رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "یہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے کہ باوجودیکہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں پھر کسی وقت دوسرا نبی آ جائے۔ وحی نبوت شروع ہو جائے کیا یہ سب امور حکم نہیں کرتے۔ اس حدیث کے معنی (مسلم والی حدیث جس میں مسیح موعود کو نبی اللہ کہا گیا ہے۔) کرنے کے وقت ضرور ہے کہ الفاظ ظاہر سے پھیرا جائے"۔ (ایام الصلح صفحہ 47)

اوپر کی عبارت میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ کو ظاہر سے پھیرنا چاہیے کیونکہ حدیث کے ظاہری الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ آنے والا مسیح نبی اللہ ہو کر آئے گا۔ حالانکہ خاتم الانبیاء کے بعد کسی نبی کا آنا اور وحی نبوت کا ہونا بالکل ممتنع ہے۔

مرزا صاحب نے حدیث کے لفظ نبی اللہ کو ظاہر سے پھیرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ لفظ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے خلاف ہے۔

پھر فرمایا۔ سارا جھگڑا یہ ہے کہ جس کو نادان متعصب اور طرف کھینچ کر لے گئے ہیں آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبوی سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کی رو سے ہے۔ جو صوفیاء کرام کی کتابوں میں مسلّم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ کا ہے۔ ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا۔ (حاشیہ انجام آتھم صفحہ 28)

اب لفظ نبی کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم لینا بقول مرزا صاحب نادان متعصب اشخاص کا کام ہے۔

ختم نبوت

قرآن مجید میں ختم نبوت کے موضوع پر کئی آیات ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے صرف ایک ہی قرآنی آیت پر اکتفا کرتا ہوں۔ سورۃ احزاب کی آیت 40 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ما محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ بکل شئی علیما۔ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ اور نبیوں کو ختم

کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

خاتم کے معنی: ۔ ختم کے معنی ہیں ایک چیز کو ڈھانک دینا اور ایسا مضبوط کر دینا کہ دوسری چیز اس میں داخل نہ ہو۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ کسی چیز کے آخر کو پہنچ گیا۔ اور خاتم کے معنی مہر بھی ہیں اور آخر بھی اور کسی قوم کے خاتَم اور خاتِم سے مراد ان میں سے آخری ہونا ہے۔

خاتم اور خاتم نبی کریم ﷺ کے اسماء میں سے ہیں خاتم النبین اور خاتم النبین کے معنی میں آخری نبی اور آپ کو خاتم النبین کہا۔ اس لئے نبوت کو آپ کے ساتھ ختم کر دیا۔ (امام راغب)

خاتم النبین کی تفسیر احادیث نبوی سے: ۔ خاتم النبین کے معنی لغت سے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ انبیاء علیھم السلام ایک قوم ہیں اور کسی قوم کا خاتَم اور خاتِم ہونا صرف ایک ہی رکھتا ہے۔ یعنی ان میں سے آخری ہونا۔ پس نبیوں کے خاتم کے معنی مہر نبی بلکہ آخری نبی ہیں۔

حدیث۔1۔ سب سے پہلے ہم متفق علیہ حدیث لیتے ہیں۔ جن پر جرح کی گنجائش نہیں آپ فرماتے ہیں۔ عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لعلی انتَ منّی بمنزلہ ھارون من موسی الا انہ لا بعدی۔ (مشکوۃ المصابیح مناقب علی بن ابی طالب) سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے علی کو فرمایا تو مجھ سے اس مرتبہ پر ہے جیسے ہارون موسی سے فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ اس امت میں کسی قسم کی نبوت باقی نہیں ورنہ حضرت علی کو ضرور مل جاتی کیونکہ حضرت علی کو آنحضرت ﷺ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسی علیہ السلام سے یعنی ایک نبی کو دوسرے نبی سے ہو سکتی۔ دوسری حدیث متفق علیہ یہ ہے۔

لا تقوم الساعتہ حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین و حتی تعبد الاوثان و انہ سیکون فی امتی ثلثون کذابا کلھم یزعم انہ نبی و انا خاتم النبین لا نبی بعدی۔ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبائل مشرکوں کے ساتھ مل جائیں گے اور یہاں تک کہ بتوں کی پوجا کی جائے اور میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ خیال کرے گا۔ کہ وہ نبی ہے اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اس حدیث کی رو سے جو شخص بھی بعد آنحضرت ﷺ دعوی نبوت کرے گا وہ کذاب ہے اس حدیث میں یہ نہیں لکھا کہ جو تیس کذاب ہوں گے۔ وہ تشریعی نبوت کے مدعی ہوں گے۔

بلکہ مطلق نبوت کے مدعی لکھا ہے پس اس کی رو سے امت کے اندر ہو کر نبوت کا دعوی بھی کذاب کا کام ہے پس مطلق نبوت کا دعوی کرنا بھی ایک مسلمان کے لئے ممتنع ہے۔

ان دونوں احادیث نے یہ فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ نبوت کا دروازہ ہرگز اس امت میں کھلا نہیں یعنی رسول کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اور جو بھی دعوی نبوت کرے گا۔ وہ کذاب ہوگا۔ صحیح بخاری میں ایک اور حدیث ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم قال ان مثلي و مثل الانبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فاحسنه و اجمله الا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به و يعجبون له و يقولون هلا و ضعت هذه اللبنة قال فانا اللبنة و انا خاتم النبين (بخاری کتاب المناقب خاتم النبین)

حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری مثال اور ان نبیوں کی مثال جو مجھ سے پہلے تھے اس شخص کی مثال کی طرح ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا اور اسے اچھا اور خوبصورت بنایا مگر کونے کی ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی سو لوگ اس کے گرد گھومنے لگے۔ اور اس امر پر تعجب کرنے لگے کہ یہ اینٹ کیوں نہ لگائی گئی پس فرمایا۔ میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبین (پر نبیوں کو ختم کرنے والا) ہوں۔

آخری اینٹ وہ ہوتی ہے جس کے بعد اور کسی اینٹ کی گنجائش نہ ہو۔ آپ کے بعد اگر کوئی اور نبی آ جائے۔ تو پھر آپ آخری اینٹ نہیں رہ سکتے۔ اور ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال فضلت على الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم و نصرت بالرعب و احلت لى الغنائم وجعلت لى الارض مسجدًا وطهورًا وارسلتُ الى الخلق كافته و ختم بى النبيون (مشکوۃ المصابیح باب فضائل سید المرسلین)

حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا نبیوں پر مجھے چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ کلمات جوامع دیے گئے ہیں رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے میرے لئے اموال غنمت حلال کئے گئے ہیں۔ اور میرے لئے زمین سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔ اور میں تمام مخلوقات کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اور میرے ساتھ نبی ختم کئے گئے ہیں۔

مذکورہ احادیث میں خاتم النبین کی تشریح میں لا نبی بعدی کے الفاظ آئے ہیں۔ لا نفی جنس ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنخضرت ﷺ کے بعد نہ نیا نبی آ سکتا ہے۔ اور نہ پرانا کیونکہ حرف لائے نفی جنس نبوت کی جنس کی نفی کر دیتا ہے۔ یعنی ایسا کوئی نبی نہیں آ سکتا جس کا شمار انبیاء

کے زمرہ میں ہو۔

ختم نبوت از روئے کتب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

1891ء۔ ما كان محمد ابا احدٍ من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبين۔
یعنی محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں گو۔ مگر رسول اللہ اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔
یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ (ازالہ اوہام صفحہ 614)

1892ء ۔ آنخضرت ﷺ کے خاتم النبین ہونے کا اور یقین کامل سے جانتا ہوں۔ آپ پر محکم ایمان رکھتا ہوں۔ کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔ (نشان آسمانی صفحہ 28)

1894ء۔ میں عامتہ الناس پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے۔ اور ولکن رسول اللہ و خاتم النبین پر آنخضرت ﷺ کی نسبت میرا ایمان ہے میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں اور جس قدر آنخضرت ﷺ کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسول کے فرمودہ کے برخلاف نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرتا ہے خود اس کی غلط فہمی ہے اور جو شخص مجھے اب بھی کافر سمجھتا ہے اور تکفر سے باز نہیں آتا وہ یقیناً یاد رکھے کہ مرنے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا۔ (کرامت الصادقین صفحہ 25)

1894ء۔ محمد ﷺ تم میں سے کسی کے باپ نہیں مگر اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ خدائے قدس اور رحیم نے ہمارے نبی ﷺ کو بغیر کسی استثناء کے خاتم النبین قرار دیا ہے اور ہمارے نبی ﷺ نے بطور تفسیر آیت مذکور فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (حمامتہ البشری عربی صفحہ 30)

1895ء۔ ہمارے سید و مولی محمد مصطفیٰ ﷺ جس کو ہم اپنی پوری تحقیق کی رو سے سید المعصومین اور ان تمام پاکوں کا سردار سمجھتے ہیں جو عورت کے پیٹ سے نکلے اور اس کو خاتم الانبیاء جانتے ہیں کیونکہ اس پر تمام نبوتیں اور تمام پاکیزگیاں اور تمام کمالات ختم ہو گئے۔ (مجموعہ اشتہارات حصہ دوم صفحہ 156)

1896ء۔ 6۔ محمد حسین کا یہ سراسر افتراء ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں

کہ گویا ہمیں معجزات انبیاء علیہم السلام سے انکار ہے یا ہم خود دعوی نبوت کرتے ہیں یا نعوذ باللہ حضرت سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم الانبیاء نہیں سمجھتے۔ یا ملائکہ سے انکاری یا حشر ونشر وغیرہ اصول اسلام سے منکر ہیں۔۔۔۔۔ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ گواہ ہے کہ ہم ان سب باتوں کے قائل ہیں اور عقائد اور ان اعمال کے منکروں کو ملعون اور خسر الدنیا والآخرہ پر یقین رکھتے ہیں۔
(مجموعہ اشتہارات صفحہ 257)

1897ء۔ 7۔ اور اصل حقیقت جس کی میں علی رؤس الاشھاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔
(انجام آتھم حاشیہ ص 27)

1898ء۔ 8۔ آنحضرت ﷺ نے بار بار یہی فرما دیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور حدیث لا نبی بعدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت کریمہ ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین سے بھی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ (کتاب البریۃ حاشیہ ص 199)

1899ء۔ 9۔ ایسا ہی آپ نے لا نبی بعدی کہہ کر کسی نئے نبی یا دوبارہ آنے والے نبی کا قطعاً دروازہ بند کر دیا۔ (ایام الصلح ص 152)

1900ء۔ 10۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے۔ (اربعین نمبر ص 6)

1901ء۔ 11۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کامل شریعت لے کر آئے جو نبوت کے خاتم تھے۔ اس لئے زمانہ کی استعدادوں اور قابلیتوں نے ختم نبوت کر دیا تھا۔ (روحانی خزائن نمبر 2 جلد صفحہ 272)

1902ء۔ 12۔ ایسا ہی آیت الیوم اکملت لکم دینکم اور آیت ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین میں صریح نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم کر چکا ہے اور صریح لفظوں میں فرما چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ فرمایا ہے ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ (تحفہ گولڑویہ ص 51)

1903ء۔ 13۔ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ نبوت تشریعی جائز نہیں دوسری جائز ہے مگر اپنا مذہب یہ ہے کہ ہر قسم کی نبوت بند ہے۔ (ملفوظات احمدیہ حصہ پنجم)

1904ء۔ 14۔ ہمارے نبی ﷺ روحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدم ثانی تھے بلکہ حقیقی آدم وہی تھے جن کے ذریعہ اور طفیل سے تمام انسانی فضائل کمال کو پہنچے اور تمام نیک قوتیں اپنے اپنے کام میں لگ گئیں اور کوئی شاخ فطرت انسانی کی بے بار و بر نہ رہی اور ختم نبوت آپ پر نہ صرف زمانہ کی تاخر کی وجہ سے ہوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہو گئے۔ (لیکچرر اسلام سیالکوٹ صفحہ 6)

1905ء۔ 15۔ تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گزر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئیگی۔ اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے۔ اور ہونا چاہیے تھا کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔ (الوصیت صفحہ 7)

1906ء۔ 16۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم وقت اور موقعہ کے حسب حال ہوتی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے وقت چونکہ ہر قسم کے فساد کمال تک پہنچ چکے تھے۔ اس لئے ان کی اصلاح کے لئے جو تعلیم دی گئی وہ کامل تھی یہی وجہ ہے کہ خاتم الکتب قرآن مجید نازل ہوا اور آپ پر نبوت ختم ہو گئی (ملفوظات جلد نہم صفحہ 78)

1907ء۔ 17۔ اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین ہے اور رحمٰن اور رحیم ہے جس نے زمین اور آسمان کو چھ دن میں بنایا اور آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 171)

ب۔ و ان رسولنا خاتم النبین و علیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین۔ اور یقیناً ہمارے رسول ﷺ خاتم النبین ہیں اور ان پر مرسلین کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ (استفتاء ص 22)۔

1908ء۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم النبین ﷺ ہیں۔ وہ وقت آ گیا کہ قومی تفرقہ درمیان سے اٹھا دیا جائے اور ایک کتاب کے ماتحت سب کو کیا جائے تب خدا نے سب دنیا کے لئے ایک نبی بھیجا تا وہ سب قوموں کو ایک ہی مذہب پر جمع کرے اور وہ جیسا کہ ابتدا میں ایک قوم تھی آخر میں بھی ایک ہی قوم بنا دے ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ واقعی اور حقیقی طور پر یہ امر ہے کہ ہمارے مولانا حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ (چشمہ معرفت ص 82-136-324)

دعویٰ مہدیت

لفظ مہدی کی لغوی وضاحت :۔لفظ مہدی اسم مفعول ہے اور مصدر ہدی سے مشتق ہے۔جس کے معنی ہیں۔ الرشاد و الدلالة بلطف الی ما یو صل الی المطلوب یعنی لطف کے ساتھ لے جانا اور راہنمائی کرنا اس کی طرف جومطلوب یعنی منزل مقصود تک پہنچادے۔

پس لفظ مہدی کے معنی ہدایت یافتہ شخص ہیں۔یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ جوشخص ہدایت یافتہ ہوگا وہی لوگوں کوراہ ہدایت پر چلائے گا۔

<u>عہد اولیٰ میں لفظ مہدی کا اطلاق</u>: عہد اولیٰ میں لفظ مہدی کا اطلاق ہرنیک صالح آدمی پر ہوتا تھا روایت ہے۔روی ابو نعیم عن ابی عمر انه قال لمحمد بن الحنفيّة المهدی من يهدی و يصلح به الناس كما يقال الرجل الصالح اذا كا ن الرجل صالحا قيل له المهدی . (حجج الکرّامہ فی آثار القیامتہ صفحہ 28)

ابونعیم حضرت ابن عمر سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن حنفیہ سے کہا کہ مہدی وہ ہے جو ہدایت یافتہ ہو۔اور لوگوں کی اس سے اصلاح ہوتی ہو۔جیسے کہ کسی نیک آدمی کی نسبت جب کوئی فی الحقیقت صالح ہو۔مہدی کہا جاتا ہے۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہرصالح آدمی مہدی کہلانے کا مستحق ہے۔اور دور اول میں ہرصالح کومہدی کے لفظ سے پکار دیا جاتا تھا۔

لفظ مہدی کا اطلاق احادیث میں :۔

او صيكم بتقوى الله و السمع و الطاعة و ان أمّر عليكم عبد حبشی فانه من يعش منكم بعدی فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتی و سنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسكوا بها و عضوا عليها بالنوا جذ و اياكم و محدثات الامور فان كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة رواه احمد بن حنبل و ابو دائود و التر مذی و ابن ماجته و الحاكم عن العوباض بن سارية.

(احمد بن حنبل اور ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم اپنی کتابوں میں عرباض بن ساریہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں میں تقوی اور نیک بات کے قبول کرنے اور فرمانبرداری کرنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی کیوں حکومت نہ کرتا ہو۔کیونکہ جوشخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہیگا۔وہ ضرور اختلاف دیکھے گا۔اس وقت تمہیں

لازم ہے کہ میری سنت اور ان خلفاء کی سنت پر چلنا جومہدی اور رشید ہوں اور اسی سے تمسک کرنا اور مضبوطی کے ساتھ جمے رہنا۔اور دین میں نئی نکلی ہوئی باتوں سے بچتے رہنا کیونکہ ہرنئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی کا موجب ہے۔(کنز العمال جلد اول صفحہ 44)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جس قدر خلفاء راشدین اس وقت سے پہلے گزر چکے ہیں یا آئندہ ہونگے وہ سب مہدی کے لفظ کے اندر آسکتے ہیں۔

2. عن جرير قال قال لی رسول الله ﷺ الا تريحنی من ذی الخلصة بيت كان لخثعم فی الجاهلية يسمى بالكعبة اليمانية قلت يا رسول الله ﷺ انی رجل لا اثبت على الخيل فمسح فی صدری و قال اللهم اجعله هاديا مهديا حتى وجدت بردها رواه ابن شيبته .

ابن ماجہ حضرت جریر سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ کیا تو میرے ساتھ نہیں چلتا۔کہ ذی الخلصہ میں ایک مکان ہے جس کو جاہلیت میں کعبۃ الیمانیہ کہا جاتا تھا۔میں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا شخص ہوں کہ گھوڑے کی پیٹھ پر قائم نہیں رہ سکتا۔تو پھر رسول اللہ ﷺ نے میری چھاتی کو اپنے دست مبارک سے مس کیا اور یہ دعا مانگی کہ اے اللہ اس شخص کو ہادی اور مہدی بنادے۔اور یہاں تک دعا کی کہ ٹھنڈک کا اثر محسوس ہونے لگا ۔(دیکھو کنز العمال جلد 7 صفحہ 19)

3. و ان تولوا عليا تجدوه هاديا مهديا يسلك بكم الطريق المستقيم رواه ابو نعيم فی الحلية عن حذيفته.

ابونعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں حذیفہ سے روایت بیان کی ہے کہ اگر تم علیؓ کو والی بناؤ گے تو تم اس کو ہادی اور مہدی پاؤ گے۔اور وہ تم کو صراط مستقیم پر چلائیگا۔(دیکھو کنز العمال جلد 6 صفحہ 155)

4. ان تولوا ابا بكر تولوه امينا مسلما قويا فی امر الله ضعيفا فی امر نفسه و ان تولوا عمر تولوا امينا مسلما لا تاخذه فی الله لومة لائم و ان تولوا عليا تولوه هاديا مهديا يحملكم على الحجة رواه الخطيب و ابن عساكر عن حذيفة.

خطیب اور ابن عساکر نے حذیفہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم ابوبکر کو والی بناؤ گے تو تم اس کو امین اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں پکا اور مضبوط مسلمان پاؤ گے

۔اپنے ذاتی امور میں اس کو کمزور پاؤ گے اور اگر عمر کو والی بناؤ گے تو تم اس کو بھی امین اور ایسا مسلمان پاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرے گا۔اور اگر تم علی کو والی بناؤ گے تو اس کو ہادی اور مہدی پاؤ گے اور وہ تمہیں حجت اور دلیل پر چلائیگا۔(دیکھو کنز العمال جلد 6 صفحہ 160)

دیگر کتب میں مہدی کا اطلاق ہر صالح آدمی پر

صرف احادیث میں ہی لفظ مہدی کا رواج نہیں ۔ بلکہ عام صحابہ یا تابعین و دیگر بزرگان دین بھی ہر نیک اور بزرگ آدمی کو مہدی کہتے تھے۔

(1) چنانچہ تاریخ کامل ابن شیر کی جلد 4 صفحہ 75 میں حضرت حسین بن علی اور حضرت علی کی نسبت لفظ مہدی کا استعمال ہوا ہے ۔ جب سلیمان بادشاہ معہ اپنے اصحاب کے حضرت حسین کی قبر پر پہنچے تو پکار کر کہنے لگے۔ اللھم ارحم حسیناً الشھید ابن الشھید المھدی ابن المھدی ۔یعنی اے اللہ حسین پر رحم کر جو شہید ابن شہید المھدی ابن المھدی پس صاف ظاہر ہے کہ مہدی کا لفظ ہر نیکو کار پر بولا جاتا ہے۔

(2) حضرت مولانا روم مثنوی کے دفتر دوم صفحہ 82 پر لکھتے ہیں۔

پس امام حی و قائم آن ولی ست خواہ از نسل عمر خواہ از علی ست مہدی و ہادی ویست اے نیکخو ہم نہاں و ہم نشستہ پیش رو۔

پس امام زندہ اور قائم وہ ولی ہے خواہ وہ عمر کی نسل سے ہو خواہ علی کی نسل سے ہو۔اے نیک سیرت وہی مہدی اور ہادی ہے۔خواہ وہ خلق اللہ سے پوشیدہ ہو یا پاس بیٹھا ہوا ہو۔

حاشیہ مثنوی پر مولوی عبد العلی صاحب نے لکھا ہے۔

اے این ولی را نسب شرط نیست از نسل ہر کہ باشد علوی باشد یا نہ چون شیعہ زعم کنند کہ امام قایم محمد ابن حسن عسکری ست و او مہدی موعود است پس مولوی رومی این قول فرمودند کہ آن امام کہ حی قایم ست کہ بآن بقائے عالم است این ولی ست کہ قطب الاقطاب ست کہ یک کسے قایم باین مقام مے باشد بہ سبیل تعاقب یعنے لازم نیست کہ مہدی از نسل علی باشد و غرض حضرت مولوی آنست ہر کہ مظہر ہدایت ست در حقیقت آن مہدی ست۔

یعنی اس ولی کے لئے نسب شرط نہیں خواہ وہ کسی نسل سے ہو علوی ہو یا نہ ہو۔جب شیعہ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام قائم محمد بن حسن عسکری ہی ہے اور وہی مہدی موعود ہے اس لئے

مولوی رومی صاحب نے اس کو رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ امام جواب موجود اور زندہ ہے کہ جس سے بقائے عالم ہے وہ ولی ہی ہے جو قطب الاقطاب ہے اور ایک نہ ایک شخص ضرور بسبیل پیروی کامل اس مقام کو حاصل کرسکتا ہے اور یہ لازمی نہیں ہے کہ مہدی نسل علی سے ہو اور حضرت مولوی کی غرض اس سے یہ ہے کہ جو مظہر ہدایت ہو وہی فی الحقیقت مہدی ہوتا ہے۔

مہدی سے متعلق احادیث پر نقد و جرح

جب حدیث کے ادب ابو داؤد ترمذی ،مسند احمد بن حنبل ، تاریخ ابن عساکر، طبرانی ، دار قطنی ، اور ابن ماجہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے مختلف احادیث میں مختلف اوصاف والے مہدی کے آنے کی پیشگوئی پائی جاتی ہے ۔کسی ایک حدیث میں مختلف اوصاف والے مہدی کے آنے کی پیشگوئی پائی جاتی ہے ۔کسی ایک حدیث میں اس مہدی کو اہل بیت میں سے قرار دیا گیا ہے ۔اور اس کا نام رسول کریم ﷺ کا نام اس کا حلیہ روشن پیشانی والا اونچی ناک والا اس کے ساتھ اس کی صفات کہ وہ زمین کو عدل اور انصاف سے بھر دے گا۔دولت کے خزانے لٹائے گا۔حسن کی اولاد سے ہوگا۔وہ شخص مشرقی ممالک سے نکلے گا۔اگر پہاڑ بھی اس کے سامنے آجائیں تو ان کو گرا دے گا۔اور ان میں رستے بنائے گا۔ایک حدیث میں اس شخص کو عباس کی اولاد میں سے قرار دیا ہے ۔بعض احادیث میں مہدی کے ساتھ خون ریز جنگوں کا سلسلہ بھی جوڑا ہے ۔غلام مرزا احمد قادیانی نے مہدی والی احادیث کے تمام دفتر پر ناقدانہ تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اس قسم کی تمام حدیثیں جو مہدی کے آنے کا بارے میں ہیں ہرگز قابل وثوق اور قابل اعتبار نہیں ہیں میرے نزدیک ان پر تین قسم کی جرح ہوتی ہے ۔یا یوں کہو کہ وہ تین قسم سے باہر نہیں ۔

(1) اول وہ حدیثیں کہ موضوع اور غیر صحیح اور غلط ہیں اور ان کے راوی خیانت اور کذب سے متہم ہیں اور کوئی دیندار اور مسلمان ان پر اعتبار نہیں کرسکتا۔

(2) دوم ۔دوسری حدیثیں جو ضعیف اور مجروح ہیں اور باہم تناقض اور اختلاف کی وجہ سے پایہ اعتبار سے ساقط ہیں اور حدیث کے نامی اماموں نے یا تو ان کا قطعاً ذکر نہیں کیا یا جرح اور بے اعتباری کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔ اور توثیق روایت نہیں کی یعنی راویوں کے صدق اور دیانت پر شہادت نہیں دی۔

(3) تیسری ۔وہ حدیثیں ہیں جو در حقیقت صحیح تو ہیں اور طرق متعددہ سے ان کی صحت کا پتہ چلتا ہے لیکن یا تو وہ کسی پہلے زمانہ میں پوری ہو چکی ہیں ۔اور مدت ہوئی کہ ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو چکا

ہے ۔ اور اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں اور یا یہ بات ہے کہ ان میں ظاہری خلافت اور ظاہری لڑائیوں کا کچھ بھی ذکر نہیں ۔ صرف ایک مہدی یعنی ہدایت یافتہ انسان کے آنے کی خوش خبری دی گئی ہے ۔ (حقیقت المہدی روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 429-430)

حدیث کے ردو قبول کے اصول پر عالمانہ بحث کرتے ہوئے مرزا صاحب فرماتے ہیں ۔

''لیکن اگر کوئی ایسی حدیث جو قرآن شریف کے بیان کردہ قصص سے صریح مخالف ہو ۔ تو اس کی تطبیق کے لئے فکر کرو ۔ شاید وہ تعارض تمہاری ہی غلطی ہو اور اگر کسی طرح وہ تعارض دور نہ ہو ۔ تو ایسی حدیث کو پھینک دو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نہیں ہے ۔ اور اگر کوئی حدیث ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے ۔ تو اس حدیث کو قبول کر لو ۔ کیونکہ قرآن اس کا مصدق ہے اور اگر کوئی ایسی حدیث ہے جو کسی پیشگوئی پر مشتمل ہے ۔ مگر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے اور تمہارے زمانہ میں یا پہلے اس سے اس حدیث کی پیشگوئی سچی نکلی ہے تو اس حدیث کو سچی سمجھو ۔ (کشتی نوح صفحہ 63)

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ مہدویت :۔ رسول کریم ﷺ نے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کی آمد کی خوش خبری دی ہے ۔ تمام علماء امت اس بات پر متفق ہیں کہ ہر صدی میں مجدد آتے رہے ہیں ۔ جنہوں نے تجدیدی کام انجام دیئے ۔ حقیقت میں تمام مجددین اپنے اندر مہدویت کی شان رکھتے تھے ۔ اگر وہ خود ہدایت یافتہ نہ ہوں تو وہ کیسے امت کی اصلاح کر سکیں گے ۔ حضرت مرزا صاحب نے چودھویں صدی کے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ۔ احادیث میں چودھویں صدی کے مجدد کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شدید مشابہت کی بناء پر مثیل مسیح قرار دیا ہے ۔ اس مثیل مسیح کو ابن ماجہ کی ایک روایت میں مہدی بھی قرار دیا ہے ۔ روایت میں ہے ۔ لا مھدی الا عیسیٰ ۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بجز اس شخص کے جو عیسیٰ کی خو اور طبیعت پر آئے گا ۔ اور کوئی بھی مہدی نہیں آئے گا ۔ یعنی وہی مسیح موعود ہو گا اور وہی مہدی ہو گا ۔ مسند احمد میں بروایت ابو ہریرہ ہے ۔ یوشک من عاش منکم ان یلقی عیسی بن مریم اماما مھدیا و حکما عدلا (جلد 2 صفحہ 411) قریب ہے کہ جو تم میں سے زندہ ہے وہ عیسیٰ ابن مریم سے ملے گا جو امام ہے مہدی ہے اور حکم ہے ۔

اس حدیث کے تحت حضرت مرزا صاحب نے کہا ہے ۔ کہ میں وہی مہدی ہوں جو عیسیٰ بھی کہلاتا ہے ۔ (چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 6 حاشیہ)

مسیح موعود کا مہدی ہونے میں ایک دقیق نکتہ :۔ چودھویں صدی کے مجدد کو مثیل مسیح پھر اس کے مہدی ہونے میں ایک دقیق نکتہ ہے وہ مجدد عیسیٰ علیہ السلام کی خو اور طبیعت اور طریق تعلیم پر آئے گا ۔ یعنی بدی کا مقابلہ نہ کرے گا ۔ اور نہ لڑے گا ۔ اور پاک نمونہ اور آسمانی نشانوں سے ہدایت کو پھیلائے گا ۔ اور اسی حدیث کی تائید میں وہ حدیث ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں لکھی ہے ۔ جس کے لفظ یہ ہیں ۔ کہ یضع الحرب یعنی وہ مہدی جس کا دوسرا نام مسیح موعود ہے ۔ دینی لڑائیوں کو قطعاً موقوف کر دے گا ۔ اور اس کی یہ ہدایت ہو گی کہ دین کے لئے لڑائی مت کرو بلکہ دین کو بذریعہ سچائی کے نوروں اور اخلاقی معجزات اور خدا کے قرب کے نشانوں سے پھیلاؤ ۔

مسیح اور مہدی دو ناموں کی حقیقت :۔ مجدد صدی چہار دہم کو دو ناموں عیسیٰ اور مہدی کے ساتھ پکارا گیا ہے اس میں یہ حقیقت مخفی ہے کہ اس مجدد کو دو عظیم الشان کام سپرد کئے گئے ہیں ۔ انہی دو کاموں کے لحاظ سے اس کو دو نام دئے گئے ہیں ۔ مسیح اور مہدی ۔ مسیح اس وجہ سے کہ مجدد صدی چہار دہم کا سر صلیب ہو گا یعنی عیسائیت کے باطل عقائد کو ختم کرے گا ۔ مزید براں مسیحی یورپ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھے گا ۔

جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے ۔

چوں میرا نورے پئے قوم مسیحی داوہ اند مصلحت را ابن مریم نام من پنہادہ اند ۔ مہدی کے لفظ میں یہ راز ہے کہ وہ مجدد اسلام پر وارد تمام اعتراضات کا مسکت جواب دے گا ۔ اسلام کو عقلی ۔ نقلی اور حالی دلائل سے تمام مذاہب پر افضل قرار دے گا ۔ مسلمانوں کے اندر سے افراط اور تفریط کو دور کرے گا ۔ مسلمانوں کی روحانی اصلاح کرے گا ۔ اور ان کا قرآن مجید سے تمسک قائم کرے گا ۔ مرض تکفیر دور کر کے مسلمانوں کے اندر اتحاد و یگانگت پیدا کرے گا ۔ اشاعت اسلام کا ہدف ان کے سامنے رکھے گا ۔

جب ہم مرزا غلام احمد قادیانی کے مجددانہ کارناموں پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے ۔ کہ اس صدی میں مرزا صاحب ہی کی ذات نظر آتی ہے کہ جب عیسائیوں مشنریوں نے اپنی جہالت اور تعصب سے اسلام پر اعتراضات کے تیر برسانے شروع کئے تو حضرت مرزا صاحب نے ان اعتراضات کا مسکت جواب دیا ۔ اس کے علاوہ عیسائیت کے باطل عقائد کو رد کیا ۔ مرزا صاحب کی تمام کتب اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مرزا صاحب کی وہ ذات مقدسہ ہے جس نے عیسائیت کے دجل وفریب کے دریا کے سامنے ایک مضبوط بندھ

باندھ دیا۔اور عیسائیوں مشنریوں کو پسپا ہونے پر مجبور کیا۔اس طرح جب آپ نے مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی اور معاشرتی حالت کو دگرگوں پایا تو ان کو تمسک بالقرآن کی تعلیم دی۔ کیونکہ قرآن مجید کے ساتھ حقیقی تعلق ہی مسلمانوں میں حیات نو پیدا کر سکتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کا ایک عظیم الشان علمی احسان :۔ مسلمانوں میں مہدی کی آمد کے ساتھ یہ تصور وابستہ تھا کہ مہدی تلوار کے زور سے اسلام پھیلائے گا۔اس طرح غیر مسلموں میں بھی یہ خیال شدت کے ساتھ موجود تھا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔آپ نے بڑی شدو مد کے ساتھ اس باطل تصور کو رد کیا۔قرآن مجید اور حدیث کی رو سے یہ بات ثابت کی کہ اسلام ایک صلح و آشتی کا مذہب ہے۔اس کے پھیلاؤ میں تلوار کا کام نہیں ہے بلکہ اسلام کے مبلغین کے توسط سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔دنیا میں ایک بھی مثال نہیں ملے گی کہ کسی شخص کو تلوار کے زور سے اسلام میں داخل کیا ہو ۔بلکہ یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ بغیر کسی طاقت کے سہارے ترقی کے راستہ پر گامزن رہا۔جیسا کہ ایک امریکن مصنف سٹاڈرڈ نے اپنی کتاب نیو ورلڈ آف اسلام (اسلام کی نئی دنیا) میں لکھا ہے۔

دنیا کے دوسرے مذاہب نے اپنا قدم آہستہ آہستہ بڑی پُر تکلیف جدو جہد سے بڑھایا۔ اور بالاخر زبردست بادشاہوں کی مدد سے جو نئے مذہب میں داخل ہوئے غلبہ حاصل کیا ۔عیسائیت کے کام قسطنطیں آیا۔بدھ مذہب کے اشوک زرتشی مذہب کے سائیرس ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کے مذہب کو جسمانی حکومت کی عظیم الشان طاقت سے مدد بہم پہنچائی۔مگر اسلام میں یہ نہیں ہوا اسلام ایک بیابان میں اٹھا جس میں ایک خانہ بدوش قوم رہتی تھی۔جس نے اس سے پہلے تاریخ عالم میں کوئی نام حاصل نہیں کیا تھا۔اور یہ بھی عظیم الشان مہم پر ایسی حالت میں نکلا کہ اس کی پشت پر کم سے کم انسانی طاقت تھی۔اور اس کے خلاف عظیم الشان طاقتوں کا اجتماع تھا'' اس دور میں مرزا صاحب کی ذات ہی ہے جس نے دلائل سے ثابت کیا۔ کہ اسلام دلائل سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے زر سے۔

ایک غلطی کا آزالہ :۔ احادیث کے دفتر سے مہدی کے متعلق چار اقوال معلوم ہوئے ہیں۔1۔ مہدی سادات میں سے ہوگا۔2۔قریش میں سے ہوگا۔3۔رجل من امتی یعنی امت میں سے یک فرد ہو۔4۔لامھدی الاعیسیٰ یعنی بجز عیسیٰ کے اور کوئی مہدی نہیں ہوگا۔وہی مہدی ہے جو مثیل مسیح ہے۔

اس طرح مہدی والی احادیث میں بعض علامات بلا شبہ اپنے ظاہری مفہوم ہیں مرزا غلام احمد قادیانی کے وجود میں پوری نہیں ہوتیں۔یہ ایک مسلّمہ امر ہے پیشگوئیوں میں بہت کچھ مجاز اور استعادہ سے کام لیا جاتا ہے۔چونکہ آئندہ کے یہ واقعات عموماً کشف یا رویا کے رنگ کے ہوتے ہیں۔اور رویا اور مکاشفہ میں تعبیر طلب باتیں ہوتی ہیں قرآن مجید نے بھی رویا اور کشف کو من وراء حجاب میں ہی رکھا ہے۔یعنی خدا کا کلام کرنا پردہ کے پیچھے سے ہوتا ہے۔اس لئے ظاہر الفاظ سے ٹھوکر نہیں کھانی چاہیے۔مثلاً مسیح موعود کے متعلق حدیث میں ہے کہ وہ دو زرد چادروں میں آئیں گے۔اب زرد چادر کی تعبیر بیماری ہے۔مراد یہ ہے کہ وہ دو بیماریوں میں مبتلا ہوگا۔مہدی کے جو اوصاف احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ان کو ظاہر پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔

نزول مسیح اور مہدی کا ذکر احادیث کے ادب میں بہت ملتا ہے۔ان ناموں کو کم فہمی کی بناء پر مخصوص فرد کے لئے مختص کر دیا گیا ہے۔حالانکہ یہ نام اپنے اندر وسعت رکھتے ہیں۔کہ ان ناموں میں قرآن مجید اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی برکات کا اظہار کیا گیا ہے۔کہ جو شخص قرآنی تعلیم اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرے گا وہ سچے اوصاف اپنے اندر پیدا کرے گا۔اور ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جانے کی وجہ سے مہدی کہلائے گا۔حقیقت یہ ہے کہ پہلے بھی امت مسلمہ میں کئی اشخاص ہو گزرے ہیں جو اپنے اندر مسیحی اوصاف رکھتے تھے۔اسی طرح ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔اور انہوں نے اپنے نفوس قدسیہ سے لوگوں کی اصلاح کی ۔اسی طرح آئندہ بھی بے شمار مسیحی نفوس پیدا ہوں گے۔وہ مثیل مسیح ہوں گے۔اور اپنے اندر مسیح اوصاف رکھتے ہوں گے۔مرزا صاحب کا بھی یہی نظریہ ہے آپ لکھتے ہیں۔ایسا ہی جو شخص اس پاک تعلیم کو اپنا رہبر بنائے گا۔وہ بھی یسوع کی مانند ہو جائے گا۔یہ پاک تعلیم ہزاروں کو عیسیٰ مسیح بنانے کو طیار ہے۔اور لاکھوں کو بنا چکی ہے۔(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب۔ (روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 348)

مجاز اور استعادہ ہر ادب کا ایک لازمی اور خوبصورت عنصر ہے۔یہ ادب میں رعنائی اور خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اعطیت کنزمیں احمر و ابیض یعنی مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں سرخ اور سفید وہاں کوئی یہ مراد نہیں لیتا۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سونے اور چاندی کے خزانے دیئے گئے ہیں۔بلکہ مراد یہی لی گئی ہے اس سے مراد دو گروہ ہیں اور کسی کے مطابق حضرت علی کا قول حجج الکرامہ کے صفحہ 396 پر نقل کیا گیا ہے۔رحمت خدا باد بر طالقان کہ

انجا خدارا خزائن است اما نہ از زر وسیم بلکہ مرد ماں اند کہ خدارا شناختہ اند حق معرفت او وایشاں انصار مہدی باشند یعنی طالقاں پر خدا کی رحمت ہو کہ اس جگہ خدا کے خزانے ہیں مگر وہ سونے چاندی کے نہیں ۔ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو پہچانا ہے جیسا کہ اس کی معرفت کا حق ہے اور وہ مہدی کے مددگار ہوں گے۔

اس روایت میں مہدی کے معاونین کو اس کے خزانے قرار دیا گیا ہے ۔اس طرح حدیث میں آتا ہے۔ لا حول و لاقوۃ کنز من کنوز الجنۃ لا حول و لا قوۃ الا اللہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے یہ بھی سونے چاندی کے خزانے نہیں بلکہ جب کہ نہایہ میں ہے کہ اس سے مراد صرف اجر مدخر ہے جو بعد کے لئے جمع کیا گیا ہے۔

قرآن اور احادیث میں ایک جگہ نہیں بلکہ بے شمار مقامات پر مجاز اور استعارے کا استعمال ہوا ہے ۔ یہ عبارت کی خوبصورتی میں داخل ہے موقع و محل کے مطابق ان مجازات و استعارات کے معانی کرنے چاہئیں ۔ظاہر پر نہیں جانا چاہیے۔

مرزا صاحب نے مہدی والی تمام احادیث کے دفتر میں سے اپنے آپ کو لامھدی اِلاعیسیٰ (ابنِ ماجہ) والی حدیث کا مصداق قرار دیا ہے۔ عیسیٰ کا مہدی ہونا تمام اہلِ حدیث اور ائمہ اربعہ کے نزدیک بغیر کسی نزاع کے مسلم ہے۔ پس آپ وہی مہدی ہیں جو مثیل عیسیٰ بھی کہلاتا ہے اس مہدی کے لیے حسنی، حسنی یا ہاشمی ہونا شرط نہیں۔

باب ھفتم

مرزا غلام احمد قادیانی در فرمودات

مدح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام

جناب سیدنا و مولانا سید الکل وافضل الرسل حضرت خاتم النبیین محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک اعلیٰ مقام اور برتر مرتبہ ہے ۔جو اسی ذات کامل الصفات پر ختم ہو گیا ہے۔ جس کی کیفیت کو پہنچنا بھی کسی دوسرے کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے۔

شان احمدؐ راکہ داند جز خداوند کریم
آنچناں ازخود جدا شد کز میاں افتاد میم
زاں نمط شد محو دلبرکز کمال اتحاد
پیکر اوشد سراسر صورت رب رحیم
بوئے محبوب حقیقی می دہد رزاں روئے پاک
ذات حقانی صفاتش مظہر ذات قدیم
گر چہ منسوبم کند کس سوئے الحاد وضلال
چوں دل احمدؐ نمے بینم دگر عرشِ عظیم
منت ایز دراکہ من برر غم اہل روز گار
صد بلا را میخرم ازذوق آں عین النعیم
از عنایات خداواز فضل آں داورِ پاک
دشمن فرعونیا نم بہر عشق آں کلیم
آں مقام در تبت خاصش کہ برمن شد عیاں
گفتنے گردیدمے طبعے دریں راہے سلیم
در رہ عشق محمدؐ ایں سرو جانم ردد
ایں تمنا ایں دعا درد لم عزم صمیم

اب آنحضرت ﷺ کے درجہ عالیہ کی شناخت کے لئے اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ مراتبِ قرب ومحبت باعتبار اپنے روحانی درجات کے تین قسم پر منقسم ہیں۔

سب سے ادنیٰ درجہ جو درحقیقت وہ بھی بڑا ہے یہ ہے کہ آتش محبت الٰہی لوحِ قلب انسان کو گرم تو کرے اور ممکن ہے کہ ایسا گرم کرے کہ بعض آگ کے کام اس محرور سے ہو سکیں لیکن یہ کسر باقی رہ جائے کہ اس متاثر میں آگ کی چمک پیدا نہ ہو۔ اس درجہ کی محبت پر جب خدا تعالیٰ کی محبت کا شعلہ واقع ہو تو اس شعلہ سے جس قدر روح میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو سکینت واطمینان اور کبھی فرشتہ وملک کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

دوسرا درجہ محبت کا وہ ہے جس میں دونوں محبتوں کے ملنے سے آتشِ محبتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو اس قدر گرم کرتی ہے کہ اس میں آگ کی صورت پر ایک چمک پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس چمک میں کسی قسم کا اشتعال یا بھڑک نہیں ہوتی۔ فقط ایک چمک ہوتی ہے۔ جس کو روح القدس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ محبت کا وہ درجہ ہے جس میں ایک نہایت افروختہ شعلہ محبت الٰہی کا انسانی محبت کے مستعد فتیلہ پر پڑ کر اس کو افروختہ کر دیتا ہے اور اس کے تمام اجزا اور تمام رگ وریشہ پر استیلاء پکڑ کر اپنے وجود کا اتم اور اکمل مظہر اس کو بنا دیتا ہے اور اس حالت میں آتش محبت الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو نہ صرف ایک چمک بخشتی ہے بلکہ معاً اس چمک کے ساتھ تمام وجود بھڑک اٹھتا ہے اور اس کی لوئیں اور شعلے اردگرد کو روز روشن کی طرح روشن کر دیتے ہیں۔ اور کسی قسم کی تاریکی باقی نہیں رہتی اور پورے طور پر اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ وہ سارا وجود آگ ہی آگ ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت جو ایک آتش افروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اس کو روحِ امین کے نام سے بولتے ہیں کیونکہ یہ ہر ایک تاریکی سے امن بخشتی ہے اور ہر ایک غبار سے خالی ہے اور اس کا نام شدید القویٰ بھی ہے کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقت وحی ہے جس سے قوی تر وحی متصور نہیں اور اس کا نام ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلی ہے اور اس کو راء ماراٰئے کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور گمان اور وہم سے باہر ہے۔

اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے۔ جو انسان کامل ہے جس پر تمام سلسلہ انسانیہ کا ختم ہو گیا۔ اور دائرہ استعدادات بشریہ کا کمال کو پہنچا ہے اور وہ درحقیقت پیدائش

الٰہی کے خط ممتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے جو ارتفاع کے تمام مراتب کا انتہا ہے۔ حکمت الٰہی کے ہاتھ ادنیٰ ہی ادنیٰ خلقت سے اور اسفل سے اسفل مخلوق سے سلسلہ پیدائش کا شروع کر کے اس اعلیٰ درجہ کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے۔ جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم جس کے معنے یہ ہیں کہ نہایت تعریف کیا گیا۔ یعنی کمالاتِ تامہ کا مظہر۔ سو جیسا کہ فطرت کے رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطا ہوا اور اعلیٰ وارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیحؑ دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کا نام مقامِ جمع اور مقامِ وحدتِ تامہ ہے۔ پہلے نبیوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی ہے۔ اسی پتہ ونشان پر خبر دی ہے اور اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(توضیحِ مرام ۲۲،۳۲)

رسول کریم ﷺ کی امتیازی خصوصیات

گم شدہ توحید کا احیاء

توحید کا موجب اور توحید کا پیدا کرنے والا اور توحید کا باپ اور توحید کا سرچشمہ اور توحید کا مظہرِ اتم صرف نبی ہی ہوتا ہے اسی کے ذریعہ سے خدا کا مخفی چہرہ نظر آتا ہے اور پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے۔

بات یہ ہے کہ ایک طرف تو حضرتِ احدیث جلشانہ، کی ذات نہایت درجہ استغناء اور بے نیازی میں پڑی ہے اس کو کسی کی ہدایت اور ضلالت کی پروانہیں اور دوسری طرف وہ بالطبع یہ بھی تقاضا فرماتا ہے کہ وہ شناخت کیا جائے اور اس کی رحمت ازلی سے لوگ فائدہ اٹھاویں۔ پس وہ ایسے دل پر جو اہل زمین کے تمام دلوں میں سے محبت اور قرب سبحانہ، کا حاصل کرنے کے لیے کمال درجہ پر فطرتی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور نیز کمال درجہ کی ہمدردی بنی نوع کی اس فطرت میں ہے۔ تجلی فرماتا ہے اور اس پر اپنی ہستی اور صفاتِ ازلیہ ابدیہ کے انوار ظاہر کرتا ہے اور اس طرح وہ خاص اور اعلیٰ فطرت کا آدمی جس کو دوسرے لفظوں میں نبی کہتے ہیں۔ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے۔

پھر وہ نبی بوجہ اس کے کہ ہمدردی بنی نوع کا اس کے دل میں کمال درجہ پُرجوش ہوتا ہے اور اپنی روحانی توجہات اور تضرع اور انکسار سے یہ چاہتا ہے کہ وہ خدا جو اس پر ظاہر ہوا ہے دوسرے لوگ بھی اس کو شناخت کریں اور نجات پاویں۔ اور وہ دلی خواہش سے اپنے وجود کی قربانی خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس تمنا سے کہ لوگ زندہ ہو جائیں کئی موتیں اپنے اوپر قبول کر لیتا ہے اور بڑے مجاہدات میں اپنے تئیں ڈالتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔

لعلّک باخع نفسک الایکونو امومنین

تب اگرچہ خدا مخلوق سے بے نیاز اور مستغنی ہے مگر اس کے دائمی غم اور حزن اور کرب وقلق اور تذلل اور نیستی اور نہایت درجہ کے صدق اور صفا پر نظر کر کے مخلوق کے مستعد دلوں پر اپنے نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ ظاہر کر دیتا ہے اور اس کی پرجوش دعاؤں کی تحریک سے جو آسمان پر ایک صعب ناک شور ڈالتی ہے خدا تعالیٰ کے نشان زمین پر بارش کی طرح برستے ہیں اور عظیم الشان خوارق دنیا کے لوگوں کو دکھلائے جاتے ہیں جن سے دنیا دیکھ لیتی ہے کہ خدا ہے اور خدا کا چہرہ نظر آتا ہے لیکن اگر وہ پاک نبی اس قدر دعا اور تضرع اور ابتہال سے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہ کرتا اور

خدا کے چہرہ کی چمک دنیا پر ظاہر کرنے کے لیے اپنی قربانی نہ دیتا اور ہر ایک قدم میں صدہا موتیں قبول نہ کرتا تو خدا کا چہرہ دنیا پر ہرگز ظاہر نہ ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بوجہ استغناء ذاتی کے بے نیاز ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ واللہ غنی عن العلٰمین اور والذین جاھدو افینالنھید ینّھُمْ سُبلنا۔ یعنی خدا تمام دنیا سے بے نیاز ہے اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور ہماری طلب میں کوشش کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ انہی کے لیے ہمارا یہ قانون قدرت ہے کہ ہم ان کو اپنی راہ دکھلا دیا کرتے ہیں۔

سو خدا کی راہ میں سب سے اول قربانی دینے والے نبی ہیں۔ ہر ایک اپنے لیے کوشش کرتا ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام دوسروں کے لیے کوشش کرتے ہیں لوگ سوتے ہیں اور وہ ان کے لیے جاگتے ہیں اور لوگ ہنستے ہیں اور وہ ان کے لیے روتے ہیں اور دنیا کی رہائی کے لیے ہر ایک مصیبت کو بخوشی اپنے پر وارد کر لیتے ہیں۔ یہ سب اس لیے کرتے ہیں تا کہ خدا تعالیٰ کچھ ایسی تجلی فرما دے کہ لوگوں پر ثابت ہو جاوے کہ خدا موجود ہے اور مستعد دلوں پر اس کی ہستی اور اس کی توحید منکشف ہو جاوے تا کہ وہ نجات پائیں۔ پس وہ جانی دشمنوں کی ہمدردی میں مر رہتے ہیں اور جب انتہا درجہ پر ان کا درد پہنچتا ہے اور ان کی دردناک آہوں سے (جو مخلوق کی رہائی کے لیے ہوتی ہیں) آسمان پُر ہو جاتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ اپنے چہرہ کی چمک دکھلاتا ہے اور زبردست نشانوں کے ساتھ اپنی ہستی اور اپنی توحید لوگوں پر ظاہر کرتا ہے پس اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدادانی کی متاع رسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے۔ بغیر اس کے نہیں مل سکتی۔

اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا کہ ایک قوم جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی ان کو نجاست سے اٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا اور وہ جو روحانی بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے ان کے آگے روحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دیئے۔ ان کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا۔ پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا اور اس قدر ان کے لیے نشان ظاہر کیے کہ ان کو خدا دکھلا دیا اور ان میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ انہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ یہ تاثیر کسی اور نبی سے اپنی امت کی نسبت ظہور میں نہ آئی۔ کیونکہ ان کے صحبت یاب ناقص رہے۔

پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ﷺ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا

اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں ۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہین کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی ۔ وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی ۔ اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لیے خدا نے جو اس کے راز کا واقف تھا۔ اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں دیں ۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے ۔ اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبیؐ کے ذریعے سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں۔ اس بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے ۔ اس آفتابِ ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں ۔

نجات تو دو امر پر موقوف ہے ۔

(۱) ایک یہ کہ یقین کامل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان لاوے ۔

(۲) دوسرے یہ کہ ایسی کامل محبت حضرت احدیت جلشانہ، کی اس کے دل میں جاگزیں ہو کہ جس کے استیلا اور غلبہ کا یہ نتیجہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت عین اس کی راحتِ جان ہو جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے اور اس کی محبت تمام اغیار کی محبتوں کو پامال اور معدوم کر دے یہی توحید حقیقی ہے ۔ کہ بجز متابعت ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ کیوں حاصل نہیں ہو سکتی ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی ذات غیب الغیب اور وراالوراء اور نہایت مخفی واقع ہوئی ہے ۔ جس کو عقول انسانیہ محض اپنی طاقت سے دریافت نہیں کر سکتیں اور کوئی برہان عقلی اس کے وجود پر قطعی دلیل نہیں ہو سکتی ۔۔۔۔۔ اب سوچو کہ یہ خیال کس قدر باطل اور بدبودار ہے کہ بغیر وسیلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توحید میسر آ سکتی ہے ۔ اور اس سے انسان نجات پا سکتا ہے ۔ اے نادانو! جب تک خدا کی ہستی پر یقین کامل نہ ہو اس کی توحید پر کس کر یقین ہو سکے ۔ پس یقیناً سمجھو

کہ توحید یقینی محض نبی کے ذریعہ سے ہی مل سکتی ہے ۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے دہریوں اور بدمذہبوں کو ہزارہا آسمانی نشان دکھلا کر خدا تعالیٰ کے وجود کا قائل کر دیا۔ اور اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل پیروی کرنے والے ان نشانوں کو دہریوں کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔

بات یہی سچ ہے کہ جب تک زندہ خدا کی زندہ طاقتیں انسان مشاہدہ نہیں کرتا۔ شیطان اس کے دل میں سے نہیں نکلتا اور نہ سچی توحید اس کے دل میں داخل ہوتی ہے اور نہ یقینی طور پر خدا کی ہستی کا قائل ہو سکتا ہے اور یہ پاک اور کامل توحید صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتی ہے۔ (حقیقت الوحی ۔۱۱۳ـ۱۱۸ص)

کامل نبی اور کامل انسان

وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پُر زور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً اور عملاً وصدقاً وثباتاً دکھلایا اور انسان کامل کہلایا۔۔۔۔ وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسان کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبیؐ پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداء دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ اگر یہ عظیم الشان نبیؐ دنیا میں نہ آتا تو پھر جس قدر چھوٹے چھوٹے نبی دنیا میں آئے جیسا کہ یونسؑ اور ایوبؑ اور مسیحؑ بن مریم اور ملاکیؑ اور یحییٰؑ اور زکریاؑ وغیرہ وغیرہ ان کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تھی اگرچہ سب مقرب اور وجیہہ اور خدا تعالیٰ کے پیارے تھے یہ اس نبی کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دنیا میں سچے سمجھے گئے ۔

اللھم صلی وسلم وبارک علیہ والہ واصحابہ اجمعین واخر دعوانااَن الحمدللہِ ربِّ العالمین ط

(اتمام الحجہ ۲۸ص)

آنحضرتؐ کی عالمگیر ہمدردی

حضرت عیسیٰ انجیل میں فرماتے ہیں کہ مجھے دوسری قوموں سے سروکار نہیں۔ میں صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لیے آیا ہوں۔ یعنی میری ہمدردی صرف یہودیوں تک محدود ہے مگر قرآن شریف میں صاف لکھا ہے کہ دوسری قوموں سے بھی ہمدردی کرو۔ جیسا کہ اپنی قوم کے لیے اور دوسری قوموں کو بھی معاف کرو جیسا کہ اپنی قوم کو۔ کیونکہ قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف قریش کے لیے بھیجے گئے ہیں بلکہ لکھا ہے کہ وہ تمام دنیا کے لیے بھیجے گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

قل یا ایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا.

یعنی لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمام دنیا کے لیے بھیجا گیا ہوں نہ صرف ایک قوم کے لیے اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

یعنی ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کے لیے تجھے نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جائے۔ پس جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لیے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لیے رحمت ہیں اور آپؐ کی ہمدردی تمام دنیا سے ہے نہ کسی خاص قوم سے (چشمہ معرفت ۱۱۶ص)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یکتا مطاع ہیں

اس کے بعد خدائے واحد کا بندہ احمد کہتا ہے (خدا اسے عافیت میں رکھے اور تائید میں رہے کہ ---- بجز خدا کے مجھ کو کسی نے نہیں سمجھایا اور وہ سب سمجھانے والوں سے بہتر ہے ---- اس نے مجھ کو سکھلایا اور سمجھایا ---- اور مجھے الہام کیا کہ دین اللہ اسلام ہی ہے اور سچا رسول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سردار امام ہے جو رسول امی امین ہے۔ پس جیسا کہ عبادت صرف خدا کے لیے ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہے۔ اسی طرح ہمارا رسول اس بات میں واحد ہے کہ اس کی پیروی کی جاوے اور اس بات میں واحد ہے کہ وہ خاتم الانبیاء ہے۔ (منن الرحمٰن صفحہ ۱۷)

آنحضرتؐ کا دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو دعوت دینا

قرآن شریف نے ہی کھلے طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کے لیے آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ یعنی تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تم سب کے لیے رسول ہو کر آیا ہوں۔ اور پھر فرماتا ہے۔

وما ارسلناک الا رحمۃ اللعالمین.

یعنی میں نے تمام عالموں کے لیے تجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور پھر فرماتا ہے۔ لیکون للعالمین نزیرا ط یعنی ہم نے اس لیے بھیجا ہے کہ تمام دنیا کو ڈرا دے لیکن ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے پہلے دنیا کی کسی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک نے اپنی رسالت کو اپنی قوم تک ہی محدود رکھا۔ یہاں تک کہ جس نبی کو عیسائیوں نے خدا قرار دیا اس کے منہ سے بھی یہی نکلا کہ میں اسرائیل کی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ اور زمانہ کے حالات نے بھی گواہی دی کہ قرآن شریف کا یہ دعویٰ تبلیغ عام کا عین موقع پر ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت تبلیغ عام کے دروازہ کھل گیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے بعد نزول آیت کے کہ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی طرف دعوت اسلام کے خط لکھے تھے۔ کسی اور نبی نے غیر قوموں کے بادشاہوں کی طرف دعوتِ دین کے ہرگز خط نہیں لکھے کیونکہ وہ دوسری قوموں کی دعوت کے لیے مامور نہ تھے یہ عام دعوت کی تحریک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ ہی سے شروع ہوئی اور مسیح موعود کے زمانہ میں اور اس کے ہاتھ سے کمال تک پہنچی۔

جو کچھ قرآن شریف نے توحید کا تخم بلادِ عرب فارس، مصر، شام، ہند، چین، افغانستان، کشمیر وغیرہ بلاد میں بو دیا ہے۔ اور اکثر بلاد سے بت پرستی اور دیگر اقسام کی مخلوق پرستی کا تخم جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔ یہ ایک ایسی کاروائی ہے کہ اس کی نظیر کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی۔

(چشمہ معرفت ۶۸ - ۶۹ ص)

ہرایک نبی آنخضرتؐ کی امت میں داخل ہے

قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ہرایک نبی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لتومنن به ولتضر نه پس اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوئے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱۳۳ص)

آنخضرتؐ کے انوارِ الٰہیہ میں اکملیت

چونکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی وانشراح صدری وعصمت وحیا وصدق وصفا وتوکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ واکمل وارفع واجلیٰ واصفیٰ تھے۔اس لیے خدائے جلشانہ، نے ان کو عطر کمالاتِ خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دل جو تمام اولین وآخرین کے سینہ ودل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ واکمل وارفع واتم ہو کر صفات الٰہیہ کے دکھلانے کے لیے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالات عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحفِ سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے۔کوئی ذہن ایسی صداقت نکال نہیں سکتا جو پہلے ہی سے اس میں درج نہ ہو۔کوئی فکر ایسی برہان عقلی پیش نہیں کر سکتا جو پہلے ہی سے اس نے پیش نہ کی ہو۔کوئی تقریر ایسی قوی اثر کسی دل پر ڈال نہیں سکتی جیسے قوی پُر برکت اثر لاکھوں دلوں پر ڈالتا آیا ہے۔وہ بلاشبہ صفاتِ کمالیہ حق تعالیٰ کا ایک نہایت مصفا آئینہ ہے جس میں سے وہ سب کچھ ملتا ہے۔ جو ایک سالک کو مدارج عالیہ معرفت تک پہنچنے کے لیے درکار ہے۔ (سرمہ چشم آریہ ۲۳۔۲۴ص حاشیہ)

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات

اللہ تعالیٰ جلشانہ، قرآن کریم میں فرماتا ہے---قل رب زدنی علما ۔یعنی اے میرے رب تو مجھے اپنی عظمت اور معرفت شیون اور صفات کا علم کامل بخش اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔وبذالک امرت وانا اول المسلمین ان دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اول المسلمین ٹھہرے تو اس کا یہی باعث ہوا کہ اوروں کی نسبت

علوم معرفتِ الٰہی میں اعلم ہیں یعنی علم ان کا معارف الٰہیہ کے بارے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے ان کا اسلام بھی سب سے اعلیٰ ہے۔اور وہ اول المسلمین ہیں اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زیادتِ علم کی طرف اس دوسری آیت میں بھی اشارہ ہے۔جیسا کہ اللہ جلشانہ، فرماتا ہے۔وعلّمک مالم تکن تعلم وکان فضل الله علیک عظیما الجز نمبر ۵ یعنی خدا تعالیٰ نے تجھ کو وہ علوم عطا کیے جو تو خود بخود نہیں جان سکتا تھا اور فضل الٰہی سے فیضان الٰہی سب سے زیادہ تیرے پر ہوا یعنی تو معارف الٰہیہ اور اسرار اور علوم ربانی میں سب سے بڑھ گیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی معرفت کے عطر کے ساتھ سب زیادہ تجھے معطر کیا غرض علم اور معرفت کو خدا تعالیٰ نے حقیقت اسلامیہ کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا ہے اور اگرچہ حصول حقیقت اسلام کے وسائل اور بھی ہیں جیسے صوم وصلوۃ اور دعا اور تمام احکام الٰہی جو چھ سو سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔لیکن علم، عظمت و وحدانیت ذات اور معرفت شیون وصفاتِ جلالی و جمالی حضرت باری عزاسمہٗ وسیلۃ الوسائل اور سب کا موقوف علیہ ہے کیونکہ جو شخص غافل دل اور معرفت الٰہی سے بکلی بے نصیب ہے وہ کب توفیق پا سکتا ہے۔ کہ صوم وصلوٰۃ بجالاوے یا دعا کرے یا اور خیرات کی طرف مشغول ہو۔ان سب اعمال صالح کا محرک تو معرفت ہی ہے اور یہ تمام دوسرے وسائل اور اصل اسی کے پیدا کردہ اور اسی کے بنین وبنات ہیں اور ابتداء اس معرفت کی پرتو اسمِ رحمانیت سے ہے نہ کسی عمل سے نہ کسی دعا سے بلکہ بلاعلّت فیضان سے صرف ایک موہبت ہے۔یهدی من یشاء ویضل من یشاء مگر پھر یہ معرفت اعمال صالحہ اور حسن ایمان کے شمول سے زیادہ ہوتی ہے یہاں تک کہ آخر الہام اور کلام الٰہی کے رنگ میں نزول پکڑ کر تمام صحن سینہ کو اس نور سے منور کر دیتی ہے۔جس کا نام اسلام ہے اور اس معرفت تامہ کے درجہ پر پہنچ کر اسلام صرف لفظی اسلام نہیں رہتا بلکہ وہ تمام حقیقت اس کی جو ہم بیان کر چکے ہیں حاصل ہو جاتی ہے اور انسانی روح نہایت انکسار سے حضرت احدیت میں اپنا سر رکھ دیتی ہے تب دونوں طرف سے یہ آواز آتی ہے کہ جو میرا سو تیرا ہے یعنی بندہ کی روح بھی بولتی ہے اور اقرار کرتی ہے کہ یاالٰہی جو میرا ہے سو تیرا ہے اور خدا تعالیٰ بھی بولتا ہے اور بشارت دیتا ہے کہ اے میرے بندے جو کچھ زمین و آسمان وغیرہ میرے ساتھ ہے وہ تیرے ساتھ ہے۔اسی مرتبہ کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے۔ قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً ۔الجز ۲۴ ۔ سورۃ الزمر یعنی کہ اے میرے غلامو! جنہوں نے اپنے نفسوں

پر زیادتی کی ہے کہ تم رحمت الٰہی سے ناامید مت ہو خدا تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا اب اس آیت میں بجائے قل یا عباداللہ کے جس کے یہ معنے ہیں کہ کہہ کہ اے خدا تعالیٰ کے بندو یہ فرمایا کہ قل یا عبادی یعنی کہ اے میرے غلامو اس طرز کے اختیار کرنے میں بھید یہی ہے کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی ہے کہ تا خدا تعالیٰ بے انتہا رحمتوں کی بشارت دیوے۔ اور جو لوگ کثرت گناہوں سے دل شکستہ ہیں ان کو تسکین بخشے۔ سو اللہ جل شانہ، نے اس آیت میں چاہا کہ اپنی رحمتوں کا ایک نمونہ پیش کرے اور بندہ کو دکھلا دے کہ میں کہاں تک اپنے وفادار بندوں کو انعاماتِ خاصہ سے مشرف کرتا ہوں سو اس نے قل یا عبادی کے لفظ سے یہ ظاہر کیا کہ دیکھو یہ میرا پیارا رسول دیکھو یہ برگزیدہ بندہ کہ کمال طاعت سے کس درجہ تک پہنچا کہ اب جو کچھ میرا ہے وہ اس کا ہے جو شخص نجات چاہتا ہے وہ اس کا غلام ہو جائے یعنی ایسا اس کی طاعت میں محو ہو جائے کہ گویا اس کا غلام ہے تب وہ گو کیسا ہی پہلے گنہگار تھا بخشا جائے گا جاننا چاہیے کہ عبد کا لفظ لغت عرب میں غلام کے معنوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ، فرماتا ہے۔ ولعبد مومن خیر من مشرك اور اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اپنی نجات چاہتا ہے وہ اس نبی سے غلامی کی نسبت پیدا کرے یعنی اس کے حکم سے باہر نہ جائے اور اس کے دامنِ طاعت سے اپنے تئیں وابستہ جانے جیسا کہ غلام جانتا ہے تب وہ نجات پائے گا۔

اس مقام میں ان کور باطن نام کے موحدوں پر افسوس آتا ہے کہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں تک بغض رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ نام کہ غلام نبی، غلام رسول، غلام مصطفیٰ، غلام احمد، غلام محمد، شرک میں داخل ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ مدارِ نجات یہی نام ہیں اور چونکہ عبد کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ ہر ایک آزادگی اور خودروی سے باہر آ جائے اور پورا متبع اپنے مولیٰ کا ہو اس لیے حق کے طالبوں کو یہ رغبت دی گئی کہ اگر نجات چاہتے ہو تو یہ مفہوم اپنے اندر پیدا کریں اور درحقیقت یہ آیت اور یہ دوسری آیت۔ قل ان کنتم تحبون اللہ. فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم ازروئے مفہوم کے ایک ہی ہیں کیونکہ کمال اتباع اس محویت اور اطاعت تامہ کو مستلزم ہے جو عبد کے مفہوم میں پائی جاتی ہے یہی سر ہے کہ جیسے پہلی آیت میں مغفرت کا وعدہ بلکہ محبوب الٰہی بننے کی خوشخبری ہے گویا یہ آیت کہ قل یا عبادی دوسرے لفظوں میں اس طرح پر ہے کہ قل یا متبعی یعنی اے میری پیروی کرنے والو جو بکثرت گناہوں مین مبتلا ہو رہے ہو۔ رحمت الٰہی سے ناامید مت ہو کہ جلشانہ، بہ برکت

میری پیروی کے تمام گناہ بخش دے گا اور اگر عباد سے صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہی مراد لیے جائیں تو معنے خراب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہرگز درست نہیں کہ خدا تعالیٰ بغیر تحقق شرط ایمان اور بغیر تحقق شرط پیروی تمام مشرکوں اور کافروں کو یونہی بخش دیوے ایسے معنے تو نصوص بینہ قرآن سے صریح مخالف ہیں۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۸۶ تا ۱۹۷)